اسلاف کا حیرت انگیز حافظہ

تاریخِ اسلام کی ان مشاہیر شخصیات کا تذکرہ جنہیں
قدرت کی طرف سے انمول حافظے کا تحفہ ودیعت کیا گیا
ایک ایسا تذکرہ کہ جسے پڑھ کر آپ بھی اپنے حافظے کو صیقل کر سکیں

مؤلف
مولانا اویس سرور

بیت العلوم

اسلاف کا حیرت انگیز
حافظہ

اسلاف کا حیرت انگیز حافظہ

تاریخ اسلام کی ان مشاہیر شخصیات کا تذکرہ جنہیں
قدرت کی طرف سے انمول حافظے کا تحفہ ودیعت کیا گیا
ایک ایسا تذکرہ کہ جسے پڑھ کر آپ بھی اپنے حافظے کو صیقل کر سکیں

مؤلف
مولانا اویس سرور

بیت العلوم
۲۰- نابھہ روڈ، پرانی انارکلی لاہور۔ فون، ۷۳۵۲۴۸۳

کتاب اسلاف کا حیرت انگیز حافظہ
مؤلف مولانا اویس سرور
باہتمام مولانا محمد ناظم اشرف
ناشر بیت العلوم ۔۲۰ نابھہ روڈ، چوک پرانی انارکلی، لاہور
فون: 042-7352483

﴿ملنے کے پتے﴾

بیت العلوم = ۲۰ نابھہ روڈ، پرانی انارکلی، لاہور
ادارہ اسلامیات = ۱۹۰ انارکلی، لاہور
ادارہ اسلامیات = موہن روڈ چوک اردو بازار، کراچی
دارالاشاعت = اردو بازار کراچی نمبر ۱
بیت القرآن = اردو بازار کراچی نمبر ۱
بیت الکتب = گلشن اقبال، کراچی
ادارۃ المعارف = ڈاک خانہ دارالعلوم کورنگی کراچی نمبر ۱۴
مکتبہ دارالعلوم = جامعہ دارالعلوم کورنگی کراچی نمبر ۱۴
مکتبۂ قرآن = بنوری ٹاؤن، کراچی
بک سنٹر = 32 حیدر روڈ راولپنڈی

فہرست مضامین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

﴿مقدمہ﴾

حضرت محمد ﷺ کے فرمودات، معمولات اور آپ ﷺ سے متعلقہ معلومات جنہیں آج حدیث کی کتابوں میں ہم پاتے ہیں، ان کے متعلق یہ خیال سرے سے بے بنیاد ہے کہ صحاح کی موجودہ کتابوں سے پہلے کتابت و تدوین کے بجائے صرف سینوں سے سینوں ہی تک منتقل ہوتے رہے، کیونکہ تاریخ اس بات کو ثابت کر چکی ہے کہ نہ صرف خلفائے راشدین کے زمانہ میں بلکہ خود نبی کریم ﷺ کے زمانہ میں کتابت حدیث کا وجود تھا، یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہے کہ عہد نبوی ﷺ میں کاتبین قرآن کی طرح کچھ صحابہ کرامؓ ایسے بھی تھے جو احادیث لکھا کرتے تھے، حضرت عبداللہ بن عمروؓ کا صحیفہ اس کی روشن مثال ہے۔

لیکن تھوڑی دیر کے لئے اس خیال کو تسلیم بھی کر لیا جائے کہ عہد نبوی یا تدوین حدیث کے زمانہ سے پہلے کتابت حدیث کا وجود نہیں تھا تب بھی احادیث کو قطعی طور پر مسترد کر دینے کے لئے اتنی وجہ کیسے کافی ہو سکتی ہے کہ سوڈیڑھ سو سال تک بجائے کاغذ کے بے جان اوراق کے زندہ انسانوں کے حافظوں نے ان کی حفاظت کی، آخر آدمی کا حافظہ آدمی کا حافظہ ہے۔ شمع کے ان پروانوں کا حافظہ تو نہیں ہے جن کے متعلق کہا جاتا ہے کہ جلنے کے فوراً بعد ان پروانوں کے حافظہ سے جلنے کا خیال نکل جاتا ہے اسی لئے جلنے کے بعد بار بار پھر اسی شمع پر گرتے ہیں۔ ہم اسی انسان کی بینائی، شنوائی اور دوسری قوتوں پر اعتماد کرتے ہیں، ان ہی معلومات پر آدمی کی زندگی اور زندگی کے پورے کاروبار کا دارومدار ہے۔ دیکھنے میں آنکھوں پر، سننے میں کانوں پر، سونگھنے میں ناک پر، چکھنے میں زبانوں پر ہم بھروسہ کرتے ہیں، پھر ایک حافظہ اور یادداشت ہی کی قوت بدگمانیوں کا شکار کیوں بنی ہوئی ہے؟ کیوں سمجھ لیا گیا ہے کہ کچھ دن کے لئے کسی چیز کا حافظہ کی قوت کے سپرد ہونے کے یہ معنی ہیں کہ ان ساری ضمانتوں سے وہ محروم ہوگئی جن کی ضرورت اعتماد اور بھروسہ کے لئے قدرۃً انسانی فطرت محسوس کرتی ہے۔

اس کتاب کے لکھنے کی ضرورت بھی اسی لئے پیش آئی کہ یہ معلوم ہو سکے کہ انسانی زندگی میں حافظہ کا کیا مقام ہے؟ کیا یہ ایک نا قابل اعتماد ذریعہ حفاظت ہے یا کہ ایک ایسی نا قابل اٹل حقیقت جس کا سینہ علم کا دفینہ اور جس میں پوشیدہ علم کا خزینہ ہے۔

اسلام کی طرح دوسرے مذاہب کی بنیاد بھی قوت حافظہ پر رہی ہے، اس لئے یہ کیسے کہا جا سکتا ہے کہ اسلام اس معاملہ میں محل ملامت ہے یا احادیث رسول ﷺ حافظہ کے حوالہ ہو کر نا قابل اعتماد ہو گئی ہیں۔ مولانا مناظر احسن گیلانی رحمہ اللہ اپنی شہرہ آفاق کتاب تدوین حدیث میں رقم طراز ہیں:

> ''ہندیات کے مشہور محقق ابوریحان کے حوالہ سے یہ بات جو نقل کی گئی ہے کہ جس زمانے میں البیرونی ہندوستان آیا تھا اس کا بیان ہے کہ اس کی آمد سے کچھ دن پیشتر ایک کشمیری پنڈت نے پہلے پہل ویدوں کو کتابی قالب عطا کیا تھا، ورنہ اس سے پہلے ویدوں کا سارا دارومدار ان پنڈتوں کے حافظہ پر تھا جو نسلاً بعد نسلٍ اس کے اشلوکوں کو زبانی یاد کرتے چلے آرہے تھے۔
>
> اسی کشمیری پنڈت سے پہلے زبانی یادداشت کی شکل میں وید کتنے زمانے تک رہی؟ اس سوال کے جواب میں خود وید کے ماننے والے ہندسوں کی جس طویل قطار کو پیش کرتے ہیں ہم انہیں لاہوتی ریاضیات کا ہندسی رمز قرار دیتے ہوئے اور ان کے سمجھنے سے معذوری کا اقرار کرتے ہوئے اسی کو اگر صحیح مان لیں جو آجکل کے مغربی مستشرقین کہتے ہیں یعنی ویدوں کے ظہور کے ابتدائی زمانے کو متعین کرتے ہوئے یورپ کے اربابِ تحقیق کا جو یہ خیال ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام کی ولادت سے گیارہ بارہ سو سال آگے وید کی تاریخ نہیں بڑھتی، جب بھی البیرونی کی مذکورہ بالا شہادت کا مطلب کیا ہوا؟ ہم جانتے ہیں کہ البیرونی گیارہویں صدی عیسوی کے

ابتدائی سالوں میں یعنی ۱۰۳۰ء میں ہندوستان پہنچا تھا، اس لحاظ سے مستشرقین کی تحقیق کی بنیاد پر گویا یہ ماننا پڑے گا کہ کم از کم دو ہزار سال تک ہندو دھرم کی یہ بنیادی کتاب کاغذ اور سیاہی، قلم و دوات کی منت کشی سے آزاد رہی ہے۔

وید اور اس کی تعلیمات سے متعلق دوسرے جہات اور پہلوؤں سے چاہے کچھ بھی کہا جائے لیکن اس کے ماننے والوں میں محض اس بنیاد پر میں تو نہیں سمجھتا کہ شک اندازی کی کوشش کامیاب ہوسکتی ہے کہ ایسی کتاب کا کیا اعتبار! جس کے مضامین اور اشلوکوں کو دو ہزار سال تک برہمنوں اور پنڈتوں نے صرف یاد کر کے محفوظ رکھا اور ایک نسل سے دوسری نسل تک اس کو یوں ہی منتقل کرتے چلے آئے ہوں، اوروں کے متعلق تو میں نہیں کہتا لیکن مسلمانوں کی طرف سے یہ کہہ سکتا ہوں کہ اس اعتراض کی جرأت وہ کیسے کر سکتے ہیں، ان کے پاس قرآن کے حفظ کا رواج اب تک زندہ ہے۔ کیا یہ واقعہ نہیں ہے کہ مکتوبہ قرآن کے الفاظ پر حالانکہ زیر و زبر، پیش جزم اور تشدید الغرض ہر قسم کے حرکات لگا دیئے گئے ہیں لیکن باوجود اس کے یہ بالکل ممکن ہے کہ مکتوبہ اور لکھے ہوئے قرآن کا پڑھنے والا بعض الفاظ کے پڑھنے اور سمجھنے میں غلطی کر جائے لیکن تجربہ شاہد ہے کہ قرآن کے حفاظ عموماً اس قسم کی غلطیوں سے محفوظ ہو جاتے ہیں۔

کون کہہ سکتا ہے کہ اپنی آسمانی کتاب کو زبانی یاد کرنے کا دستور جس مذہبی ذوق کی وجہ سے مسلمانوں میں اب تک باقی ہے دوسری قوموں میں بھی اس کا رواج نہ تھا۔ کرسٹن نے اپنی تاریخ ''ایران در عہدِ ساسانیاں'' میں لکھا ہے کہ ہرمز چہارم ایرانی بادشاہ کے سامنے ایک عیسائی پیش ہوا جسے عہد قدیم و جدید کے سارے نوشتے زبانی یاد

تھے۔ بادشاہ نے بائبل کے اس حافظ کو انعام سے بھی سرفراز کیا تھا۔
ہم یہ نہیں جانتے کہ یہود و نصاریٰ میں اپنی کتابوں کے زبانی یاد کرنے کا یہ رواج اب بھی باقی ہے یا نہیں، لیکن جہاں تک مجھے معلوم ہوا ہے بعض برہمنوں کے نام کے آخر میں دوبے، چوبے، چتر ویدی، تر ویدی وغیرہ کے جو لاحقات پائے جاتے ہیں یہ علامتیں ہی اس بات کی ہیں کہ ان لوگوں کے آباؤ اجداد نے کسی زمانے میں وید کو زبانی یاد کیا تھا۔ کہتے ہیں کہ چاروں وید کو جو زبانی یاد کرتے تھے وہ چتر ویدی یا چوبے اور تین کے یاد کرنے والے تر ویدی، دو کے یاد کرنے والے دوبے کہلاتے تھے"[1]

ایک زمانے تک مسلمانوں میں قرآن کے ساتھ احادیث کو بھی زبانی یاد کرنے کا دستور جاری رہا ہے اور پیغمبر ﷺ کی حدیثوں کے حفظ کا یہ ذوق خود پیغمبر ﷺ کا پیدا کرایا ہوا تھا۔ صحاح کی مشہور حدیث ہے:

﴿نضر الله امرء ا سمع مناحديثا فحفظه حتى يبلغه﴾
"اللہ تعالیٰ اس شخص کو خوشحال و نہال رکھے جو میری حدیث کو سنے، اسے یاد کرے اور اس کی تبلیغ کرے"

صحابہ کرام بھی اپنے شاگردوں کو اور ان لوگوں کو جو ان سے رسول اللہ ﷺ کی حدیثیں سنا کرتے تھے، یہ کہا کرتے تھے:

"تمھارے نبی ﷺ ہم لوگوں سے حدیثیں بیان کیا کرتے تھے اور ہم ان کو زبانی یاد کر لیتے تھے۔ پس تم لوگ بھی اسی طرح حدیثوں کو زبانی یاد کیا کرو جیسے ہم کیا کرتے تھے۔"[2]

ابنِ عساکر نے اسماعیل بن عبیدہ محدث کا قول نقل کیا ہے وہ کہا کرتے تھے کہ:

﴿ينبغي لنا ان نحفظ حديث رسول الله صلى الله عليه و سلم كما نحفظ القران﴾

---

[1] تدوین حدیث، ص: ۱۴۰۔۱۴۲ [2] جامع بیان العلم، ص: ۶۴

''ہم لوگوں کو چاہئے کہ رسول اللہ ﷺ کی حدیثوں کو اسی طرح یاد کریں جیسے ہم قرآن یاد کرتے ہیں۔''[1]

ذہبی نے مشہور حافظ حدیث ابن خزیمہ کے متعلق یہ الفاظ ابو علی نیشاپوری کے حوالہ سے نقل کئے ہیں کہ:

﴿کان ابن خزیمة یحفظ الفقهیات من حدیث کما یحفظ القاری السورة﴾

''فقہی حدیثوں کو ابن خزیمہ اسی طرح یاد کرتے تھے جیسے قاری سورتوں کو یاد کرتا ہے۔''[2]

ذہبی ہی نے اسرائیل بن یونس کے حالات میں بھی لکھا ہے کہ اپنے دادا ابو اسحٰق کی روایت کردہ حدیثوں کے متعلق خود کہا کرتے تھے کہ:

﴿کنت احفظ حدیث ابی اسحاق کما احفظ السورة من القرآن﴾

''ہم ابو اسحاق کی روایت کردہ حدیثوں کو اس طرح یاد کرتے تھے جیسے قرآن کی سورتیں یاد کی جاتی ہیں۔''

شہر بن حوشب کے حالات میں بھی لکھا ہے کہ احمد عبد المجید بن بہرام کے پاس شہر کی حدیثوں کا ذخیرہ تھا اور ان کو ساری حدیثیں زبانی یاد تھیں ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے قرآن کی کوئی سورت پڑھ رہے ہوں[3]

روایات سے اس کا بھی پتہ چلتا ہے کہ حفظ کرنے والے بچوں کو شروع ہی سے جیسے قرآن کے حفظ میں لگا دیا جاتا ہے اسی طرح قرآن کے ساتھ حدیث بھی بچوں کو زبانی یاد کرائی جاتی تھی اور صحابہ ہی کے عہد میں اس کی بنیاد پڑ چکی تھی۔ ابن عباسؓ کے غلام عکرمہ جن کی تعلیم پر ابن عباسؓ نے خاص توجہ کی تھی اور اسی کا نتیجہ تھا کہ تابعین کے عہد میں چند

---

[1] تاریخ دمشق، ۲/۱۷ [2] تذکرۃ الحفاظ، ۲/۲۶۱

[3] تہذیب التہذیب، ۴/۱۷۳

ممتاز ائمہ میں ایک بہت بڑے امام کی حیثیت عکرمہ کی ہوگئی۔ اپنی تعلیمی سرگزشت بیان کرتے ہوئے عکرمہ فرماتے ہیں کہ:

﴿کان ابن عباس یضع الکبل فی رجلی علیٰ تعلیم القرآن والسنن﴾

''ابن عباسؓ میرے پاؤں میں قرآن اور حدیثوں کی تعلیم دینے کے لئے بیڑی ڈال دیتے تھے۔''[1]

حضرت ابوہریرہؓ کی خدمت میں اپنے بچوں کو بعض لوگ بچپن ہی سے حدیث یاد کرنے کے لئے بھیج دیا کرتے تھے۔ ابن سیرینؒ بھی ان ہی لوگوں میں ہیں جن کے والد نے بچپن ہی سے ابوہریرہؓ کے سپرد کر دیا تھا۔ لکھا ہے کہ ابن سیرینؒ کے ایک بھائی یحییٰ نامی بھی تھے، دونوں بچوں کی قوت یادداشت اور حدیثوں کے زبانی یاد کرنے کی صلاحیت کا اندازہ ابوہریرہؓ نے کیا تو یحییٰ میں زیادہ صلاحیت نظر آئی ابوہریرہؓ نے یحییٰ کی یادداشت دیکھ کر ان کی کنیت رکھی۔''[2]

عبداللہ بن مسعودؓ کے خلیفہ اور شاگردِ رشید علقمہ خود اپنے متعلق فرماتے ہیں کہ اپنی نوجوانی کے زمانے میں جو چیزیں میں نے زبانی یاد کرلی تھیں ان کی حالت ایسی ہے کہ کاغذ یا ورق پر رکھے ہوئے گویا وہ میرے سامنے ہیں،، اور صرف یاد کر لینا ہی کافی نہیں سمجھا جاتا تھا بلکہ یاد کرنے کے بعد بار بار ان ہی کی یاد کی ہوئی حدیثوں کو دہراتے رہنا یہ بھی ایسا مسئلہ تھا جس کی ہر استاذ اپنے شاگردوں کو تاکید کرتے ہوئے اصرار کرتا تھا۔

اور صرف یہی نہیں بلکہ قرآن حفظ کرنے والوں کا آموختہ جیسے سنا جاتا ہے، صحابہ اور تابعین ہی کے عہد سے معلوم ہوتا ہے کہ حدیث کے یاد کرنے والوں کا بھی آموختہ لوگ سنتے تھے۔ عروۃ بن زبیرؓ حضرت عائشہ صدیقہؓ کے علم کے راوی ہیں، ان ہی کا حال ان کے صاحبزادے ہشام بن عروۃ بیان کرتے ہوئے فرمایا کرتے تھے کہ میرے والد مجھے اور میرے دوسرے بھائیوں عبداللہ، عثمان و اسماعیل وغیرہ کو حدیثیں پڑھا دیتے پھر ہم سے

---

[1] تذکرۃ الحفاظ، ۲/۹۰ [2] طبقات ابن سعد، ۱۵۰/۷

دوبارہ سنتے اور کہتے کہ جو کچھ تم نے پڑھا اور یاد کیا ہے وہ مجھے سناؤ اور وہ (ہشام کے والد عروۃ) میری (یعنی ہشام کی) یادداشت کو دیکھ کر بہت خوش ہوتے تھے۔"[1]

سعید ہی کا بیان ہے کہ شروع میں ابن عباسؓ نے مجھ سے آموختہ سننا چاہا تو میں گھبرایا، میری اس کیفیت کو دیکھ کر ابن عباسؓ نے فرمایا کہ:

﴿أو ليس من نعمة الله عليك أن تحدث وأنا شاهد فان أصبت فذاك وان أخطأت علمتك﴾

"کیا حق تعالیٰ کی یہ نعمت نہیں ہے کہ تم حدیث بیان کرو اور میں موجود ہوں، اگر صحیح طور پر بیان کرو گے تو اس سے بہتر بات کیا ہو سکتی ہے اور اگر غلطی کرو گے تو میں تم کو بتادوں گا۔"[2]

عام طور پر صحیح حدیث کی شرائط کو بیان کرتے ہوئے عدالت اور حفظ وغیرہ کے الفاظ کتابوں میں لوگوں کو جو ملتے ہیں تو بظاہر "حفظ" کے اس لفظ سے یہ سمجھ لیا جاتا ہے کہ راوی کے حافظہ کو غیر معمولی طور پر قوی ہونا چاہئے گویا عام اور معمولی حافظہ والے لوگ "صحیح حدیث" کے راوی بن ہی نہیں سکتے۔ یہی اس کا مطلب ہے لیکن دراصل یہ ایک مغالطہ ہے بلکہ یہاں غرض حافظ سے وہی ہے کہ "راوی" نے حدیث کے یاد کرنے میں پوری توجہ اور محنت صرف کی ہو خواہ حفظ اور یادداشت کی قوت اس کی معمولی ہو یا غیر معمولی۔ یاد کر لینے کے بعد معمولی حافظہ والے آدمی کی یاد کی ہوئی چیز اسی طرح بھروسہ اور اعتماد کے قابل ہو جاتی ہے جیسے غیر معمولی حافظہ والوں کے محفوظات پر اعتماد کیا جاتا ہے۔ قرآن کے حفاظ جس کی بہترین زندہ مثالیں ہیں[3]

---

[1] تاریخ کبیر بخاری، ص:۴۰ [2] ابن سعد، ۶/۱۷۹
[3] تدوین حدیث، ص: ۱۶۱

باب......(۱)

﴿حافظہ کیا ہے؟﴾

حافظہ کا لغوی و اصطلاحی مفہوم، حفظ کے لئے مناسب مقامات، اوقات اور اسباب، حافظہ کو تیز اور کمزور کرنے والے عوامل اور دوسری اہم معلومات پر مشتمل ایک اہم باب......

﴿حافظہ کیا ہے؟﴾

حافظہ کا لغوی مفہوم

امام جوہری اپنی شہرہ آفاق لغت ''الصحاح'' میں رقم طراز ہیں:

﴿حفظت الشیء حفظا ای حرسته، وحفظته أیضا بمعنی استظهرته﴾

''حفظت الشیء کا معنی ہے کسی چیز کی حفاظت کرنا اور اس کا معنی کسی چیز کو یاد کرنے کے بھی آتے ہیں''[1]

علامہ افریقیؒ فرماتے ہیں:

﴿الحفظ نقیض النسیان وهو التعاهد وقلة الغفلة، التحفظ التیقظ، وتحفظت الکتاب ای استظهرته شیئا بعد شیئا﴾

''حفظ فراموشی کی ضد ہے اور اس کا معنی یاد کرنا اور غفلت کا نہ ہونا، تحفظ کا معنی بیداری ہے اور تحفظت الکتاب کا معنی ہے ''میں نے کتاب کو تھوڑا تھوڑا یاد کرلیا''[2]

حافظہ کا اصطلاحی مفہوم:

علامہ جرجانیؒ فرماتے ہیں:

﴿الحفظ ضبط الصور المدرکة﴾

''حفظ حسی صورتوں کے ضبط سے عبارت ہے''[3]

المعجم الوسیط میں حافظہ کی تعریف ان الفاظ میں کی گئی ہے:

﴿الحافظة قوة تحفظ ما تدرکه القوة الوهمیة من

---

[1] الصحاح للجوهری (۱۱۷۲/۳) [2] لسان العرب (۴۴۱/۷)

[3] کتاب التعریفات، (ص:۱۲۰)

المعانی وتذکرھا وتسمی الذاکرۃ ایضاً﴾

''حافظہ اس قوت کا نام ہے جس کے ذریعہ قوت وہمیہ کے حاصل کردہ معانی کو محفوظ کیا جاتا ہے، اسے ذاکرہ بھی کہا جاتا ہے''[۱]

حافظہ کی ایک تعریف یہ بھی کی گئی ہے:

﴿الحفظ فی الاصطلاح ملکۃ یقتدر بھا علی تأدیۃ المحفوظ﴾

''حفظ ایک ایسی قوت کا نام ہے جس کے ذریعہ یاد کردہ بات کو ادا کرنا ممکن ہوتا ہے''[۲]

حفظ کے لئے مناسب اوقات:

کسی چیز کو یاد کرنے کے لئے حفظ کے مناسب اوقات کا اہتمام کرنا اور ان کی رعایت کرنا ضروری ہے، بعض مناسب ترین اوقات حفظ یہ ہیں:

۱۔ سحری کا وقت۔

۲۔ نصف نہار۔

۳۔ اول نہار۔

۴۔ رات کو یاد کرنا دن کو یاد کرنے سے بہتر ہے۔

یہ امر یاد رکھنے کے قابل ہے کہ مذکورہ اوقات کو اکثریت کی بنا پر ذکر کیا گیا ہے ورنہ ہر انسان کی طبیعت مختلف ہے اور اختلاف طبائع کی وجہ سے مناسب اوقات حفظ میں اختلاف ہوسکتا ہے[۳]

حفظ کے لئے مناسب مقامات:

حفظ کے لئے مناسب ترین مقامات مندرجہ ذیل ہیں:

---

۱ المعجم الوسیط (۱/۱۸۵) ۲ حاشیۃ البقری علی شرح الرحبیۃ، ص:۱۴

۳ الفقیہ والمتفقہ (۲/۲۰۷)

۱۔ اونچی جگہیں، نیچی جگہوں کی بہ نسبت حفظ کے لئے زیادہ مناسب ہیں۔

۲۔ ہر وہ جگہ جو اسباب لہو ولعب سے خالی ہو۔

۳۔ ہر وہ مقام جو دل کو اپنی طرف متوجہ نہ کرے اور پڑھنے والا یکسو ہو کر اپنی پڑھائی کی طرف متوجہ ہو۔

۴۔ دریا کا کنارہ، سرسبز وشاداب جگہیں اور خوبصورت قدرتی مقامات میں حفظ کرنا قدرے بہتر اور دیرپا ہوتا ہے[۱]

حفظ میں معاون ومددگار اسباب

(۱) اللہ کی رضا اور مسلمانوں کی خیرخواہی کا جذبہ:

حفظ کرنے والے کو چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کی رضا اور مسلمانوں کی خیرخواہی کو مدنظر رکھے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

''انما یحفظ الرجل علی قدر نیته''

''آدمی کو اس کی نیت کے بقدر ہی یاد ہوتا ہے''

(۲) نیت خالص رکھے:

نیت کی درستگی اور محض اللہ کی رضا کے لئے کسی چیز کو یاد کرنا حفظ میں سہولت پیدا کرتا ہے، جب علم کا حصول غیر اللہ کے لئے ہو تو اس میں سے برکت ختم کردی جاتی ہے اور وہ وبال کا ذریعہ بن جاتا ہے۔

(۳) ترک معاصی:

گناہوں کو چھوڑنا حافظہ قوی کرنے کے اسباب میں سے ایک اہم ترین سبب ہے۔

ایک مرتبہ ایک آدمی نے امام مالکؒ سے سوال کیا، اے ابوعبداللہ! کیا کوئی چیز حافظہ کے لئے مقوی ہوسکتی ہے؟ آپ نے فرمایا:

''اگر کوئی چیز حافظہ کو قوت پہنچاسکتی ہے تو وہ گناہوں کا چھوڑنا ہے''

---

۱ الفقیه والمتفقه (۲/۱۰۷)

علی بن خشرم کہتے ہیں ''ایک دن میں نے اپنے استاذ حضرت وکیعؒ سے سوال کیا اور کہا ''اے ابوسفیان! کیا آپ کے علم میں کوئی ایسی چیز ہے جو علم کے لئے نافع ہو؟'' آپ نے فرمایا:

''گناہوں کو چھوڑنا حافظہ کے لئے سراپا مدد و تعاون ہے''

امام شافعیؒ فرماتے ہیں:

شکوت الی وکیع سوء حفظی
فارشدنی الی ترک المعاصی
واخبرنی بان العلم نور
ونور الله لا یھدی لعاص

''میں نے اپنے استاذ وکیع سے حافظہ کی کمزوری کی شکایت کی تو انہوں نے مجھے گناہ چھوڑ دینے کا حکم دیا اور مجھے بتایا کہ علم ایک نور ہے اور اللہ کا نور کسی نافرمان اور گناہوں کے رسیا کو نہیں دیا جاتا''[1]

(۴) حدود اللہ کی پاسداری:

جو شخص سچے دل کے ساتھ اللہ تعالی کے دربار میں سربسجود ہو جاتا ہے اور اللہ تعالی کی حدود کی صدق دل سے حفاظت کرتا ہے اللہ تعالی اس کے سینہ کو کھول دیتے ہیں اور حفظ کو اس کے لئے آسان فرما دیتے ہیں۔

اللہ تبارک وتعالی کا ارشاد ہے:

﴿ان تنصروا الله ینصرکم﴾ (محمد:۷)

''اگر تم اللہ (کے دین) کی مدد کرو گے تو اللہ تمہاری مدد کرے گا''

ایک اور مقام پر ارشاد ربانی ہے:

﴿فاذکرونی اذکرکم﴾ (البقرۃ:۱۵۲)

''تم میرا ذکر کرو میں تمہارا ذکر کروں گا''

اسی طرح فرمایا:

---

[1] دیوان الامام الشافعی ص: ۵۴

﴿وأوفوا بعهدی اوف بعهدکم﴾ (البقرۃ:۴۰)

''تم مجھ سے کیا ہوا وعدہ پورا کرو میں تم سے کیا ہوا وعدہ پورا کروں گا''

(۵) غذا کا خاص خیال رکھنا:

حافظہ تیز کرنے کے لئے ضروری ہے کہ طالبعلم حلال اور پاکیزہ کھانا کھائے، کم کھائے اور اپنی غذا کا خاص خیال رکھے۔

(۶) مسلسل مطالعہ:

مسلسل مطالعہ اور انہماک کے ساتھ کتب بینی میں مشغول رہنا بھی حافظہ کی قوت میں ممد ومعاون ثابت ہوتا ہے۔

امام بخاری کے بے نظیر حافظہ کا راز بھی یہی تھا۔ محمد بن ابی حاتم نے کسی سے سنا کہ امام بخاری نے بلازر (خاص قسم کی دوا) کھائی ہے اس لئے ان کا حافظہ قوی ہے، انہوں نے امام بخاری سے دریافت کیا کہ حافظہ کی کوئی دوا ہے؟ فرمانے لگے، مجھے نہیں معلوم، پھر فرمانے لگے:

''لا اعلم شیئا انفع للحفظ من نهمة الرجل و مداومة النظر''

''حافظہ کے لئے آدمی کے انہماک، دائمی نظر ومطالعہ سے بہتر کوئی چیز میرے علم میں نہیں ہے۔''[۱]

(۷) مسلسل کوشش:

مسلسل کوشش اور باقاعدگی سے یاد کرنا کسی بھی مضمون کو یاد کرنے اور یاد رکھنے میں انتہائی معاون اور مددگار چیز ہے۔

امام شافعیؒ فرماتے ہیں:

بقدر الکد تکتسب المعالی	ومن طلب العلا سهر اللیالی
تروم العـــز ثـم تنام لیلا	یغوص البحر من طلب اللآلی
ترکت النوم ربی فی اللیالی	لاجل رضاک یا مولی الموالی
نوفقنی الی تحصیل علم	وبلغنی الی اقصی المعالی

[۱] مقدمۃ فتح الباری، ص: ۴۸۸ نیز سیر اعلام النبلاء، ۱۲/۴۰۶

''بلندیاں ہمیشہ مشقت کے بقدر حاصل ہوتی ہیں اور جو بلندی طلب کرنا چاہتا ہے وہ راتوں کو جاگتا ہے، تو عزت و رفعت چاہتا ہے اس کے باوجود رات کو سویا پڑا رہتا ہے جس کو موتیوں کی تلاش ہوتی ہے وہ سمندر میں غوطے لگاتا ہے (ہاتھ پر ہاتھ دھرے منتظر فرداں نہیں رہتا) اے میرے رب! اے بادشاہوں کے بادشاہ! میں نے تیری رضا کے لئے راتوں کی نیند کو خیر باد کہہ دیا، پس تو مجھے تحصیل علم کی توفیق دے اور مجھے بلندی کے اعلیٰ مقام پر فائز فرما دے''[۱]

قوت حافظہ کو بڑھانے کے نسخے

قوانین صحت کی پاسداری:

اچھے حافظہ کے لئے پہلی بنیادی شرط جسمانی صحت ہے، جو شخص یہ چاہتا ہے کہ وہ اچھے حافظے کو کسی نظم وضبط کے ماتحت رکھے اسے اپنی قوت ارادی میں اضافہ کرنا ہوگا اور قوت ارادی کا قیام تندرستی کے بغیر محال ہے۔

اگر دماغ کی طرف صحت مند خون سرگرمی کے ساتھ دورہ کرے گا تو حافظے پر یقیناً بہتر اثر پڑے گا، لہٰذا ہر وہ شخص جو اپنے حافظے کو بہتر بنانا چاہتا ہے، اس پر لازم ہے کہ قوانین صحت کی طرف پوری پوری توجہ کرے، کھانا خوب چبا چبا کے کھائے، گہرے گہرے سانس لے، سیر وتفریح کا عادی رہے، محنت ومشقت کو اپنی زندگی کا دستور بنائے، زکام اور بے خوابی وغیرہ سے حتی الوسع بچتا رہے، تمام نشہ آور چیزوں سے بالعموم اور شراب نوشی سے بالخصوص پرہیز کرے[۲]

دل پسند موضوع کا انتخاب:

ہر شخص کو چاہئے کہ وہ اپنے میلان طبع کا اچھی طرح مطالعہ کر کے صرف وہ موضوع اور پیشہ اختیار کرے جو اس کی ذہنی تسکین کا باعث ہو، اگر کسی شخص نے کوئی ایسا موضوع یا پیشہ

---

[۱] دیوان الامام الشافعی، ص: ۶۷
[۲] اسباب ذہانت، ص: ۱۱

اختیار کرلیا ہے، جو اس کے میلان طبع کے خلاف ہے، تو اس نے نہ صرف اپنی شخصیت کے ساتھ زیادتی کی، بلکہ اپنے حافظے کے ساتھ بھی ظلم کیا، وہ ہر روز بھولے گا، ہر روز غلطیاں کرے گا اور ان غلطیوں کو بار بار دہرائے گا، یہاں تک کہ اسے یہ وہم ہو جائے گا کہ وہ نسیان کا مریض ہے حالانکہ درحقیقت اس کا حافظہ کمزور نہیں، وہ صرف غلط موضوع اور غلط پیشہ یا غلط جگہ کام کرنے کا جرمانہ ادا کر رہا ہے[1]

برہمی بوٹی کا استعمال:

برہمی بوٹی یادداشت بڑھانے میں انتہائی مفید ہے، طالب علم اس سے قیمتی فوائد حاصل کرسکتے ہیں، اس بوٹی کا دوسرا نام سرسوتی ہے۔

تازہ برہمی بارہ گرام کی مقدار میں، ایک گرام کالی مرچ کے ساتھ پیس کر لینا چاہئے، یہ خوراک بڑوں کے لئے ہے، بچوں کے لئے مقدار کم کرلینی چاہئے، تازہ برہمی نہ ملے تو خشک بوٹی کا سفوف بنا کر گائے کے دودھ کے ساتھ لینا چاہئے، اس کی گولیاں بھی بنائی جاسکتی ہیں اور شہد میں ملا کر معجون بھی تیار کی جاسکتی ہے۔

قوت حافظہ کی تربیت:

جرمن ماہر نفسیات پروفیسر فرانزی وائزٹ قوت حافظہ کی تربیت کے سلسلہ میں ایک مضمون بعنوان ''یادداشت کی صلاحیت کیسے بڑھائی جائے؟'' کے آخر میں بطور خلاصہ کے تحریر کرتے ہیں کہ ''نوجوانوں میں قوت حافظہ کی تربیت اور تقویت مختصر عرصہ میں کسی جادو کے طریقہ پر پیدا نہیں کی جاسکتی، بلکہ ایک طویل مدت تک مستقل طریقہ پر مشق کرنی پڑتی ہے تاکہ مطلوبہ نتائج حاصل ہوسکیں، اس کے ضمن میں تین اصول بڑے کارآمد ثابت ہوسکتے ہیں:

۱۔ متواتر مطالعہ کرنا۔

۲۔ سوچ سمجھ کر پڑھنا۔

۳۔ پورے اعتماد سے سیکھنا اور پڑھنا[2]

---

[1] اسباب ذہانت، ص:۱۱ [2] اسباب ذہانت، ص:۲۴۔۲۵

قوت حافظہ کی مضبوطی کے لئے چند خصوصی وظائف:

(۱) دماغ کی کمزوری رفع کرنے کے لئے اس آیت کا روزانہ بعد نماز فجر دس مرتبہ پڑھنا مفید ہے:

﴿فَفَهَّمْنٰهَا سُلَيْمٰنَ وَكُلًّا اٰتَيْنَا حُكْمًا وَّعِلْمًا وَّسَخَّرْنَا مَعَ دَاوٗدَ الْجِبَالَ يُسَبِّحْنَ وَالطَّيْرَ وَكُنَّا فٰعِلِيْنَ﴾ (الانبیاء:۷۹)

(۲) جس کا دماغ کمزور ہو تو ان آیات کو چینی کی پلیٹ پر لکھ کر اسے دھو کر اس کا پانی پلایا جائے:

﴿عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ خَلَقَ الْاِنْسَانَ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ﴾ (الرحمٰن:۲۔۴)

﴿اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ﴾

(القیامۃ:۱۷۔۱۸)

﴿بَلْ هُوَ قُرْاٰنٌ مَّجِيْدٌ فِيْ لَوْحٍ مَّحْفُوْظٍ﴾ (البروج:۲۱۔۲۲)

(۳) مندرجہ ذیل آیت سات مرتبہ پڑھ کر دم کی جائے یا لکھ کر سر میں باندھ دی جائے تو ان شاء اللہ دماغ کی کمزوری دور ہو جائے گی:

﴿سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسٰى اِلَّا مَا شَاءَ اللّٰهُ﴾ (الاعلیٰ:۶)

(۴) ضعف دماغ سے متعلقہ امراض کے لئے یہ آیت زعفران سے لکھ کر سر میں باندھی جائے بہت مفید ہے:

﴿اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ الَّذِيْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ﴾ (العلق:۱)[۱]

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کو سات سو چھیاسی مرتبہ پڑھ کر طلوع شمس کے وقت سات دن پیا جائے تو حافظہ کی کمزوری ختم ہو جائے گی[۲]

---

[۱] گنجینہ اسرار ص:۱۲۰ [۲] شمس المعارف الکبریٰ للشیخ احمد بن علی البونی (۴۲/۱)

حافظہ کی کمزوری اور نسیان کے اسباب

بہت سے لوگوں اور بالخصوص لکھنے پڑھنے کا شغف رکھنے والوں کو عموماً یہ شکایت رہتی ہے کہ ہم بہت سی باتیں یاد کرتے ہیں لیکن انہیں فراموش کر بیٹھتے ہیں یعنی بہت سی باتوں کو ہم بھول جاتے ہیں۔اگلی سطروں میں ہم نسیان کے اسباب کو بیان کریں گے اور اسلامی تعلیمات کی روشنی میں ان کا جائزہ لینے کی کوشش کریں گے۔

(۱) حدود اللہ کی حفاظت نہ کرنا:

جب آدمی اللہ تعالیٰ کے حقوق کو ادا نہیں کرتا اور حدود الٰہی سے تجاوز کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کا حافظہ کمزور کر دیتے ہیں اور وہ نور الٰہی یعنی علم سے محروم ہو جاتا ہے۔

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

﴿انی لاحسب الرجل ینسی العلم کان یعلمه بالخطیئة یعملها﴾

''جب بھی کوئی شخص اپنے یاد کردہ علم کو بھول جاتا ہے تو یہ کسی گناہ کی وجہ سے ہوتا ہے''

ضحاک بن مزاحم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''جب کوئی آدمی قرآن مجید کا حافظ ہو اور اس کو بھول جائے تو یہ اس کے کسی گناہ کے بسبب ہوتا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وما اصابکم من مصیبة فبما کسبت ایدیکم ویعفو عن کثیر﴾ (الشوریٰ:۳۰)

''تمہیں جب بھی کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو یہ تمہارے اپنے اعمال کا نتیجہ ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ بہت سے گناہ معاف بھی کر دیتا ہے''

اور قرآن مجید کا بھول جانا ایک بہت بڑی مصیبت ہے۔

ایک مرتبہ سفیان بن عیینہؒ سے سوال کیا گیا کہ کیا گناہ کی وجہ سے آدمی کا علم سلب کر لیا جاتا ہے؟ آپ نے سوال کرنے والے سے کہا'' کیا تو نے اللہ تعالیٰ کا یہ قول نہیں سنا:

﴿فبما نقضهم ميثاقهم لعناهم وجعلنا قلوبهم قاسية يحرفون الكلم عن مواضعه ونسوا حظا مما ذكروا به﴾ (المائدة:١٣)

''ان کے وعدہ توڑنے کے بسبب ہم نے ان پر لعنت کی اوران کے دل سخت کردیئے وہ جملوں کو ان کی جگہ سے بدل دیتے تھے اور وہ بھول گئے اس علم کا حصہ جو انہیں دیا گیا تھا۔''

(۲) کثرت طعام:

زیادہ کھانا بھی نسیان کے اسباب میں سے ایک اہم ترین سبب ہے۔

(۳) دنیاوی مشاغل میں حد سے زیادہ الجھنا:

دنیاوی مشاغل میں حد سے زیادہ الجھنا اور ذہن کو انہی کے لئے وقف کردینا نسیان کا باعث بن جاتا ہے۔

(۴) یادشدہ مواد کی عدم مراجعت:

یادشدہ مواد کی عدم مراجعت اوراس کی دہرائی نہ کرنا بھولنے کا اولین زینہ ہے کیونکہ انسانی دماغ کی ساخت ایسی تشکیل دی گئی ہے کہ جب تک یادشدہ مواد کو بار بار دہرایا نہ جائے وہ حافظہ میں باقی نہیں رہ سکتا۔

حضرت ابوموسی اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، حضورﷺ نے ارشادفرمایا:

﴿تعاهدوا هذا القرآن فوالذی نفس محمد بيده لهو اشد تفلتا من الابل فی عقلها﴾

''اس قرآن کا دور کرتے رہو کیونکہ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے یہ اس اونٹ سے زیادہ نکلنے والا ہے جو اپنی رسی سے بندھا ہوا ہو''[۱]

ایک اور مقام پر فرمایا:

---

[۱] البخاری مع الفتح (۹/ ۷۹) مسلم (۱/ ۵۴۳)

﴿انمامثل صاحب القرآن کمثل الابل المعلقة ان عاهد علیها امسکها و ان اطلقها ذهبت﴾

''حافظ قرآن کی مثال بندھے ہوئے اونٹ کی سی ہے اگر اس کی نگرانی کرے گا تو بندھا رہے گا اور اگر اسے چھوڑ دے گا تو وہ بھاگ جائے گا''[1]

(۵) رطوبت کی زیادتی:

مرض نسیان کا اصل سبب تو یہ ہے کہ جب رطوبت کی زیادتی سے دماغ نرم پڑ جاتا ہے یا رطوبت کی کمی سے سخت پڑ جاتا ہے، تو یہ مرض پیدا ہو جاتا ہے۔ چنانچہ شراب ونشہ آور اشیاء کے کثرت استعمال، غم وغصہ، رنج وغم کی زیادتی، گرم چیزوں کا کثرت استعمال، سر پر چوٹ لگنے، دھوپ میں عرصہ تک کھڑے رہنے یا آگ کے پاس دیر تک بیٹھے رہنے سے جسم میں خون کی مقدار کم ہو کر دماغ میں بھی خون کم ہو جاتا ہے خشکی بڑھ جاتی ہے۔

اسی طرح قوت ہضم کے عرصے تک خراب رہنے، نزلہ وزکام کی دائمی شکایت اور زیادہ سونے خصوصاً دن کے وقت زیادہ سونے سے خون میں بلغمی رطوبتوں کے زیادہ شامل ہو جانے کے باعث دماغ نرم پڑ جاتا ہے اور نسیان کی شکایت پیدا ہو جاتی ہے، نیز ہرا دھنیہ کے کثرت استعمال اور بدبو میں عرصہ تک رہنے سے خون میں زہریلی کیفیت پیدا ہو کر بھی نسیان کی شکایت ابھر آتی ہے۔

اگر یہ مرض نسیان نشہ آور اشیاء اور دیگر منشیات کے کثرت استعمال سے خون میں کمی واقع ہو کر پیدا ہو تو مریض کے نتھنے خشک ہو جاتے ہیں نیند نہیں آتی، قبض رہتا ہے، تھوڑی سی محنت کرنے سے سر میں درد ہونے لگتا ہے، اور آنکھوں کے سامنے اندھیرا آ جاتا ہے۔

اگر ضعف ہضم اور نزلہ وزکام وغیرہ سے دماغ میں رطوبتوں کا غلبہ ہوتا ہے تو مریض کو نیند زیادہ آتی ہے، ناک اور منہ سے بار بار رطوبت نکلتی ہے، چہرے پر بھر بھراہٹ ہوتی ہے اور منہ کا ذائقہ پھیکا ہو جاتا ہے۔

---

[1] (البخاری مع الفتح (۹/۷۹) مسلم (۱/۵۴۳)

اس مرض کا علاج یہ ہے کہ اصل سبب معلوم کر کے اسے مستقل مزاجی سے دور کرنے کی کوشش کریں۔ صبح و شام باغات اور سبزہ زار کی سیر کریں، طبیعت کو خوش و خرم رکھیں، رنج وغم سے آزاد رہیں، عطریات استعمال کریں، خوشبودار پھولوں کو سونگھیں، ہضم کی اصلاح کرنے والی، خون پیدا کرنے والی اور دماغ کو قوت دینے والی تدابیر اختیار کریں، مقوی غذا کھائیں[1]

موجب نسیان، چند اعمال:

علامہ شامی نے مندرجہ ذیل اشیاء کو موجب نسیان قرار دیا ہے:

۱۔ چوہے کا جھوٹا کھانا
۲۔ زندہ جوں کو زمین پر ڈالنا
۳۔ ٹھہرے ہوئے پانی میں پیشاب کرنا
۴۔ اونٹوں کی قطار میں چلنا
۵۔ گوشت کا ٹکڑا چبانا
۶۔ ترش سیب کھانا
۷۔ معاصی اور گناہوں کی کثرت
۸۔ امور دنیا کی تشویشات
۹۔ ہرا دھنیا کھانا
۱۰۔ سولی دیئے ہوئے شخص کی طرف دیکھنا
۱۱۔ گدی پر سینگی لگوانا
۱۲۔ نمکین گوشت کھانا
۱۳۔ ہنڈیا میں کھانا
۱۴۔ گرم روٹی کھانا

---

[1] حاذق، از افادات مسیح الملک حکیم اجمل خان، ص: ۲۹

۱۵۔ زیادہ مزاح کرنا

۱۶۔ قبرستان میں ہنسنا

۱۷۔ استنجاء کی جگہ وضو کرنا

۱۸۔ شلوار اور عمامہ کو تکیہ بنانا

۱۹۔ جنبی آدمی کا آسمان کی طرف دیکھنا

۲۰۔ چیتھڑے سے گھر میں جھاڑو دینا

۲۱۔ اپنے چہرہ یا ہاتھوں کو اپنے دامن سے خشک کرنا

۲۲۔ مسجد میں کپڑا جھاڑنا

۲۳۔ مسجد میں الٹے پاؤں داخل ہونا اور سیدھے پاؤں سے نکلنا

۲۴۔ عضو مخصوص سے کھیلنا

۲۵۔ عضو مخصوص کی طرف دیکھنا

۲۶۔ راستہ میں یا پھل دار درخت کے نیچے یا راکھ میں پیشاب کرنا

۲۷۔ عورت کے پردہ کی جگہ دیکھنا

۲۸۔ حجام کے آئینہ میں دیکھنا

۲۹۔ ٹوٹی ہوئی کنگھی سے کنگھی کرنا[1]

محل حافظہ کیا ہے؟

محل حافظہ کے بارے میں دو مختلف اقوال ہیں:

۱۔ مذاہب سماویہ والے حافظہ کا محل دل کو قرار دیتے ہیں۔

۲۔ جدید فلاسفہ حافظہ کا محل دماغ کو قرار دیتے ہیں۔

علم تشریح الابدان کے مطابق دماغ چار حصوں میں تقسیم ہوتا ہے:

(۱) بطن ایمن (۲) بطن ایسر (۳) اذن ایمن (۴) اذن ایسر

---

[1] فتاوی شامی (۱/۱۵۰)

ان چاروں ٹکڑوں میں خون کا چکر ہوتا ہے خون کے چکر سے ایک بھاپ نکلتی ہے جسے طبی روح بھی کہا جاتا ہے پھر اس کے ساتھ آسمانی نور بھی ہوتا ہے۔ دماغ اور قلب شریانوں کے ذریعہ آپس میں مربوط ہیں ان کے درمیان بجلی کی رو جیسی چیز ہوتی ہے۔

الغرض حافظہ کا محل دماغ ہو جیسا کہ فلسفہ جدید والے کہتے ہیں یا قلب ہو جیسا کہ ادیان سماویہ والوں کا خیال ہے، ہر صورت میں دماغ کے مغز یا قلب کے لحمی حصہ جو بہت ہی مختصر اور تھوڑا ہے لیکن وہ علوم جو لاکھوں صفحات پر پھیلے ہوئے ہیں وہ سب حافظہ کے اندر محفوظ ہیں اگر محفوظ نہ ہوں تو بیان کیسے کیے جا سکتے ہیں؟

''تعلیم المتعلم'' کا ایک اقتباس

صاحب الہدایہ کے ایک مایہ ناز شاگرد برہان الاسلام زرنوجی نے طلب علم کے آداب سے روشنا کرانے کے لئے ''تعلیم المتعلم طریق التعلم'' کے نام سے ایک رسالہ تحریر فرمایا، اس رسالے میں آپ نے قوت حافظہ کی مضبوطی کے اسباب بھی ذکر کئے اور موجب نسیان اشیاء کے بارے میں بتایا، علامہ زرنوجی کی اس تحریر کا اقتباس معمولی ترمیم کے ساتھ پیش کیا جا رہا ہے:

> ''حفظ کے اسباب میں سب سے زیادہ قوی سبب مسلسل محنت و مسلسل کوشش ہے، غذا کی کمی، تہجد کا اہتمام اور تلاوت قرآن بھی حفظ میں معاون و مددگار ہیں۔ علماء کا بیان ہے کہ حافظہ کے تیز کرنے میں دیکھ کر قرآن پڑھنے کو جو تاثیر حاصل ہے کسی اور چیز کو حاصل نہیں۔
>
> نبی کریم ﷺ پر درود وسلام کی کثرت بھی حافظہ کو بڑھاتی ہے۔
>
> مسواک کرنا، شہد پینا، لبان کو چینی کے ساتھ کھانا، نہار منہ اکیس عدد سرخ کشمش کا استعمال حافظہ کو تیز کرے گا اور دوسری بہت سی بیماریوں سے محفوظ رکھے گا۔ ہر وہ چیز جو بلغم اور رطوبات کو کم کرے حافظہ کی تیزی کا باعث بنتی ہے۔

وہ چیزیں جو قوت حافظہ کو کمزور کرتی ہیں ان میں سر فہرست گناہوں اور معاصی کی کثرت ہے۔ اسی طرح دنیاوی مشاغل کی پریشانیاں اور غم، مصروفیات اور تعلقات کی زیادتی اور ہر اس چیز کا استعمال جو بلغم اور رطوبات میں اضافہ کا موجب ہو حافظہ کو نقصان پہنچاتی ہے۔

حافظہ کو کمزور کرنے والی کچھ چیزوں میں کٹھا سیب، پھانسی دیئے ہوئے شخص کو دیکھنا، قبروں کے کتبے پڑھنا، اونٹوں کی قطار کے درمیان سے گزرنا، زندہ جوں کو زمین پر ڈالنا، گردن پر استرا پھروانا...... یہ تمام چیزیں حافظہ کو کمزور کرتی ہیں"۔[1]

---

[1] تعلیم المتعلم، ص:۷۱۔۷۳

باب......(۲)

قوت حافظہ

(جدید سائنس کی روشنی میں)

اس باب میں حافظہ کے متعلق سائنسی معلومات کو اکٹھا کیا جا رہا ہے۔
تا کہ معلوم ہو سکے کہ انسان کی اس لاثانی خصوصیت کے بارے میں
ماہرین نفسیات کیا کہتے ہیں۔

قوت حافظہ

جدید سائنس کی روشنی میں

کمپیوٹر جدید دور کی سب سے زیادہ حیرت انگیز ایجاد ہے کمپیوٹر کی ایک چھوٹی سی ڈسک یا مائیکرو چپ میں بہت زیادہ الفاظ کا ذخیرہ کیا جا سکتا ہے لیکن انسانی دماغ میں سیکھے ہوئے مواد کی جو مقدار موجود ہے کمپیوٹر میں اس کا بہت ہی معمولی حصہ ذخیرہ کیا جا سکتا ہے اس کے علاوہ انسانی دماغ اپنے ذخیرے کو جس جس انداز میں استعمال کر سکتا ہے وہ کمپیوٹر کے بس کی بات نہیں۔

حافظہ کی تعریف

حافظہ کو انگریزی زبان میں Memory کہا جاتا ہے اور یہ لفظ یونانی زبان کے ایک لفظ Memoria سے اخذ کیا گیا ہے جس کے معنی یاد رکھنے کی صلاحیت ہے۔

حافظہ کی تعریف یوں بھی بیان کی گئی ہے:

''کسی تجربے یا فعل کو سیکھنا اسے ذہن نشین کرنا اور بوقت ضرورت اسے دہرا سکنے کو یاد یا حافظہ کہا جاتا ہے''۔

ہلگرڈ نے یاد کی تعریف یوں کی ہے:

To remember means to show in present responses some signs of earlier learned response.

ووڈ ورتھ حافظہ کی وضاحت اس طرح کرتا ہے:

''یاد سے مراد ماضی میں سیکھی ہوئی شے یا فعل کو یاد رکھنا ہے''

لیکن ان تمام تعریفات میں سب سے بہترین تعریف یہ کی جا سکتی ہے:

''یاد (حافظے) سے مراد سیکھے ہوئے سبق یا فعل کو ذہن میں محفوظ رکھنا اور اسے اسی ترتیب اور مقدار میں دہرانا ہے جس ترتیب اور مقدار

میں اسے سیکھا گیا ہو“

حافظہ کے اعمال (Factors of Memory)

ماہرین کے نزدیک حافظہ مندرجہ ذیل اعمال و پہلوؤں پر مشتمل ہوتا ہے:

ا۔ آموزش (Learning)

آموزش سے مراد کردار میں واقع ہونے والی وہ تبدیلی لی جاتی ہے جو شعوری تجربے کے نتیجے میں رونما ہوتی ہے اور مشق و تکرار سے پختہ ہوتی جاتی ہے۔

آموزش یا یاد کا پہلا اور بڑا اہم پہلو یہ ہے کہ جب تک فرد کسی تجربے کو سیکھتا نہیں اس وقت تک اس کے لئے اسے ذہن نشین کرنا یا اس کی بازیافت کرنا ممکن نہیں ہوسکتا۔ صرف اسی تجربے کو حافظے میں محفوظ رکھا جاسکتا ہے اور دہرایا جاسکتا ہے جسے شعوری طور پر سیکھا گیا ہو۔

۲۔ خازنیت (Retention)

خازنیت سے مراد سیکھے ہوئے مواد کو ذہن نشین کرنا اور اسے ذہن میں محفوظ رکھنے اور بوقت ضرورت استعمال میں لاسکنے کی صلاحیت ہے۔

خازنیت یاد کا ایک بنیادی پہلو ہے کہ اگر سیکھے ہوئے مواد کو ذہن میں محفوظ نہ رکھا جاسکے تو نہ تو اس کی بازیافت کی جاسکتی ہے اور نہ وہ نئی آموزش کے لئے مددگار ثابت ہوتا ہے۔

۳۔ شناخت (Recognition)

شناخت یاد کا ایک اہم پہلو ہے اس سے مراد ماضی میں سیکھے ہوئے مواد کی اس وقت پہچان کرنا ہے جب وہ حواس کی پہنچ میں ہو یا یوں کہئے کہ اس میں سیکھے ہوئے مواد اور ان سیکھے مواد کو الگ الگ کرنا ہوتا ہے اور کسی تجربے کی شناخت اسی صورت میں کی جاسکتی ہے جب اس کے نقوش نظام عصبی میں موجود ہوں۔

۴۔ بازیافت (Recall)

بازیافت یاد کا چوتھا اور اہم عامل ہے۔ بازیافت سے مراد سیکھے ہوئے مواد کو اسی معیار، ترتیب اور مقدار میں بیان کرنا ہوتا ہے۔ جس معیار، ترتیب اور مقدار میں اسے سیکھا گیا ہو اور اس کا انحصار اس بات پر ہوتا ہے کہ اسے کتنے اچھے طریقے سے ذہن نشین کیا گیا ہے۔

حافظے کی اقسام (Kinds of Memory)

ماہرین حافظہ کی مندرجہ ذیل اقسام کا ذکر کرتے ہیں، یہ تقسیم مختلف اعتبار سے کی جاتی ہے:

وقت کے اعتبار سے یاد کی تقسیم

وقت کے اعتبار سے یاد کی مندرجہ زیل تین اقسام بیان کی جاتی ہیں:

حسی یاد (Sensory Memory)

حسی یاد انتہائی مختصر ترین ہوتی ہے بلکہ یہ یاد اتنی مختصر ہوتی ہے کہ بعض ماہرین اسے یاد کی بجائے خارجی عوامل کے تاثرات کا نام دیتے ہیں کیونکہ حقیقت میں یہ وہ تاثر ہوتا ہے جو ہمارے اعضائے حس کسی خارجی عامل سے وصول کرتے ہیں اور یہ تاثرات خاص طور پر بصری نوعیت کے ہوتے ہیں جو ہمارے نظام عصبی میں ایک سیکنڈ کے دسویں حصے سے لے کر ایک سیکنڈ تک باقی رہتے ہیں اس کے بعد اس قسم کی یاد یا تو ختم ہو جاتی ہے اور یا وہ مستقل یاد کا حصہ بن جاتی ہے، ماہرین اسے حسی یاد کا نام دیتے ہیں اور اس کی پیمائش کمپیوٹر کے ذریعے کی جاتی ہے۔

۲۔ قلیل عرصے کی یاد (Short term memory)

قلیل عرصہ کی یاد سے مراد وہ یاد لی جاتی ہے جسے بہت تھوڑے عرصہ کے لئے ذہن میں محفوظ رکھا جاتا ہے، ولیم جیمز نامی ماہر نفسیات اسے بنیادی یاد کا نام دیتا ہے۔

قلیل عرصہ کی یاد کو فعال اور شعوری بھی کہا جاتا ہے کیونکہ یہ انتخابی ہوتی ہے، حسی یاد کے منتخب تاثرات کو جب اگلے مرحلہ میں بھیج دیا جاتا ہے تو وہ قلیل عرصہ کی یاد بن جاتی ہے۔

۳۔ طویل عرصہ کی یاد (Long term Memory)

طویل عرصہ کی یاد کو ولیم جیمز ثانوی یاد کا نام دیتا ہے، طویل عرصہ کی یاد سے مراد وہ یاد لی جاتی ہے جو طویل عرصہ تک ذہن میں محفوظ رہتی ہے۔

جدید تحقیق کے مطابق طویل عرصہ کی یاد دماغ کے اعصابی سیل کے لنکوں میں فعلیاتی اور کیمیائی تبدیلیوں کی صورت میں محفوظ ہوتی ہے اور بڑھاپے میں اعصابی سیلوں کے رابطے کمزور ہو جاتے ہیں اور عصبی خلیات میں معلومات محفوظ کرنے کی صلاحیت کم ہو جاتی ہے تو اس کا اثر حافظے پر بھی پڑتا ہے اور فرد بہت کچھ بھولنے لگتا ہے کسی حادثے یا بیماری کی وجہ سے بھی ایسا ہو سکتا ہے۔

حافظہ کی دیگر اقسام

ماہرین نے حافظہ کی چند دیگر اقسام ذکر کی ہیں جن میں کچھ مندرجہ ذیل ہیں:

بہترین حافظہ (Good Memory)

اس سے مراد وہ حافظہ ہے جس میں مندرجہ ذیل خصوصیات موجود ہو:

۱۔ یاد کی ہوئی اشیاء واقعات اور تجربات کا بہتر طور پر تحفظ کیا جاتا ہے۔

۲ ہر شے کے واضح تصورات الگ الگ یاد ہوتے ہیں۔

۳۔ بوقت ضرورت اسے استعمال کیا جا سکتا ہے۔

۴۔ اس کے ذریعے مفید اور غیر مفید مواد میں تمیز کر لی جاتی ہے۔

میاں مٹھو حافظہ (Rote Memory)

اس قسم کے حافظہ میں مندرجہ ذیل عناصر پائے جاتے ہیں:

۱۔ مواد کو صرف رٹہ لگایا جاتا ہے اسے سمجھا نہیں جاتا۔

۲۔ اس قسم کا حافظہ دیر پا ثابت نہیں ہوتا۔

۳۔ مختلف قسم کی یاد کی ہوئی اشیاء اکثر آپس میں گڈمڈ ہو جاتی ہیں۔

۴۔ اس قسم کے حافظے کو عملی زندگی میں بوقت ضرورت استعمال نہیں کیا جاسکتا۔

مکمل حافظہ (Complete Memory)

اس سے مراد وہ حافظہ ہے جس میں یاد کیے ہوئے مواد کی تمام تفصیلات اسی آرڈر میں محفوظ ہوتی ہیں جس آرڈر میں انہیں سیکھا گیا ہو۔ اسی کو اچھا حافظہ بھی کہا جاسکتا ہے۔

نامکمل حافظہ (Incomplete Memory)

اس قسم کے حافظے میں یا تو بعض جزئیات یاد نہیں رہتیں یا پھر مواد کی ترتیب میں گڑبڑ ہو جاتی ہے۔ نامکمل حافظے کو اچھا حافظہ نہیں کہا جاسکتا۔

حفظ کرنے اور یاد کو بہتر بنانے کے اصول

اینگھاس نے اپنے تجربات کی روشنی میں حافظے کو بہتر بنانے کے لئے کئی اصولوں کا ذکر کیا ہے ان میں سے چند ایک اصول مندرجہ ذیل ہیں۔

لقمہ دینے کا اصول:

اینگھاس نے معلوم کیا کہ کسی شے کا اعادہ کرتے وقت اگر کوئی بھول ہو جائے تو لقمہ دینے سے وہ یاد ہو جاتی ہے جیسا کہ نماز میں امام صاحب اگر کبھی بھول جائیں تو کوئی نمازی لقمہ دیتا ہے۔ اس طرح امام صاحب پھر دوبارہ روانی سے قرآن حکیم پڑھنے لگتے ہیں۔

قافیہ اور تلازم:

اگر مواد کو زور دے کر اور قافیہ کی شکل میں گا کر یاد کیا جائے تو اسے آسانی سے یاد کر لیا جاتا ہے، بچے پہاڑے یاد کرتے وقت یہی اصول اپناتے ہیں۔

کلی اور جزوی طریقے:

اگر مواد کو شروع سے لے کر آخر تک تسلسل سے یاد کیا جائے تو اسے کلی طریقہ کہا جاتا ہے مختصر مواد کو یاد کرنے کے لئے یہی طریقہ اختیار کیا جاتا ہے۔

اگر مواد کو چھوٹے چھوٹے حصوں میں تقسیم کر کے یاد کیا جائے تو اسے جزوی طریقہ کہا

جاتا ہے طویل مواد کو یاد کرنے کے لئے جزوی طریقہ استعمال کیا جاتا ہے۔

زبانی قرات:

ابینگھاس نے تجربات سے ثابت کیا کہ زبانی قرات یاد کو بہتر اور دیر پا بناتی ہے اور اس میں وقت کی بچت بھی ہے۔

با مطلب اور بے مطلب مواد:

ابینگھاس نے اپنے تجربات بے معنی الفاظ پر کئے لیکن اس نے تجربات سے معلوم کیا کہ با مطلب مواد بے مطلب مواد کی نسبت جلد یاد ہو جاتا ہے اور زیادہ دیر تک یاد رہتا ہے۔

اسلوب بچت:

ابینگھاس نے تجربات کے ذریعہ معلوم کیا کہ جب کسی یاد کئے ہوئے مواد کو کچھ عرصہ بعد جب کہ اس کے نقوش مدھم پڑ چکے ہوں دوبارہ یاد کیا جائے تو اس میں کم وقت لگتا ہے اور اسے کم وقت میں کامیابی سے یاد کر لیا جاتا ہے اس طرح دوبارہ یاد کرتے وقت کوشش اور اوقات کی بچت ہو جاتی ہے۔

نسیان کے اسباب اور ان کا تدارک

جدید تحقیقات کی روشنی میں نسیان کے بہت سے عوامل بیان کئے گئے ہیں، ان میں سے چند ایک کو ذیل میں پیش کیا جا رہا ہے۔

وقت کا گزرنا:

وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ یاد کے نقوش مدھم پڑ جاتے ہیں اور آخر کار مٹ جاتے ہیں۔ آپ کے تجربہ میں یہ بات آئی ہوگی کہ اگر خدانخواستہ آپ کے کسی قریبی رشتہ دار کی موت واقع ہو جائے تو آپ کو اس کا اتنا صدمہ ہوتا ہے جو بیان سے باہر ہے۔ آپ اس وقت اسے برداشت نہیں کر سکتے لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ سب غم غلط ہو جاتے ہیں۔

دوسرے واقعات اور تجربات کے اثرات:

اگرچہ وقت کی گزران فراموشی کا ایک بہت ہی ضروری عامل ہے۔ لیکن دوسرے واقعات اور تجربات کے اثرات اصل واقعہ یا تجربے کی فراموشی کا باعث ہوتے ہیں، پہلے کئے ہوئے تجربات کے عصبی نقوش کو بعد میں کئے جانے والے تجربات کے عصبی نقوش گڈمڈ کردیتے ہیں۔

عدم توجہ:

یاد کرتے وقت مواد کا بغور مشاہدہ نہ کرسکنا بھی فراموشی کا سبب ہوتا ہے۔ آپ جب کسی دوست کے دوست کو پہلی دفعہ ملتے ہیں تو آپ کا تعارف رسمی طور کرایا جاتا ہے، آپ اس کا مشاہدہ اچھی طرح نہیں کرتے۔ اس لئے آپ اسے جلد بھول جاتے ہیں اور جب دوبارہ ملاقات ہوتی ہے تو آپ اسے پہچان سکتے ہیں۔

خوف:

گھبراہٹ اور خوف بھی فراموشی کا باعث ہوتے ہیں۔ امتحان کا خوف اور گھبراہٹ اچھی طرح سے یاد کئے ہوئے مواد کو بھلا دیتے ہیں اور یہی حال سٹیج کے خوف کا ہے اسٹیج پر اچھے اچھے مقرر بھول جاتے ہیں۔

الجھن:

لاشعوری ذہن میں اگر کوئی الجھن ہو تو اس کی وجہ سے بھی بھول واقعہ ہو جاتی ہے تحلیل نفسی کے ماہرین کے نزدیک لاشعوری محرکات بھول کی ایک بڑی وجہ ہوتے ہیں۔

نیت یا ارادہ:

فرائڈ کہتا ہے کہ جو چیز بھول جاتی ہے اصل میں ہم اسے یاد ہی نہیں رکھنا چاہتے اسے زبردستی لاشعوری میں دھکیل دیا جاتا ہے۔

ہیجانات:

جو واقعات ہیجانات کے دوران پیش آتے ہیں اور جو تجربات ہیجانات کے دوران کئے جاتے ہیں وہ بھول جاتے ہیں۔ اسی لئے کمرہ جماعت میں طلباء کو خوف کے ہیجان سے بچانے کی تلقین کی جاتی ہے۔

صحت:

ذہنی اور جسمانی صحت کا ٹھیک نہ ہونا بھی فراموشی کا باعث ہوتا ہے اگر ذہنی صحت ٹھیک نہ ہوتو بھول زیادہ واقع ہوتی ہے جسمانی صحت بھی اس پر اثر انداز ہوتی ہے۔ آپ نے بزرگوں کا یہ مقولہ اکثر سنا ہوگا کہ اچھی صحت اچھے ذہن کی علامت ہوتی ہے:

A sound body is a sign of sound mind

''اچھی صحت اچھی ذہنیت کی عکاس ہے''

عدم تکرار:

اگر یاد کی تکرار مناسب وقفوں کے بعد نہ کی جائے تو اس کے نقوش دھندلے پڑ جاتے ہیں۔ اس سلسلے میں ماہرین لکھتے ہیں کہ جسے بھولنا چاہتے ہو اس کا اعادہ نہ کرو کیونکہ عدم تکرار بھی فراموشی کا سبب ہوتی ہے۔

مواد کی نوعیت:

تکلیف دہ اور ناخوشگوار مواد جلد بھول جاتا ہے کیونکہ معمول اس سے ذہنی طور پر چھٹکارا حاصل کرنا چاہتا ہے اس لئے وہ اسے بھلا دیتا ہے۔

مانوسیت:

اگر یاد کئے جانے والے مواد سے مانوسیت کم ہو تو وہ جلدی بھول جاتا ہے۔

تلازم:

اگر یاد کئے جانے والے مواد کے تعلقات اور رشتے یاد کئے ہوئے مواد کے ساتھ قائم

کر لئے جائیں تو پھر وہ کم بھولتا ہے اسے اصطلاح میں تلازم کا نام دیا۔

بیماری:

کئی ذہنی اور جسمانی بیماریوں کی وجہ سے بھی نسیان واقع ہوتا ہے۔ دیگر عوامل اسی طرح سے وقفہ دماغی صدمہ وغیرہ بھی فراموشی کا باعث بنتے ہیں۔

نسیان بھی ایک نعمت ہے:

اس ضمن میں ایک بات یاد رکھئے کہ بھول یاد کے لئے لازمی ہے جیسا کہ ٹچنر نامی ماہر نفسیات لکھتا ہے:

> ''اگر ہم ایک چیز کو یاد رکھیں مثلاً یہ کہ ہم کب اٹھے کیا کھایا کیا کیا گیا کتنے خطوط وصول کئے اور کون سی ورزش کی تو ہم یاد کی تفصیلات میں کھو کر رہ جائیں گے''

سب کچھ یاد رکھنا کسی صورت میں ممکن نہیں اگر ہم سب کچھ یاد رکھ سکیں تو زندگی گزارنا بہت مشکل ہو جائے گا۔ ہم یاد کے ہاتھوں تنگ آ کر اپنی زندگی سے بے زار ہو جائیں گے۔ ولیم جیمز اس سلسلے میں یوں رقم طراز ہے۔ اگر ہم ہر چیز یاد رکھیں تو ہم ایسے تنگ آ جائیں جیسے ہمیں کچھ یاد نہیں۔

ایڈمز نے یہاں تک کہہ دیا کہ ''درست یاد جائز فراموشی کا نام ہے'' اور یہ بھی ٹھیک ہے کہ جب تک ہم بھولیں گے نہیں اس وقت تک ہم کچھ بھی نہیں سیکھ سکیں گے ہمارے ذہن کا ظرف محدود ہے لہذا نئی چیزیں سیکھنے اور یاد کرنے کے لئے ہمیں بھول بھی جانا چاہئے۔

اچھی یاد کی خصوصیات

اچھی یاد میں کئی نمایاں خصوصیات پائی جاتی ہیں۔ان میں سے چند ایک خصوصیات کا مختصر طور پر ذکر کیا جاتا ہے۔

جلد یاد کر لینا:

اچھے حافظے کی ایک علامت یہ ہوتی ہے کہ وہ کسی شے یا تجربے کو بہت جلد یاد کر لیتا ہے اور اس کے نقوش واضح ہوتے ہیں۔

اعادے کا وقت:

اچھی یاد کی ایک اور خوبی یہ ہے کہ اس کے اعادے کا وقت بہت کم ہوتا ہے اس کے مقابلہ میں اگر اعادہ کرتے ہوئے وقت زیادہ صرف ہو تو اسے اچھی یاد نہیں کہا جا سکتا۔

صحیح اعادہ:

اچھی یاد اسے کہا جاتا ہے جس میں کسی شے، واقعہ یا تجربے کی بازیافت بالکل صحیح اور درست ہو اگر اعادہ درست نہ ہو، جزئیات کو نظر انداز کر دیا گیا ہو یا مواد کی ترتیب کو تبدیل کر دیا گیا ہو یا اس میں کمی بیشی کر دی گئی ہو تو پھر اس یاد کو اچھی طرح یاد نہیں کہا جا سکتا۔

بھول کا وقت:

بعض لوگ مواد کو بہت جلد یاد کر لیتے ہیں اور وہ بھول بھی بہت جلد جاتے ہیں ایسے لوگوں کی یاد کو اچھی یاد نہیں کہا جا سکتا۔اس کے برعکس اچھی یاد وہ ہوتی ہے جو یاد کیے ہوئے مواد کو زیادہ دیر تک یاد رکھ سکے۔

ضروری جزئیات کی حفاظت:

ولیم جیمز کے بقول اچھی یاد وہ ہوتی ہے جس میں صرف ضروری جزئیات کو یاد رکھا جاتا ہے اور غیر ضروری جزئیات کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔اسی طرح اچھی یاد میں کئی اور خصوصیات بھی پائی جاتی ہیں۔

(تفصیل کے لئے دیکھئے: اصول نفسیات، ٹی ایم یوسف، عمارہ یوسف، علمی کتب خانہ، ص: ۴۵۵-۴۹۲، نفسیات کے بنیادی اصول از غلام محی الدین، مکتبۂ کارواں، لاہور)

باب......(۳)

﴿حفظِ علم کے سنہری اصول﴾

ارباب علم کے ایک اہم ترین مسئلہ کا حل اس باب میں پوشیدہ ہے کہ علم کو جلدی یاد کرنا اور دیر تک یاد رکھنا کیونکر ممکن ہے، اس کے لئے طالبان کمال وفن کو اس باب میں ذکر کردہ اصول وضوابط کو اپنانا ہوگا۔

﴿حفظِ علم کے سنہری اصول﴾

اخلاص:

علی بن المدینی فرماتے ہیں کہ جب میں حضرت سفیان کے پاس سے رخصت ہونے لگا تو ارشاد فرمایا:

﴿ اَمَا اَنَّکَ سَتُبْتَلٰی بِھٰذَا الْاَمْرِ وَ اِنَّ النَّاسَ سَیَحْتَاجُوْنَ اِلَیْکَ فَاتَّقِ اللّٰہَ وَلْتَحْسُنْ نِیَّتُکَ فِیْهِ ﴾

''ہوشیار رہو! تم عنقریب اس دینی تعلیم و تبلیغ کے معاملہ میں مبتلا ہو گے اور لوگ تمہاری طرف حاجت مند ہوں گے سو تم اللہ سے ڈرتے رہنا اور اس معاملہ میں تمہاری نیت اچھی اور خالص رہنی چاہئے''[۱]

جب کوئی طالب علم محض اللہ تعالیٰ کی رضا مندی کی خاطر علوم ماویہ کو حفظ کرتا ہے تو حفظ کے وقت اس کو ایک ایسی عظیم سعادت کا احساس ہوتا ہے جو اُس کے دل کی گہرائیوں میں سرایت کر رہی ہوتی ہے ایسی سعادت کہ دنیا میں کوئی سعادت اس کی برابری نہیں کر سکتی اور یہی وہ سعادت ہے جو اُس کے سامنے حفظ کی تمام دشواریوں کو سہولتوں میں تبدیل کر دیتی ہے[۲]

تقوی و پرہیز گاری:

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے:

﴿انی لأحسب الرجل ینسی العلم کان یعلمهٔ بالخطیئة یعملها﴾

''میرے خیال کے مطابق انسان بسا اوقات اپنے کسی گناہ کے سبب علم کو بھول جاتا ہے''

---

۱ الجامع لاخلاق الراوی وآداب السامع للخطیب البغدادی، ۲/۳۱۳

۲ کیف تحفظ القرآن ص: ۴۰

سفیان بن عیینہ سے سوال ہوا'' کیا کسی شخص سے کسی گناہ کے ارتکاب کی وجہ سے بھی علم سلب ہو جاتا ہے؟ فرمایا: کیا تم نے اللہ تعالیٰ کا یہ قول نہیں سنا:

﴿فبما نقضهم میثاقهم لعنّٰهم و جعلنا قلوبهم قٰسية يحرّفون الكلم عن مواضعه و نسوا حظاً مما ذكّروا به﴾ (المائدة:۱۳)

''ہم نے ان کے دلوں کو سخت کر دیا وہ لوگ کلام کو اس کے مواقع سے بدلتے ہیں (یعنی لفظی یا معنوی تحریف کرتے ہیں) اور اس تحریف کے نتیجہ میں وہ لوگ جو کچھ ان کو تورات میں نصیحت کی گئی تھی اس میں سے اپنا ایک بہت بڑا حصہ (نفع کا جو کہ ان کو عمل کرنے سے نصیب ہوتا) فوت کر بیٹھے۔''

اس حصہ سے مراد کتاب اللہ ہے جو عظیم ترین علم ہے جو ان لوگوں کا بڑا حصہ تھا اور بالخصوص انہی کو عطا ہوا تھا مگر وہ علم ان کے خلاف حجت بن گیا۔

امام مالک رحمہ اللہ سے پوچھا گیا'' کیا حفظ میں کوئی چیز معاون ثابت ہو سکتی ہے؟ فرمایا'' ہاں! اگر کوئی چیز ایسی ہو سکتی ہے تو وہ صرف گناہوں کا چھوڑنا ہے''۔

سفیان ثوری کا قول ہے:

يهتف العلم بالعمل فان اجابهٗ و الّا ارتحل

''علم عمل کو پکارتا ہے اگر عمل نے علم کو لبیک کہہ دیا تو ٹھیک ورنہ علم بھی رخصت ہو جاتا ہے''[1]

امام غزالی فرماتے ہیں:

﴿ولو قرأت العلم مائة سنة و جمعت الف كتاب لا تكون مستعداً لرحمة الله تعالىٰ الا بالعمل﴾

''اگر تم سو سال تک بھی علم پڑھتے رہو اور ہزاروں کتابیں بھی جمع

[1] الاحیاء للغزالی، (۱۵/۱)

کرلو تب بھی کبھی رحمتِ خداوندی کے مورد و مستحق نہ قرار پاؤ گے
جب تک کہ عمل نہ کرو۔"[1]

ابن الجوزی صید الخاطر میں فرماتے ہیں:

"علم پر عمل کرنے کے بارے میں اللہ سے بہت ڈرو کیونکہ عمل ہی اصل اور بنیادی چیز ہے اور وہ شخص بہت بڑا مسکین و فقیر ہے جس کی عمر ایسے علم میں ضائع ہوگئی جس پر اس نے عمل نہ کیا، پس ایسا شخص نہ تو دنیا ہی کی لذتوں سے لطف اندوز ہوا اور نہ ہی آخرت کی بھلائیوں سے اس کو کچھ حصہ ملا۔"

ابن القیم کہتے ہیں کہ میں نے شیخ الاسلام ابن تیمیہ سے ان کا یہ قول سنا ہے:

"جب تم اپنے دل میں عمل کی شیرینی اور بشاشت محسوس نہ کرو تو اپنے عمل کو تہمت زدہ اور ناقص تصور کرو کیونکہ اللہ کی ذات قدر دان ہے ضروری ہے کہ وہ عامل کو اس کے عمل پر دنیا میں بھی بدلہ دیں کہ اس کو اپنے دل میں حلاوت اور خوب انبساط و فرحت اور آنکھوں میں ٹھنڈک محسوس ہو۔ اگر اس کو یہ کیفیت حاصل نہیں تو سمجھ لے کہ ضرور اس کے عمل میں کوئی خامی اور کھوٹ پائی جاتی ہے۔"

مسجد میں بیٹھ کر یاد کرنا:

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

﴿ أَفَلَا يَغْدُوْا اَحَدُكُمْ اِلَى الْمَسْجِدِ فَيُعَلِّمَ اَوْ يَقْرَاَ آيَتَيْنِ مِنْ كِتَابِ اللهِ خَيْرٌ لَّهُ مِنْ نَّاقَتَيْنِ ﴾

"تم میں سے کوئی صبح کے وقت مسجد میں کیوں نہیں جاتا کہ وہاں جا کر کتاب اللہ کی دو آیتیں سکھا دے یا صرف پڑھ ہی لے کہ یہ دونوں

---

[1] ایہا الولد للغزالی، ص:۹۹

آیتیں اُس کے لئے فربہ کوہان اُونٹنیوں سے افضل ہیں''

اس حدیث میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ حفظ و تعلیم اور تعلّم کے لئے مسجد کا ماحول زیادہ مفید و مناسب ہے، اس کیساتھ ساتھ مسجد کے قیام میں اجر وثواب بھی ہے[1]

استاذ کی نگرانی:

ایک عالم کا قول ہے:

﴿لَا تَأْخُذِ الْعِلْمَ عَنْ صُحُفِيٍّ وَّلَا الْقُرْآنَ عَنْ مُّصْحَفِي﴾

''نہ تو علم صرف ''کتابی عالم'' سے حاصل کرو اور نہ قرآن صرف ''قرآنی قاری'' سے اخذ کرو''

''کتابی عالم'' وہ ہے جس نے علماء کی طرف مراجعت اور ان سے تلقّی کئے بغیر از خود صرف کتابوں سے علم حاصل کر لیا ہو اور ''قرآنی قاری'' وہ ہے جس نے کسی ضابط قاری کی طرف مراجعت کئے بغیر صرف قرآن دیکھ کر از خود قرآن سیکھ لیا ہو۔

عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں ''واللہ! میں نے حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے منہ مبارک سے براہِ راست صرف ستر سے کچھ اوپر سورتیں حاصل کی ہیں۔ ان کے علاوہ باقی قرآن میں نے صحابۂ کرام سے حاصل کیا ہے''[2]

حضرت معدیکربؒ کہتے ہیں کہ ہم عبداللہ بن مسعودؓ کے پاس آئے اور عرض کیا کہ ہمیں دوسو آیتوں والی طٰسٓمٓ یعنی سورۂ شعراء سنائیں، فرمایا ''یہ سورت میرے پاس نہیں ہے البتہ تم ایسے شخص کے پاس جاؤ جس نے یہ سورت براہِ راست حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان مبارک سے حاصل کی ہے اور وہ خباب بن ارتؓ ہیں'' چنانچہ ہم ان کی خدمت میں حاضر ہوئے اور موصوف نے ہمیں یہ سورت پڑھ کر سنائی[3]

ابن جوزی کہتے ہیں کہ میں نے ابن الرومی سے سنا کہ ایک شخص کسی بستی میں گیا وہاں کے خطیب نے اس کی مہمان نوازی کی، وہ شخص چند دن اُس کے پاس قیام پذیر رہا۔ ایک

---

[1] الکلمات الحسان، ص ۱۲ [2] فتح الباری، ۹/ ۴۶-۴۷

[3] الکلمات الحسان، ص: ۶۰

روز خطیب نے اُس سے کہا کہ میں مدت سے اس قوم کی امامت کے فرائض سرانجام دے رہا ہوں، لیکن مجھے عرصہ سے قرآن مجید کے چند مقامات میں اشکال درپیش ہے، اُس شخص نے کہا مجھ سے اُن مقامات کے متعلق دریافت کرلو، خطیب کہنے لگا کہ اُن میں سے ایک موقع تو سورۂ فاتحہ ہی میں ہے وہ یہ کہ اِیَّاکَ نَعۡبُدُ وَ اِیَّاکَ کے بعد تسعین ہے یا سبعین؟ یہ مجھے اشکال ہے، البتہ میں بطور احتیاط کے سبعین کی جگہ تسعین پڑھتا ہوں۔ (کیونکہ تسعین نوے کے اور سبعین ستر کے معنی میں ہے اور نوے میں ستر بھی آجاتا ہے)[۱]

قابل استاذ کے انتخاب میں غور وفکر:

علامہ زرنوجی فرماتے ہیں، ایک حکیم عالم نے بعض طلبۂ علم کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا کہ جب تم بخارا جاؤ تو ائمہ ومشائخ کے پاس آنے جانے میں جلد بازی سے کام نہ لینا بلکہ دو مہینے تک غور وفکر کر کے پھر کسی استاذ کا انتخاب کرنا کیونکہ اگر تم کسی عالم کے پاس گئے اور فوری اس سے سبق پڑھنا شروع کردیا تو بعض اوقات تمہیں اس کا درس پسند نہیں آئے گا اور تم اس کو چھوڑ کر کسی دوسرے عالم کے پاس چلے جاؤ گے تو اس طرح تمہارے علم سیکھنے کے عمل میں برکت حاصل نہیں ہوگی اس لئے انتخابِ استاذ کے لئے اوّلاً دو مہینے سوچ بچار سے کام لینا۔[۲]

تکرار اور سبق کا بار بار دہرانا حفظ کی بنیاد ہے:

ابن شہاب زہری کا قول ہے کہ شروع میں دل کی مثال گھاٹی کی طرح ہوتی ہے یعنی وہ چھوٹا سا ہوتا ہے جو زیادہ مسائل وابحاث کا تحمل نہیں کرسکتا ہے۔ لیکن پھر آہستہ آہستہ اس کی مثال وادی ومیدان کی طرح ہوجاتی ہے کہ پھر اس میں جو چیز بھی آتی ہے سما جاتی ہے۔

ایک عالم کا قول ہے:

﴿كُلُّ وِعَاءٍ اَفْرَغْتَ فِيهِ شَيْئاً فَاِنَّهُ يَضِيقُ اِلَّا الْقَلْبُ فَاِنَّهُ

---

۱ اخبار الحمقیٰ والمغفلین، ص: ۱۷

۲ تعلیم المتعلم طریق التعلم ص ۴۳

كُلَّمَا اُفْرِغَ فِيْهِ اِتَّسَعَ ﴾

''ہر برتن ایسا ہے کہ اسمیں جتنی زیادہ چیز ڈالو گے اتنا ہی تنگ ہوتا جائے گا لیکن صرف دل ایک ایسا برتن ہے کہ اسمیں جتنا علم بھی ڈالتے جاؤ گے اتنا ہی وہ وسیع سے وسیع تر ہوتا چلا جائے گا''

معاذ بن معاذ کہتے ہیں کہ ہم ابن عون کے دروازے پر کھڑے تھے کہ اندر سے شعبہ اپنے ہاتھوں سے انگلیوں کے شمار کا نشان بناتے ہوئے نکلے۔ کسی نے اُن سے کوئی بات کی تو فرمایا کہ بات مت کرو کیونکہ ابھی ابھی میں نے ابن عون سے دس حدیثیں حفظ کی ہیں ایسا نہ ہو کہ باتوں کی وجہ سے وہ حدیثیں بھول جاؤں۔ اس سے معلوم ہوا کہ سبق سے فارغ ہونے کے فوراً بعد سبق کا تکرار کرنا زیادہ مفید ہے تاکہ فضول باتوں میں مشغول ہو جانے کی وجہ سے وہ سبق بھول نہ جائے[1]

دل کی طرف دو راستے آنکھ اور کان:

دل کی طرف آنکھ اور کان دونوں کا راستہ جاتا ہے لیکن آنکھ سے دیکھنے والے راستہ کے مقابلے میں کان سے سننے والا راستہ زیادہ مضبوط ہے، اسی لئے بیناؤں کے مقابلے میں نابیناؤں کا حفظ زیادہ قوی ہوتا ہے، کیونکہ وہ صرف کانوں سے سن کر یاد کرتے ہیں[2]

اونچی آواز سے حفظ کرنا:

ابوحامد کا قول ہے کہ قراءتِ خفیفہ فہم کے لئے ہے اور قراءتِ رفیعہ حفظ کے لئے ہے[3]

زبیر بن بکار کہتے ہیں:

﴿دخل عليّ أبي وانا أروّي في دفتر ولا أجهر أروّي فيما بيني و بين نفسي فقال لي انما لك من رّوايتك هذه ما ادّىٰ بصرك الى قلبك فاذا أردتّ الرّواية فانظر اليها واجهر بها فانّهٗ يكون لك ما أدّىٰ بصرك

---

[1] الکلمات الحسان، ص: ۷۲۔۷۳ [2] الکلمات الحِسان، ص: ۷۴

[3] الکلمات الحِسان، ص: ۷۵

الی قلبک و ما أدّیٰ سمعک الی قلبک ﴾

''مجھ پر میرے والد گرامی داخل ہوئے جبکہ میں ایک کتاب میں دیکھ کر صرف خیالاتی طور پر اس کو پڑھ رہا تھا اور آواز اونچی نہیں کر رہا تھا، مجھ سے فرمایا تمہارے اس سوچ والے طرزِ مطالعہ سے صرف یہ تو ہو جائے گا کہ آنکھ کے ذریعہ دل تک بات پہنچ جائے گی مگر اس سے آگے روایت کرنے کا ملکہ قطعی حاصل نہ ہوگا بلکہ اس کے لئے ضروری ہے کہ کتاب کو دیکھو بھی اور آواز کو اونچا بھی کرو اس طرح آنکھ کے ذریعہ بھی بات دل تک پہنچ جائے گی اور کان کے ذریعہ بھی''[۱]

اَبو ہلال عسکری فرماتے ہیں:

﴿ و ینبغی للدارس أن یرفع صوتهٗ فی درسهٖ حتّیٰ یُسمِع نفسهٗ فانّ ما سمَعَتهُ الاذن رسخ فی القلب ولهٰذا کان الانسان أوعیٰ لما یسمعه منه لما یقرؤهٗ واذا کان المدروس مما یفسح طریق الفصاحة و رفع الدارسُ بهٖ صوته زادت فصاحته ﴾

''طالب علم کے لئے لائق ہے کہ اپنے سبق کے یاد کرتے وقت اتنی آواز اونچی کرے کہ وہ خود اس کو سن سکے، کیونکہ جس بات کو کان سن لیتے ہیں وہ دل میں خوب راسخ ہو جاتی ہے اسی لئے انسان صرف پڑھی ہوئی بات کہ بہ نسبت سنی ہوئی بات کو زیادہ یاد کر لیتا ہے اور جب سبق کو بطور نغمہ اور فصاحت و تجوید کے یاد کیا جائے اور طالب علم اس میں آواز کو اونچا بھی کرتے تو اس کی فصاحت میں اور اضافہ ہو جاتا ہے''[۲]

---

۱ الجامع فی الحث علی حفظ العلم، ص: ۴۰، ۱۷۱

۲ کیف تحفظ القرآن، ص: ۴۷

حفظ کیلئے سنہری عمر اور بہترین وقت:

یہ بات خوب واضح وعیاں ہے کہ بڑی عمر کی نسبت چھوٹی عمر میں حفظ کرنا زیادہ پائیدار و مستحکم ہوتا ہے اسی لئے یہ مثال مشہور ہے:

﴿اَلْحِفْظُ فِی الصِّغَرِ کَالنَّقْشِ فِی الْحَجَرِ وَالْحِفْظُ فِی الْکِبَرِ کَالنَّقْشِ عَلَی الْمَاءِ﴾

''یعنی صغرسنی میں حفظ پتھر میں لکیر کی طرح ہے اور بڑی عمر میں حفظ پانی پر لکیر کھینچنے کی طرح ہے''

حضرت حسن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ''علم سیکھو! کیونکہ اگر تم آج کے اصاغر ہو تو کل کے اکابر ہو۔ اور جو حفظ نہ کرسکے وہ تحریر کرے''۔

حکیم لقمان کا قول ہے ''اے بیٹے! صغرسنی میں علم طلب کرلو کیونکہ کبرسنی میں تحصیل علم بہت مشکل ہے''۔

علقمہؒ فرماتے ہیں'' نوجوانی میں میں نے جو چیز حفظ کرلی وہ مجھے ایسے مستحضر ہے گویا میرے سامنے کاغذ پر لکھی ہوئی ہے''۔

معمرؒ فرماتے ہیں ''میں نے چودہ سال کی عمر میں قتادہ کی ہم نشینی اختیار کی اُس وقت جو چیز میں نے اُن سے سن لی وہ گویا میرے سینے میں کندہ ہے''۔

چھ سال کی عمر سے تیئس سال کی عمر تک کا اٹھارہ سالہ عرصہ حفظ کے لئے بے حد سنہری اور بہترین زمانہ ہے۔ اس عمر کو بہت غنیمت سمجھنا چاہئے کیونکہ اس عرصہ میں انسان کا حافظہ ایسا تازہ اور مضبوط ہوتا ہے کہ جو چیز بھی یاد کرنا چاہے بہت جلد یاد ہو جاتی ہے اور پھر بہت دیر میں بھولتی ہے۔ لیکن تیئس سال کی عمر کے بعد حفظ بہت دیر میں ہوتا ہے البتہ بُھول بہت جلد ہونے لگتی ہے۔ کیونکہ اس عمر میں سمجھ تیز ہو جاتی ہے اور حافظہ کمزور ہو جاتا ہے۔ جبکہ تیئس سال کی عمر تک سمجھداری کا ملکہ کمزور اور اس کے مقابلہ میں حافظہ قوی ہوتا ہے۔ لہٰذا حفظ کے ان سنہری اٹھارہ سالوں کی خوب قدر کرنی چاہئے۔ اگر کوئی خود اس پر عمل نہیں کرسکا ہے تو آگے اپنی اولاد کے بارے میں اس سنہری اصول کا بہت خیال رکھنا چاہئے۔

اس کے یہ معنی نہیں کہ انسان بڑی عمر میں حفظ کی طاقت بالکل ہی کھو بیٹھتا ہے بلکہ صرف یہ مقصود ہے کہ صغر سنی میں حفظ بہ نسبت بڑی عمر کے حفظ کے زیادہ پائیدار و مستحکم ہوتا ہے۔ ویسے بڑی عمر میں بھی تحصیل علم سے ہرگز دریغ نہ کرنا چاہئے۔ چنانچہ بہت سے صحابہ کرامؓ نے بڑی عمر ہی میں علم کو حاصل کیا اور آگے اس کو نقل کیا ہے۔ ابن حزم ظاہری نے چھبیس سال کی عمر میں تحصیل علم کی اور اتنے بڑے عالم بنے کہ ابو الولید باجی کے علاوہ (جو کبار فقہاءِ مالکیہ میں سے ہیں) کوئی بڑے سے بڑا عالم بھی مناظرہ میں آپ کے سامنے ٹھہر نہ سکتا تھا۔ قفال مروزی نے تیس یا چالیس برس کی عمر کے بعد علم حاصل کیا، حتیٰ کہ شافعی مذہب میں ماہر و کامل بن گئے اسی لئے امام بخاریؒ نے صحیح بخاری باب الاغتباط فی العلم والحکمۃ میں عمر فاروقؓ کا ارشاد عالی تَفَقَّهُوْا قَبْلَ اَنْ تَسُوْدُوْا (مقتدا بننے سے پہلے پہلے فقہ اور علم حاصل کرلو) نقل کرنے کے بعد فرمایا:

﴿وَبَعْدَ اَنْ تَسُوْدُوْا وَ قَدْ تَعَلَّمَ اَصْحَابُ رَسُوْلِ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم فِیْ کِبَرِ سِنِّهِمْ﴾

''مقتدا بننے کے بعد بھی علم حاصل کرو کیونکہ صحابہ کرام نے بڑی عمر ہی میں علم حاصل کیا ہے''[1]

حفظ کے لئے مناسب وقت:

خطیب بغدادی فرماتے ہیں:

﴿اِعْلَمْ اَنَّ لِلْحِفْظِ سَاعَاتٍ یَّنْبَغِیْ لِمَنْ اَرَادَ التَّحَفُّظَ اَنْ یُّرَاعِیَهَا فَاَجْوَدُ الْاَوْقَاتِ الْاَسْحَارُ﴾

''جان لو کہ حفظ کے لئے ایسی گھڑیاں ہیں کہ حفظ کرنے والے کو ان کی رعایت رکھنا موزوں ہے پس تمام اوقات میں جید ترین وقت سحری اور اخیر شب کا وقت ہے۔''

---

[1] الصحیح للبخاری، باب الاغتباط فی العلم والحکمۃ

کسی عالم سے پوچھا گیا ''آپ نے علم کس ذریعے سے حاصل کیا ہے؟ فرمایا ''چراغ کے ذریعے اور صبح تک مسلسل بیٹھے رہنے کے ذریعہ''

اسماعیل بن ابی اویسؒ کا ارشاد ہے:

﴿اِذَا هَمَمْتَ اَنْ تَحْفَظَ شَيْئاً فَنَمْ وَ قُمْ عِنْدَ السَّحَرِ فَاسْرِجْ وَانْظُرْ فِيْهِ فَاِنَّكَ لَا تَنْسَاهُ بَعْدُ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ﴾

''جب تم کسی چیز کے حفظ کرنے کا ارادہ کرو تو سو جاؤ اور سحری کے وقت اٹھو، چراغ روشن کرو اور اُس چیز میں نظر کرو انشاء اللہ اس کے بعد وہ چیز کبھی نہیں بھولو گے''[1]

حماد بن زیدؒ سے پوچھا گیا: حفظ کے لئے سب سے زیادہ معاون چیز کون سی ہے؟ فرمایا ''غم کی کمی''[2]

حفظ کے لئے مناسب موقع و محل:

خطیب بغدادیؒ اپنی کتاب الفقیہ والمتفقہ (۱۰۳/۲) میں ارشاد فرماتے ہیں:

﴿اِعْلَمْ اَنَّ لِلْحِفْظِ اَمَاكِنَ يَنْبَغِيْ لِلْمُتَحَفِّظِ اَنْ يَلْزَمَهَا وَاَجْوَدُ اَمَاكِنِ الْحِفْظِ الْغُرَفُ دُوْنَ السُّفْلِ وَ كُلُّ مَوْضِعٍ بَعِيْدٍ مِمَّا يُلْهِيْ خَلَا الْقَلْبُ فِيْهِ مِمَّا يُفْزِعُهُ فَيَشْتَغِلَهُ اَوْ يَغْلِبُ عَلَيْهِ فَيَمْنَعُهُ وَ لَيْسَ بِالْمَحْمُوْدِ اَنْ يَّتَحَفَّظَ الرَّجُلُ بِحَضْرَةِ النَّبَاتِ وَالْخُضْرَةِ وَ لَا عَلٰى شُطُوْطِ الْاَنْهَارِ وَ لَا عَلٰى قَوَارِعِ الطُّرُقِ فَلَيْسَ يُعْدَمُ فِيْ هٰذِهِ الْمَوَاضِعِ. غالباً. ما يمنع من خلوّ القلب و صفاء السّرّ﴾

''جان لو کہ حفظ کے لئے ایسے مقامات ہیں کہ حفظ کرنے والے کو ان کی پابندی لائق و مناسب ہے اور حفظ کے لئے جیّد ترین مقامات بالا خانے ہیں نہ کہ زیریں کمرے۔ نیز ہر وہ مقام موزوں ہے جو غفلت ولہو والی چیزوں سے دور ہو اور اس میں دل ایسی چیزوں سے

[1] الجامع فی الحث علی حفظ العلم، ص ۱۷۷ [2] کیف تحفظ القرآن، ص:۴۲

قطعی خالی ہو جو اس کو پریشانی میں مبتلا کر کے مشغول کر دیں یا اس پر غلبہ پا کر حفظ سے روک دیں اور یہ بات اچھی نہیں ہے کہ آدمی بوٹیوں اور سبزیوں والی جگہ میں یا نہروں کے کناروں پر یا عام گزرگاہوں پر بیٹھ کر حفظ کرے کیونکہ ایسے مقامات اکثر و بیشتر ایسی چیزوں سے خالی نہیں ہوتے جو دل کی مشغولیت اور دھیان کے بٹ جانے کا ذریعہ بن جاتی ہیں“[۱]

ابن الجوزی کا قول ہے:

﴿ ولا ینبغی أن یتحفظ علی شاطی نهر او بحضرة خضرة لئلا یشتغل القلب ، ﴾

”یہ لائق نہیں کہ آدمی نہر کے ساحل پر یا سرسبزی کے مقام پر حفظ کرے کیونکہ ایسا کرنے سے اس کا دل ان چیزوں کے نظارے میں مشغول ہو جائے گا“[۲]

دوران حفظ، ناظرہ کی کثرت نہایت مفید ہے:

ابو مسعود احمد بن فرات فرماتے ہیں:

”ہم برابر اپنے اساتذہ سے حفظ کے مختلف طریقے سنتے رہے ہیں مگر بالآخر ان سب کو اس پر متفق الرائے پایا کہ حفظ کے لئے بکثرت ناظرہ پڑھتے رہنے سے بڑھ کر کوئی طریقہ بھی کارآمد نہیں ہے۔“

پابندی اور باقاعدگی کے ساتھ تھوڑا تھوڑا حفظ کرنا:

قوت حافظہ بھی دوسرے قویٰ و اعضاء کی طرح ایک عضو ہی ہے لہٰذا اس سے جس قدر حفظ کا کام زیادہ لیا جائے گا اسی قدر اس کی قابلیت میں اضافہ ہوگا اور جس قدر اس کو بیکار چھوڑ دیا جائے گا اسی قدر اس کی قابلیت کم ہوتی جائے گی۔

---

۱ الفقیہ والمتفقہ (۱۰۳/۲)　　۲ کیف تحفظ القرآن، ص: ۶۴

ایک خاتون امام ابوحنیفہؒ کے حلقہ علم میں آئی (یہ امام ابوحنیفہؒ کی علمی نوعمری کے زمانہ کی بات ہے) آپ بہت لمبی تقریر فرما رہے تھے، اُس خاتون نے ایک فقہی مسئلہ پوچھا، امام صاحب اور آپ کے تلامذہ سے اس کا صحیح جواب نہ بن سکا، وہ خاتون حضرت حماد بن ابی سلیمانؒ کی خدمت میں آئی اور وہ مسئلہ دریافت کیا اور اس کا شافی جواب پایا۔ پھر امام ابوحنیفہؒ اور ان کے تلامذہ کے پاس واپس آئی اور کہنے لگی: میں تو تمہاری ظاہری تقاریر سے دھوکہ کھا گئی، تمہاری یہ سب تقریریں کچھ بھی وقعت وحیثیت نہیں رکھتی ہیں۔ ابوحنیفہؒ اُٹھے اور حضرت حمادؒ کے پاس آگئے، حمادؒ نے دریافت کیا کیونکر آئے؟ عرض کیا فقہ حاصل کرنے کے لئے! فرمایا روزانہ صرف تین مسئلے سیکھا کرو تا کہ علم بخوبی حاصل ہو جائے۔ چنانچہ امام صاحبؒ روزانہ اسی طرح باقاعدگی کے ساتھ علم حاصل کرتے رہے اور حضرت حمادؒ کے حلقہ کو لازم پکڑے رہے حتیٰ کہ فقہ میں امامت کے درجہ پر فائز ہو گئے۔

سعید بن جبیرؒ کا قول ہے:

﴿لَا يَزَالُ الرَّجُلُ عَالِماً مَّا تَعَلَّمَ فَإِذَا تَرَكَ كَانَ اَجْهَلَ مَا يَكُوْنُ﴾

یعنی جب تک آدمی علم سیکھتا رہے عالم رہتا ہے اور جب سیکھنا چھوڑ دے تو سب سے بڑا جاہل بن جاتا ہے[1]

علم حاصل کرنے میں مجاہدہ برداشت کرنا:

ایک دانشور کا مقولہ ہے:

فبقدر ما تتعنّیٰ تنال ما تتمنّیٰ

''جس قدر کلفت ومحنت اٹھاؤ گے اسی قدر اپنی امیدیں اور آرزوئیں حاصل کرو گے''

ایک عربی ضرب المثل ہے:

من طلب شيئا وّ جدّ وجد و من قرع الباب و لجّ ولج

[1] الکلمات الحسان، ص: ۱۲۲۔۱۱۷

''جس نے کوئی چیز طلب کی اور کوشش کی، پالی، اور جس نے دروازہ پر دستک دی اور آواز اونچی نہ کی، داخل ہو گیا''

کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے:

أخلق بذی الصبر ان یحظیٰ بحاجتہٖ
و مدمن القرع للابواب ان یلجا

''بہت لائق ہے کہ صبر آزما آدمی اپنے مقصد میں محفوظ و مسرور ہو اور دروازوں پر ہمیشہ دستک دینے والا ان میں داخل ہو جائے''

ایک شاعر کہتا ہے:

بجدّی لا بجدّی کل مجدٍ
فھل جدّ بلا جدّ بمجدی
فکم عبدٍ یقوم مقام حر
و کم حرٍّ یقوم مقام عبدِ

''میرا ہر شرف و رتبہ میری کوشش کے طفیل ہے نہ کہ میرے باپ دادا کے طفیل، کیا بغیر کاوش کے کوئی باپ دادا سودمند ثابت ہو سکتا ہے؟ (ہرگز نہیں) کئی غلام بوجہ جدّ و جہد کے آزادوں کے قائم مقام ہو گئے اور کئی آزاد بوجہ آرام طلبی کے غلاموں کی صف میں آ کھڑے ہوئے''

مضامین تبدیل کرتے رہنا:

طالب علم کے لئے مناسب ہے کہ اپنے تمام اوقات کو تحصیل علم میں مشغول رکھے، جب ایک علم و فن سے طبیعت بھر جائے تو دوسرے علم و فن کے مطالعہ و تکرار میں لگ جائے۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما جب کلام فرماتے فرماتے کچھ تعجب محسوس فرماتے تو ارشاد فرماتے ''اب شعراء کے دیوان لے آؤ'' (تاکہ خیال کی تبدیلی سے طبیعت کی تازگی لوٹ آئے)

امام حسن بن شیبانی جب ایک فن کی کتابوں سے ملول ہوجاتے تو دوسرے فن کا مطالعہ شروع فرمادیتے اور رات کو اپنے پاس پانی رکھے رہتے اور اس کے ذریعہ نیند کو دور فرماتے رہتے تھے۔

مقدارِ حفظ، موافق تحمل ہونی چاہئے:

حفظ میں اس بات کا بطور خاص خیال رکھنا چاہئے کہ اپنی طاقت اور برداشت سے زیادہ مقدار سبق یاد نہ کی جائے۔

ابن مسعودؓ فرماتے ہیں:

﴿لَا تُكْرِهْ قَلْبَكَ إِنَّ الْقَلْبَ إِذَا أُكْرِهَ عَمِيَ﴾

''دل پر زبردستی نہ کرو کیونکہ زبردستی کرنے سے دل نابینا ہوجاتا ہے''

علی بن ابی طالبؓ فرماتے ہیں:

﴿إِنَّ هٰذِهِ الْقُلُوْبَ تَمَلُّ كَمَا تَمَلُّ الْاَبْدَانُ فَابْتَغُوا لَهَا طَرَائِفَ الْحِكَمِ﴾

''جس طرح بدن تھک جاتا ہے اسی طرح دل بھی تھک جاتا ہے۔
لہٰذا دل کی تازگی کے لئے حکمت آمیز خوش طبعی کی باتیں کیا کرو۔''

خطیب بغدادی کہتے ہیں کہ باقی جسمانی اعضا کی طرح دل و دماغ بھی ایک جسمانی عضو ہے پس جس طرح دیگر جسمانی اعضا کے لحاظ سے انسانوں میں باہمی تفاوت ہوتا ہے، مثلاً بعض آدمی دو من وزن اٹھالیتے ہیں لیکن بعض دو سیر بھی نہیں اٹھا سکتے ہیں، کئی آدمی بیسیوں میل پیدل چل لیتے ہیں لیکن بعض آدمیوں کے لئے ایک میل چلنا بھی بھاری ہوجاتا ہے۔ بعض آدمی کئی سیر کھانا کھاجاتے ہیں لیکن بعض آدمی ایک پاؤ بھی کھالیں تو بدہضمی کا شکار ہوجاتے ہیں۔ اسی طرح دل و دماغ میں بھی تفاوت ہوتا ہے، بعض لوگوں کا دل و دماغ اتنا تیز اور مضبوط ہوتا ہے کہ وہ صرف ایک گھنٹہ میں دسیوں صفحے حفظ کر لیتے ہیں لیکن اس کے برخلاف کئی آدمی دسیوں دن میں ایک صفحہ بھی حفظ نہیں کر پاتے۔ اب اگر یہ آدمی جس کی مقدارِ حفظ یومیہ ایک صفحہ بھی نہیں ہے ایک دن میں پہلے آدمی کی حرص کر کے دسیوں صفحے

یاد کرنے کا خواب دیکھنے لگے تو ''کوّا چلا ہنس کی چال، اپنی بھی بھول گیا'' کے مصداق دس تو کُجا ایک صفحہ سے کم سے بھی جائے گا۔ لہٰذا ہر شخص کو اپنی استطاعت کے مطابق سبق کی مقدار مقرر کرنی چاہئے۔ اور اس بارے میں میانہ روی اور تدریجی عمل کو بروئے کار لانا چاہئے۔ استطاعت و تحمل سے زیادہ کی ہرگز حرص نہ کرنی چاہئے۔ دیکھئے! جب ہم کوئی عمارت تعمیر کرتے ہیں تو روزانہ صرف چند چند گز ہی تعمیر کرتے ہیں تا کہ اس کے اندر خوب مضبوطی اور جماؤ پیدا ہوتا چلا جائے ورنہ اگر ایک ہی دن میں پوری عمارت کھڑی کر دیں گے تو یا تو عمارت کمزور رہ جائے گی یا پھر یکدم دھڑام سے ساری عمارت نیچے آپڑے گی۔ اسی طرح طالب علم کو روزانہ ایک محدود مقدارِ سبق ہی یاد کرنی چاہئے تا کہ خوب رُسوخ پیدا ہو جائے اور ساتھ ساتھ راحت رسانی بھی ہوتی رہے۔

محمد بن داؤد کے استاذ نے ایک دفعہ اُن کی کتاب پر خون کے نشانات دیکھے اور ان کے متعلق پوچھا، ابن داؤد نے بتایا کہ میں گرمی کی راتوں میں چراغ کی روشنی میں مطالعہ کرتا ہوں جس کی وجہ سے نکسیر بہہ پڑتی ہے، یہ اس کے نشانات ہیں۔ استاذ صاحب نے فرمایا کہ تم علم کو نفس کے فائدے کے لئے طلب کرتے ہو جب تمہارا نفس ہی ضائع ہو جائے گا تو پھر علم کا فائدہ کس کو حاصل ہوگا؟ اس لئے تحمل سے زیادہ محنت نہ کیا کرو۔

ابو العالیہ کا قول ہے:

﴿تَعَلَّمُوا الْقُرْآنَ خَمْسَ آيَاتٍ فَإِنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يَأْخُذُهُ مِنْ جِبْرِيلَ خَمْساً خَمْساً﴾

''تم قرآن کریم کو پانچ پانچ آیتیں کر کے سیکھو کیونکہ جبریل امینؑ سے حضور اقدس ﷺ نے پانچ پانچ آیتیں کر کے ہی قرآن سیکھا ہے''

ایک عالم فرماتے ہیں:

﴿مَنْ تَعَلَّمَ خَمْساً خَمْساً لَمْ يَنْسَهُ﴾

''جس نے پانچ پانچ آیتیں کر کے قرآن حاصل کیا وہ اسے نہ بھولے گا''[1]

آہستہ اور اونچی تلاوت کا ضابطہ:

جس شخص کو اونچی آواز سے پڑھنے میں ریا کاری کا اندیشہ ہو اُس کے لئے آہستہ پڑھنا افضل ہے، لیکن جس کو یہ خطرہ نہ ہو اُس کے لئے اونچی آواز سے پڑھنا افضل ہے۔ کیونکہ اس میں عمل زیادہ کرنا پڑتا ہے۔ نیز اس کا فائدہ دوسروں کی طرف متعدی ہوتا ہے اور اس سے قاری کو دلی نشاط حاصل ہوتا ہے اور اس کی ہمت مجتمع رہتی ہے۔ نیز اُس پر نیند کا غلبہ نہیں ہونے پاتا۔ علاوہ ازیں اس سے سونے والے آدمی جاگ جاتے ہیں اور غافل کو نشاط حاصل ہو جاتا ہے۔ اگر ان میں سے کوئی ایک بھی نیت ہو تو جہر افضل ہے۔ اور اگر سب نیّتیں اکٹھی ہو جائیں تو کئی گنا ثواب حاصل ہوگا۔ لیکن اگر تلاوت کرنے والا مسجد میں یا کسی علمی حلقہ میں ہو یا وہ ایسا مقام ہو جہاں اس کے علاوہ بھی کوئی ذاکر یا نمازی یا قاریٔ قرآن موجود ہو تو ان صورتوں میں سرّی تلاوت افضل ہے تاکہ وہ دوسرے بھائیوں کی اذیت رسانی کا باعث نہ بنے[1]

---

[1] حواشی الکلمات الحِسان: ص ۷۴-۷۶

باب......(۴)

حفظ قرآن کے بنیادی واساسی ضوابط

زیر نظر باب میں قرآن مجید کو حفظ کرنے کے چند انتہائی اہم اور بنیادی اصول ذکر کئے جارہے ہیں، حفظ قرآن کا ارادہ کرنے والے حضرات وطلبہ اگر ان اصولوں کو لائحہ عمل بنالیں تو بہت جلدی اور عمدہ حفظ قرآن کے حامل بن سکتے ہیں، معلمین کو بھی چاہئے کہ وہ طلبہ کو ان اصولوں سے روشناس کرائیں۔ شیخ یحیٰ عبدالرزاق غوثانی کی کتاب ''کیف تحفظ القرآن'' کو ان اصولوں کے لئے ماخذ اور اساس ہونے کی حیثیت حاصل ہے، یہ اصول اسی کتاب سے ترجمہ کرکے سپرد قرطاس ہوئے لہٰذا ہر جگہ حوالہ دینے کا التزام بھی نہیں کیا گیا۔

ضابطہ......(۱)

چند بنیادی آداب

۱۔اخلاص:

توفیق و فیضان خداوندی کا اصل بھید ہے کہ حفظ قرآن سے صرف حق تعالیٰ کی خوشنودی ہی کے حصول کا ارادہ ہو۔اس نیت کا ایک فائدہ یہ بھی ہوگا کہ اگر حافظ دورانِ حفظ فوت ہوگیا تب بھی پورے قرآن کے حفظ کے اجر وثواب سے مالا مال ہوگا۔بشرطیکہ آخری سانس تک اُس نے یہ سلسلہ منقطع نہ کیا ہو۔

۲۔تضرع وزاری:

بوقتِ تہجد بارگاہِ خداوندی میں تضرع وگریہ زاری کرنا اور اللہ سے اپنے مقصد کے حصول کی توفیق مانگنا عمل حفظ کے لئے انتہائی اہم اور لازمی ہے۔

۳۔ناغہ کی قطعی ممانعت:

خواہ سخت بیماری حتیٰ کہ والدین یا اولاد کی فوتگی ہی کا موقع کیوں نہ ہو، بہرحال غیاب اور چھٹی قطعی ممنوع ہے سوائے معدودے چند مقررہ تعطیلات کے، وجہ یہ ہے کہ ایک دن کے ناغے سے کئی دنوں کی برکت جاتی رہتی ہے۔

۴۔روزانہ جدید سبق فاتحہ کی طرح:

مقررہ طریقہ کے مطابق خوب ازبر اور نوکِ زبان کیا جائے، کیونکہ آپ قرآن کریم کا جتنا حصہ بھی حفظ کریں گے اس کی بنیاد یہی سبق بنے گا حتیٰ کہ پورا قرآن شریف بھی ایک ایک سبق کر کے ہی حفظ ہوگا پس جب بنیاد ہی کمزور ہوگی ظاہر ہے کہ اس پر تیس پاروں کی عمارت کی تعمیر بھی لامحالہ کمزور ہی رہے گی لہٰذا بنیادی طور پر یومیہ سبق فاتحہ کی طرح خوب ازبر کرنا ضروری ہے تاکہ ان اسباق کی روشنی میں پورا قرآن کریم بھی خوب مضبوط ہو۔اگر خدانخواستہ یومیہ اسباق کمزور رہتے چلے گئے تو پھر پوری عمر حفظ کمزور وغیر تسلی بخش ہی رہے گا

اور اس کے بعد آپ خواہ کتنی بھی محنت کرلیں معیاری پختگی قطعاً حاصل نہ ہو سکے گی۔

۵۔ غلطی کا نشان:

سبق، سبقی پارہ سناتے وقت اور منزل پڑھتے وقت مقامِ غلطی پر پنسل وغیرہ کے ذریعہ نشان ضرور لگایا جائے اگر نشان لگانے میں غفلت سے کام لیا گیا تب بھی فاتحہ کی طرح قرآن ازبر ہو جانے کا خواب کبھی شرمندۂ تعبیر نہیں ہو سکے گا۔

۶۔ ہر غلطی کی اصلاح و تکریر، سو مرتبہ:

سبق، سبقی پارہ، منزل کے جن مقامات پر آپ نے غلطیوں کے نشانات لگائے ہیں ان میں سے ہر ہر مقام کو آگے پیچھے والے دو دو یا تین تین کلمات کے ساتھ ملا کر سو سو مرتبہ خوب صحیح صحیح بغور اس طرح دہرائیں کہ آئندہ پوری عمر میں وہ غلطی پھر کبھی آپ سے قطعاً سرزد نہ ہو۔ یہ تکرار والا عمل ہرگز نہ چھوڑیں کیونکہ یہ ضبط کی روحِ رواں ہے بلکہ بعض وجوہ سے اس کو ذہانت پر بھی فوقیت حاصل ہے۔ بغیر اس عمل تکرار کے آپ ضبط قرآن میں ہرگز کامران نہیں ہو سکتے ہیں۔

۷۔ ایک مخصوص کاپی:

اپنے حفظ قرآن کے عمل کے لئے ایک مخصوص کاپی بنایئے جس میں روزانہ تاریخ، یوم کے علاوہ سبق، سبقی پارہ، منزل کی تفصیل درج کر دیجئے اور اس کاپی کو حرزِ جان بنا کر رکھیئے۔ اس کا انتہائی مُثمر نتیجہ آپ کھلی آنکھوں دیکھیں گے۔

۸۔ سبقی یاد کرنے کا اہتمام:

قریبی چار اسباق یاد کر کے بلا ناغہ سنانا اور پھر ہر غلطی کے مقام کو سو مرتبہ کہنا۔

۹۔ پارہ سنانے کا اہتمام:

پارہ کو یاد کر کے سنانا اور غلطیوں کے نشانات کو سو سو مرتبہ دہرانا۔

۱۰۔منزل:

یعنی خواندہ حصے میں سے بطور ذاتی وِرد و تلاوت کے روزانہ ایک مقررہ مقدار کو حفظاً پڑھنا اور پھر غلطیوں کو سوسو مرتبہ یاد کرنا۔

۱۱۔ایک ہی طباعت وسائز والے نسخہ قرآن کی پابندی:

ایک ہی طباعت وسائز ونمونہ والے نسخۂ قرآن کی پابندی کرنا اور عمر بھر اس نسخۂ معیّنہ میں تبدیلی نہ کرنا اور دوسری طباعت والے نسخہ میں ہر گز نہ یاد کرنا نہ حفظ کرنا چاہئے۔ وجہ یہ ہے کہ آیات وکلمات وحروف حتیٰ کہ صفحات وسطور کی صورتیں اور جگہیں ذہن میں منقش ہو جاتی ہیں اور حفظ پڑھتے وقت یہ چیزیں نظر کے سامنے آتی جاتی ہیں نیز اس معیّنہ نسخہ میں پھیرا دینا بھی آسان ہوتا ہے۔ اب اگر آپ نے نسخہ تبدیل کر لیا تو آیات وکلمات وحروف و صفحات وسطور کی وہ صورتیں اور جگہیں جو آپ کے ذہن میں پہلے سے منقش ہیں ان میں تبدیلی ہو جانے کی وجہ سے آپ ذہنی خلفشار کا شکار ہو جائیں گے جس کا اثر لامحالہ ضبط پر بھی پڑے گا اور پھیرا دینے میں بھی کافی دقت کا سامنا ہوگا اس لئے نسخہ کو تبدیل نہ کیجئے اور اس بارہ میں مجمّع ملک فہد مدینہ منورہ کا مطبوعہ قرآن ''مصحف الحفاظ'' نہایت موزوں ہے جس کا ہر صفحہ شروع آیت سے شروع ہوتا ہے اور آخر آیت پر اختتام پذیر ہوتا ہے۔ ہر پارہ کے بیس صفحات اور ہر صفحہ کی پندرہ سطریں ہیں۔

۱۲۔عدم تبدیلیٔ استاذ:

شروع قرآن سے آخر قرآن تک حفظ کے پورے مرحلہ میں ایک ہی استاذ کے پاس حفظ کریں اور استاذ ہر گز تبدیل نہ کریں کیونکہ تبدیلی نہ کرنے سے استاذ وشاگرد کے درمیان ایک روحانی ونفسیاتی انتہائی پاکیزہ رشتہ و علاقہ قائم ہو جاتا ہے اور ہر ایک دوسرے کی عادات اور اس کے مزاج و اخلاق سے متعارف و واقف کار ہو جاتا ہے اور مانوس ہو جاتا ہے جس کی وجہ سے حفظ میں بہت تیز روی اور آسانی میسر آ جاتی ہے نیز شاگرد پر استاذ کی شفقت ومحبت اور بھر پور توجہ مبذول ہو جاتی ہے اور اس طرح حفظ قرآن کا مرحلہ بے حد

خوبی وکمال سے طے ہو جاتا ہے۔

۱۳۔ ہمت ورغبت برقرار رکھنے والے عوامل کو اختیار کرنا:

استاذ گاہے بگاہے شاگرد کی حوصلہ افزائی کرتا رہے اور اس کو انعام واکرام سے نوازتا رہے تا کہ اس کے حفظِ قرآن کا شوق برقرار رہے، شاگرد بھی یہ امر مستحضر رکھے کہ مسلمان کا اولین ہدف اللہ تعالیٰ کی رضامندی کا حصول ہے اور اس مقصد تک پہنچانے والے وسائل و ذرائع میں سے حفظِ قرآن مؤثر ترین ذریعہ ہے کیونکہ حافظِ قرآن کے لئے آخرت میں اللہ تعالیٰ نے بہترین اجر وثواب کا ذخیرہ تیار فرما رکھا ہے اور زندگی وموت ہر دو حالات میں قرآن کے قاری کو خوب نیکیاں اور بہت اونچے مقامات و درجات حاصل ہوتے ہیں پس اگر شاگرد اپنے اجرِ جزیل اور مقامِ عظیم کا استحضار رکھے گا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ کبھی بھی اس کو حفظ قرآن میں کاہلی واداسی یا کمزوری واکتاہٹ کا احساس ستانے لگے، بلکہ اس صورت میں تو اس کے اندر ایک ایسی نفسیاتی وروحانی کیفیت پیدا ہو جائے گی جو ہمیشہ اس کو حفظ قرآن کے راستہ پر گامزن رہنے پر اکساتی رہے گی بلکہ حفظ قرآن کے ساتھ اس کا تعلق خاطر اور جذب وشوق دن بدن بڑھتا ہی رہے گا اور حفظ کی راہ میں پیش آنے والی تمام تر مشکلات ومحن دشواریوں اور سختیوں کو وہ نہایت خندہ پیشانی سے سہنے کیلئے خوب مستعد و تیار ہو جائے گا حتیٰ کہ اس گھاٹی کو بہت جلد باحسن الوجوہ سر کر لے گا۔

۱۴۔ پرہیزگاری کا التزام اور گناہوں سے اجتناب:

کیونکہ قرآن، کلامِ الٰہی ونورِ خداوندی ہے اور گناہ بمنزلہ تاریکیوں کے ہیں، تو جس طرح نور وظلمت دونوں اکٹھے نہیں ہو سکتے اسی طرح قرآن اور گناہ یہ دونوں بھی جمع نہیں ہو سکتے ہیں۔ امام شافعیؒ کا ارشاد ہے:

شکوت الی وکیع سوء حفظی
فأرشدنی الیٰ ترک المعاصی
و أخبرنی بأنّ العلم نور
و نور اللہ لا یھدیٰ لعاصی

''میں نے وکیع سے اپنے حافظہ کی خرابی کی شکایت کی تو موصوف نے مجھے گناہوں کے چھوڑنے کی تلقین کی اور فرمایا کہ علم ایک نور ہے اور نور کی طرف اللہ تعالیٰ کسی گنہگار کی ہرگز رہنمائی نہیں فرماتے ہیں۔''

۱۵۔ایک منظّم و مخصوص اور مقررہ وقت کی پابندی کرنا:

جس کی آپ کبھی نہ خلاف ورزی کریں اور نہ اس میں کسی قسم کا ردو بدل کریں۔ کیونکہ وقت گزرنے سے آپ کے اور اس مخصوص وقت کے درمیان ایک قسم کا تعلق و ربط قائم ہو جائے گا اور اس طرح آپ کو ذہنی نشاط اور دلجمعی کی کیفیت حاصل ہو جائے گی۔ اور ظاہر ہے کہ یہی چیز حفظ کے لئے بنیادی حیثیت رکھتی ہے۔ بخلاف اس کے کہ آپ آئے دن اوقات تبدیل کرتے رہیں یا اس وقت میں کمی وبیشی کے مرتکب ہوتے رہیں کہ اس صورت میں نفسیاتی طور پر توجہ کمزور ہو کر آپ کے ذہنی قُوٰی انتشار کا شکار ہو کر رہ جائیں گے اور حفظ کا تسلسل ٹوٹ جانے کی وجہ سے آپ کبھی منزلِ مقصود تک نہیں پہنچ سکیں گے۔

۱۶۔نظام الاوقات:

دو پارے مکمل ہونے سے پہلے تو اپنی فُرصت کے موافق نظم بنایا جائے لیکن دو پارے مکمل ہو جانے کے بعد مندرجہ ذیل نظم اوقات موزوں ہے:

بعد از ظہر: پارہ کو پھیرا دیں۔

بعد از عصر: یہ پارہ سنائیں۔

بعد از مغرب: سبق یاد کرو۔

بعد از عشاء: اولاً سبق مزید پختہ کریں پھر سنائے ہوئے پارے کی غلطیاں سو سو مرتبہ یاد کرو۔

بعد از فجر: اولاً سبق کو پندرہ مرتبہ کہیں پھر مقررہ طریقہ کے مطابق سبقی کو پھیرا دے کر سنائیں اور غلطیاں یاد کریں اس کے بعد منزل کی مقررہ مقدار کی تلاوت کریں نیز فراغت کے بعد غلطیاں بحساب سینکڑہ یاد کریں۔

۱۷۔ حسنِ تعظیم:

صدقِ نیت سے جس قدر قرآن اور اپنے استاذ کی تعظیم بجا لاؤ گے اسی قدر اللہ تعالیٰ حفظ کلام پاک کا فیضان فرمائیں گے اگر یہ ادب واحترام محض ظاہری اور زبانی کلامی جمع خرچ کی حد تک ہوگا تو اللہ تعالیٰ کو ہرگز کوئی دھوکا نہیں دے سکتا۔ (العیاذ باللہ)

ضابطہ......(۲)

قابل اجتناب امور

﴿یعنی ایسے امور کا بیان جن میں سے کوئی ناقض ومفسد بھی پایا گیا تو حفظ ناممکن ہو جائے گا خواہ ارکانِ حفظ موجود ہی ہوں﴾

۱۔ قرآن کی بے ادبی:

بایں طور کہ آپ اس کو بغیر وضو کے اٹھائیں یا ہاتھ لگائیں یا اس کے اوپر کوئی چیز رکھ دیں یا اس کو زمین پر رکھ دیں۔

۲۔ استاذ کی بے ادبی:

کیونکہ ادب کی کمی کی وجہ سے حصول علم میں کمی واقع ہو جاتی ہے اور ادب کا لحاظ رکھنے سے تعلیم کی برکت اور حفظ کی سرعت میسر آجاتی ہے۔

۳۔ کچھ فاسد عقیدے:

قرآن بھولنے کے متعلق یہ عقیدہ رکھنا کہ کبیرہ گناہ نہیں ہے۔ اسی طرح قرآن میں دیکھ کر پڑھنے کے متعلق یہ خیال رکھنا کہ نوافل میں اور نماز تراویح میں ناظرہ قرآن پڑھنا جائز وصحیح ہے۔ یہ سب فاسد خیالات ہیں جن کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں ان سے اجتناب کرنا چاہئے۔

۴۔ نمازِ تراویح میں سنانے کی پابندی کرنا:

رمضان میں ہر سال قرآن پاک سنانے کی پابندی نہ کرنا انتہائی مضر ہے۔ کیونکہ محراب میں بالخصوص فرض جہری نمازوں میں بالاستیعاب ترتیب وار قرآن پڑھنے سے خوب پختگی و پائیداری حاصل ہوتی ہے۔

مقررہ تعطیلات کے دوران روزانہ کم از کم دو پارے منزل پڑھنا ضروری ولابدّی امر ہے۔

ایک عظیم خوشخبری:

ہر غلطی کے متعلق جو ہم نے بار بار یہ کہا کہ ''اس کو سو سو مرتبہ یاد کیا جائے'' اس سے ہرگز دلگیر اور مایوس نہ ہونا چاہئے کیونکہ سبقی، پارہ، منزل یہ سب چیزیں اسباق ہی سے تیار ہو کر بنتی ہیں سبقی چار اسباق ہی کا نام ہے آدھا پارہ مثلاً دس اسباق ہی کے مجموعہ کا نام ہے۔ وعلیٰ ہٰذا القیاس، تو جب آپ روزانہ نیا سبق فاتحہ کی طرح خوب مضبوط اور یاد کرلیں گے تو بفضلہ تعالیٰ آدھے پارے کی مقدار میں آپ کی زیادہ سے زیادہ ایک یا دو ہی غلطیاں آئیں گی اور ظاہر ہے کہ ایک دو غلطیوں کو سو مرتبہ کہنا کوئی حیثیت ہی نہیں رکھتا

= فَاَبْشِرْ وَ اَبْشِرْ =

ضابطہ......(۳)

جدید سبق یاد کرنے کا بہترین طریقۂ کار

جس صفحہ کو آپ نے یاد کرنا ہے اولاً اس کو دس پندرہ منٹ تک کئی مرتبہ مترنّم اور مجوّد آواز کے ساتھ ناظرہ پڑھیں۔ آپ نفسیاتی طور پر محسوس کریں گے کہ آپ کے اندر از خود اس صفحہ کے حفظ کا جذبہ ابھر رہا ہے اور طبیعت اس کے یاد کرنے کی طرف خود بخود مائل ہو رہی ہے۔

پورے صفحہ پر ٹکٹکی لگا کر بار بار اس تصور کے ساتھ بھرپور نظر ڈالیں گویا آپ کی آنکھ تصویر لینے کا کیمرہ ہے اور آپ اس صفحہ کو اپنی آواز اور نظر کے ذریعہ اس کے اندر مصوّر کرنا چاہتے ہیں۔ اس دوران آپ اپنے کیمرہ یعنی آنکھ کو حتی المقدور ہلانے کی کوشش نہ کریں بلکہ

پوری طرح اس صفحہ پر جمائے رکھیں اور خوب غور سے اس پورے صفحہ کا کئی بار مطالعہ کریں۔
ہر ہر آیت کو الگ الگ یاد کریں اس طرح کہ اپنی آنکھ کو پوری طرح کھولیں اور ذہن کو ہر خیال و وسوسہ سے خالی کرلیں اور صفحہ کی پہلی آیت کو قدرے آواز کے ساتھ تجوید کی رعایت رکھ کر صحیح صحیح کم ازکم دس مرتبہ ناظرہ پڑھیں۔

آنکھیں بند کر کے اپنے حافظہ کی مدد سے اسی آیت کو کم ازکم دس ہی مرتبہ پڑھیں۔

آنکھیں کھول کر اسی آیت کو دوبارہ ناظرہ پڑھیں تا کہ پورا اطمینان حاصل ہو جائے کہ واقعی آپ نے اس کو صحیح صحیح حفظ کیا ہے۔ جب سو فیصد یہ اطمینان حاصل ہو جائے تو اب آنکھیں بند کر کے پھر اسی آیت کو اتنی مرتبہ حفظ پڑھیں کہ پوری آیت میں کسی جگہ سوچنے کی نوبت نہ آئے۔ آپ دیکھیں گے کہ بفضلہٖ تعالیٰ یہ آیت آپ کے حافظے میں کالنقش فی الحجر (پتھر میں لکیر کی طرح) منقوش ہو چکی ہے جس کو آپ مدۃ العمر نہیں بھولیں گے انشاء اللہ! مگر شرط یہ ہے کہ تکرار و اعادہ کے دوران آپ کے سامنے کسی قسم کی آواز کا شور وشغب اور خوش منظر چیز نہ ہو جو حفظ کی توجہ کو منتشر کرنے کا ذریعہ ثابت ہو، نیز آپ کے تکرار کے دوران اردگرد کی سب چیزوں سے قطعی بے نیاز اور یکسر لاتعلق ہوں۔ کمرے کے سامان اور قالین و چٹائی پر ہرگز فضول نظر نہ ڈالیں اور نہ ہی کھڑکی سے باہر والے مناظر دیکھنے کی فضول حرکت کریں۔

آگے بڑھیں اور دوسری آیت کو بعینہٖ اسی طریقہ کے مطابق یاد کریں جس کے مطابق آپ نے پہلی آیت کو یاد کیا ہے لیکن اس کو یاد کرنے کی ابتدا یوں کریں کہ ایک دو کلمے کی پہلی یاد کی ہوئی آیت کے آخر میں سے اعادہ کے طور پر لے لیں تا کہ دونوں آیتوں کے حفظ میں ربط و تسلسل قائم ہو جائے۔

جب یہ دوسری آیت مندرجہ بالا طریقہ کے مطابق خوب یاد ہو جائے تو اب ان دونوں آیتوں کو کم ازکم دس بار پڑھیں۔ اگر ان دونوں آیتوں کے کسی لفظ یا موقع میں کچھ اشکال و نسیان پیش آئے تو اس لفظ و موقع کو دس مرتبہ ناظرہ اور پھر دس مرتبہ حفظ کہیں۔

جب یہ دونوں آیتیں خوب ازبر ہو جائیں تو اب تیسری آیت کے حفظ کرنے کی

جانب توجہ مبذول کریں اور درج بالا طریقۂ حفظ وطریقۂ ربط وتکرار کے موافق اس کو یاد کر کے سابقہ دو حفظ کردہ آیات کو ساتھ ملا کر تینوں کو دس مرتبہ کہیں۔ الغرض! اسی طرح صفحہ کے آخر تک ایک ایک آیت یاد کرتے جائیں اور سبق شروع سے ملاتے جائیں اور دس دس پھیرے دیتے جائیں۔

جب یہ صفحہ مکمل یاد ہو جائے تو اب اسی طرح صفحہ کے آخر کی طرف سے ایک ایک آیت کو لیتے جائیں۔ پہلے ہر آیت کو دس مرتبہ کہیں پھر جتنی آیتیں ہوتی جائیں ان کو بھی ملا کر دس دس پھیرے دیتے جائیں اور شروع صفحہ تک اسی طرح آ جائیں تا کہ پورا سبق برابر اور یکساں طور پر یاد ہو جائے۔

اگر کوئی آیت لمبی ہو تو اس کو وقوف کے لحاظ سے کئی حصوں میں تقسیم کر کے حفظ کیا جائے۔ واللہ الموفق۔

ضابطہ......(۴)

سبق یاد کرنے کے بہترین اوقات

سبق یاد کرنے کے بہترین اوقات تین ہیں:

۱۔ سحری وتہجد کا وقت۔

۲۔ نماز فجر کے بعد سے سورج طلوع ہونے تک کا وقت۔

۳۔ مغرب وعشاء کا درمیانی وقت، بالخصوص سونے سے پہلے کا وقت،

کیونکہ یہ فطرتی بات ہے کہ دن کے آخری حصے میں اور سونے سے پہلے جو امور و واقعات انسان کو پیش آتے ہیں سونے کے بعد پوری رات غیر محسوس طور پر عقلِ باطنی انہی واقعات کے فکر وخیال میں مشغول رہتی ہے، جبکہ سونے والا اپنی نیند واستراحت میں محو ہوتا ہے اور اس بات کا اسے قطعی شعور ہی نہیں ہوتا۔ لہٰذا جو سبق آپ نے سونے سے پہلے قوۃِ حافظہ میں مخزون ومحفوظ کر دیا ہے سونے کے بعد آپ کی عقلِ باطنی اس کو پوری رات برابر

لوٹاتی رہے گی حتیٰ کہ آپ جب صبح کو نیند سے بیدار ہوں گے تو غیر محسوس طور پر اس سبق کو اپنے ذہن میں بالکلیہ مرکوز و محفوظ اور یاد پائیں گے۔ اگر تہجد کے وقت اٹھنے کی توفیق ہو جائے تو اس وقت وگرنہ نمازِ فجر کے بعد رات والے سبق کو کم از کم پندرہ مرتبہ کہیں۔ انشاء اللہ وہ سبق آپ کو اس طرح نوکِ زبان ہو جائے گا کہ اس میں آپ کو ذرا بھی اشکال و خدشہ پیش نہ آئے گا اور زبان پر وہ سبق حیرت انگیز سرعت و تیزی و روانی کے ساتھ بالکل صحیح جاری ہو جائے گا جس کی وجہ علاوہ عقلِ باطنی کی محنت کے ان اوقات کی نورانیت نیز ان اوقات میں ذہن کی صفائی اور جسم کی تروتازگی ہے۔

ضابطہ......(۵)

سبق سنانا اور غلطیوں کی سو بار اصلاح کرنا

جب سبق خوب یاد ہو جائے تو استاذ کو یا کسی معتمد علیہ ساتھی کو سنایئے اور غلطی کی جگہ پنسل وغیرہ کے نشانات لگواتے جایئے۔ بعد میں ان تمام نشانات کو آگے پیچھے والے دو دو یا تین تین کلمات کے ساتھ ملا کر سو سو مرتبہ خوب غور و فکر سے اس طرح دہرائیں کہ آئندہ پوری زندگی میں وہ غلطی قطعی سرزد نہ ہو۔ **فانّ الشیء اذا تکرّر تقرّر فی القلب** ۔یعنی کوئی چیز بار بار دہرائی جاتی تو دل میں خوب پائیدار اور راسخ ہو جاتی ہے۔ یہ عمل کرنے کے بعد وہی سبق دوبارہ سنایئے حتیٰ کہ وہ فاتحہ کی طرح ایسا ازبر ہو جائے کہ اس میں کسی ایک کلمے یا حرف یا حرکت میں بھی آپ کو کوئی اشکال باقی نہ رہے **کانّہٗ بنیان مرصوص** (گویا وہ سیسہ پلائی ہوئی عمارت ہے) اگر بالفرض کسی دن آپ کو سبق سنانے کے وقتِ مقررہ سے آدھے گھنٹے بعد تک وہ سبق اِس معیار کے مطابق یاد نہیں ہو سکا تو آج اس سبق کا ناغہ کر دیجئے اور اس کو کل آئندہ پر ڈال دیجئے۔ مگر یہ طرزِ عمل آپ کے متعلق یہ شکایت کر رہا ہے کہ آپ نے سبق یاد کرنے کے مقررہ طریقہ پر عملدرآمد کرنے میں کوتاہی ولاپرواہی اور غیر ذمہ داری کا ثبوت دیا ہے۔ آئندہ کے لئے ضیاع وقت سے بچنے کے لئے متنبہ اور خوب ہوشیار و بیدار مغز ہو جایئے۔

ضابطہ......(۶)

سبقی یاد کرنے اور سنانے کا طریقۂ کار

روزانہ صبح کو سبق سن لینے کے بعد قریب والے چار اسباق بھی پھیرا دے کر ضرور سنائیں اور ان کو پھیرا دینے کا طریق کار یہ ہے کہ نمازِ فجر کے بعد سبق کو پندرہ مرتبہ کہہ چکنے کے بعد اوپر والے سبق کو چند بار ناظرہ کہیں پھر آج والے سبق کے ساتھ ملا کر چار پھیرے حفظ دیں پھر اس سے اوپر والے کے ساتھ ملا کر اسی طرح تینوں کو تین پھیرے دیں۔ پھر اس سے اوپر والے کو ملا کر دو بار اور بالکل اخیر میں چوتھے سبق کو ملا کر پانچویں کو ایک بار پھیرا دیں ہر روز اوپر والے چوتھے سبق کو چھوڑتے آئیں اور اس کے بدلے میں گزشتہ دن والے سبق کو شامل کرتے جائیں۔ پھر سبقی سنا لینے کے بعد اس کی غلطیوں کو سو سو بار کہیں۔

ضابطہ......(۷)

پارہ روزانہ یاد کرنا اور سنانا

آموختہ و خواندہ میں سے روزانہ کچھ مقدار یاد کریں۔ اس طرح کہ ایک مرتبہ ناظرہ اور دوسری مرتبہ حفظ، اس کو پھیرا دیں پھر سنائیں اور غلطیوں پر نشانات لگوائیں اس کے بعد ان نشانات کو سو سو مرتبہ یاد کریں، باقی مقدارِ مراجعہ کے چودہ دور ہیں۔

۱۔ دو پارے مکمل ہونے تک روزانہ مکمل آموختہ و خواندہ۔

۲۔ دو پاروں کے بعد آدھا پارہ یومیہ۔

۳۔ پانچ پاروں پر دس دن کا وقفہ

(اِس وقفہ میں روزانہ ایک پارہ سُنائیں لیکن پاروں کی ترتیب بالعکس ہو یعنی آخری پانچویں پارے سے شروع کر کے ایک ایک پارہ اول کی طرف سُناتے آئیں تا کہ آخری پاروں میں عادی و طبعی کمی کا تدارک ہو جائے)

۴۔ پانچ پاروں کے بعد ایک پارہ روزانہ۔

۵۔ دس پاروں پر پندرہ دِن کا وقفہ

(اس وقفہ کے دوران روزانہ سوا پارہ بترتیب معکوس سُنائیں یعنی پہلے دن دسواں پارہ اور نویں کا آخری پاؤ' دوسرے دن سورہ اعراف' اسی طرح پہلے پارے تک آجائیں)

۶۔ دس پاروں کے بعد سوا پارہ یومیہ

۷۔ پندرہ پاروں پر بیس دن کا وقفہ

(جس میں حسبِ سابق ترتیب بدل کر روزانہ ڈیڑھ پارہ سُنائیں)

۸۔ پندرہ پاروں کے بعد ڈیڑھ پارہ روزانہ

۹۔ بیس پاروں پر پچیس دن کا وقفہ

(اس وقفہ میں ترتیب برعکس کر کے روزانہ پونے دو پارے سُنائیں)

۱۰۔ بیس پاروں کے بعد پونے دو پارے یومیہ

۱۱۔ پچیس پاروں پر ایک ماہ کا وقفہ

(جس میں روزانہ دو پارے اخیر کی طرف سے ترتیب بدل کر سُنائیں)

۱۲۔ پچیس پاروں کے بعد دو پارے روزانہ

۱۳۔ ختمِ قرآن کے بعد ایک سال کا وقفہ

(اس وقفہ میں روزانہ تین پارے بترتیب معکوس سُنائیں)

۱۴۔ سال مکمل ہو جانے پر مدۃ العمر پانچ پارے منزل کا سلسلہ جاری رکھیں۔

اس طرح کی فراغت کے بعد روزانہ اُس منزل کی غلطیوں کو کم از کم سو سو مرتبہ ضرور کہا جائے تا کہ آئندہ پوری زندگی میں وہ غلطی تو قطعی سرزد نہ ہو۔ اسی لیے کہا گیا ہے:

﴿مَن وَّاظب علیٰ قراءۃ الخمس لم یَنسَ﴾

یعنی جو شخص پوری باقاعدگی سے روزانہ پانچ پاروں کے پڑھنے کا سلسلہ جاری رکھے اُس کو قرآن پاک کبھی نہیں بھولے گا۔

ضابطہ......(۸)

یومیہ شخصی تلاوت اور منزل پڑھنے کا طریقۂ کار

سبقی اور پارہ کے علاوہ روزانہ بطور وِرد کے کچھ منزل بھی حفظ پڑھا کریں دورانِ تلاوت غلطیوں کے نشانات لگاتے جائیں اور بعد از فراغت ہر نشان کو سو مرتبہ کہیں منزل کی مقدارِ تلاوت کے سات ادوار ہیں۔

۱۔	پانچ پاروں کے مکمل ہونے تک	روزانہ ایک پارہ
۲۔	دس پاروں کے مکمل ہونے تک	روزانہ سوا پارہ
۳۔	پندرہ پاروں کے مکمل ہونے تک	روزانہ ڈیڑھ پارہ
۴۔	بیس پاروں کے مکمل ہونے تک	روزانہ پونے دو پارے
۵۔	پچیس پاروں کے مکمل ہونے تک	روزانہ اڑھائی پارے
۶۔	ختمِ قرآن ہونے تک	روزانہ تین پارے
۷۔	ختم قرآن کے بعد	روزانہ پانچ پارے

تنبیہ: ۵/۱۰/۱۵/۲۰/۲۵/ پاروں کے وقفوں کے دوران منزل کی ترتیب کو بالعکس کردیں یعنی اخیر کی طرف سے شروع کرکے شروع کی طرف ختم کریں۔ تاکہ یہ چیز پختگی کے توازن کو برقرار رہنے میں ممد ومعاون ثابت ہو۔

ضابطہ......(۹)

سبق، سبقی، پارہ، منزل کی تطبیقی مثالیں

مثال (۱):

جب الٓمّٓ سے مثلاً تین پارے مکمل ہوجائیں اور آپ آگے چوتھا پارہ شروع کردیں تو سہ روزہ نظم حسبِ ذیل ہوگا۔

پہلے دن:

سبق: لَن تنالوا البرّ سے بعد ایمانکم کُفرین تک

سبقی: انّ ھٰذا لھوالقصص الحق سے اخیر پارہ ۳ تک

پارہ: نصف اول پارہ الٓمّ

منزل: ایک پارہ، نصفِ اخیر پارہ ۱ (افتطمعون) سے نصفِ اول پارہ ۲ (واللہ سریع الحساب) تک۔

دوسرے دن:

سبق: وکیف تکفرون سے ظلماً للعلمین تک۔

سبقی: یٰا ہل الکتٰب لِم تلبسون الحق سے بعد ایمانکم کُفرین تک۔

پارہ: نصفِ ثانی پارہ الٓمّ۔

منزل: ایک پارہ، نصفِ اخیر پارہ ۲ (واذکروا اللہ) سے نصفِ اول پارہ ۳ (واللہ عندہٗ حسن المٰاب) تک۔

تیسرے دن:

سبق: وللہ مافی السمٰوٰت سے علیم بالمتقین تک۔

سبقی: وانّ منہم لفریقاً سے ظلماً للعلمین تک۔

پارہ: نصفِ اول پارہ ۲ سیقول۔

منزل: ایک پارہ، نصفِ اخیر پارہ ۳ و نصفِ اول پارہ ۱۔

مثال (۲) برائے تعاکس پارہ و منزل:

جب الٓمّ سے مثلاً دس پارے مکمل ہو جانے کے بعد پندرہ دن کا وقفہ ہوگا تو مثلاً سہ روزہ نظام حسبِ ذیل ہوگا۔

پہلے دن:

پارہ: سوا پارہ، سورۂ انفال سے ختم پارہ ۱۰ تک۔

منزل: سوا ہی پارہ، یعنی مکمل سورۂ اعراف۔

دوسرے دن:

پارہ: سوا پارہ، مکمل سورۂ اعراف۔

منزل: سوا پارہ، یوم یجمع اللہ الرسل سے اختتام سورۂ انعام تک۔

تیسرے دن:

پارہ: سوا پارہ، یوم یجمع اللہ الرسل سے اختتام سورۂ انعام تک۔

منزل: سوا پارہ، شروع پارہ ۶ سے ربع پارہ ۷ تک۔

مثال (۳):

جب مثلاً دس پارے مکمل ہو جانے کے بعد گیارہواں پارہ شروع ہو جائے تو سہ روزہ نظام یوں ہوگا۔

پہلے دن:

سبق: یعتذرون الیکم سے ان اللہ غفور رحیم (آیت ۹۹) تک۔

سبقی: کالذین من قبلکم سے ختم پارہ ۱۰ تک۔

پارہ: سوا پارہ، پارہ ۱ سے ربع پارہ ۲ تک۔

منزل: سوا ہی پارہ، ربع دوم پارہ ۲ سے نصفِ اول پارہ ۳ تک۔

دوسرے دن:

سبق: والسّٰبقون الاوّلون سے واللہ علیم حکیم (آیت ۱۰۶) تک۔

سبقی: یٰآیّھا النّبی جاھد الکفار سے غفور رحیم (آیت ۹۹) تک۔

پارہ: سوا پارہ، ربع دوم پارہ ۲ سے نصفِ اول پارہ ۳ تک۔

منزل: سوا پارہ، نصف دوم پارہ ۳ سے آخر سورۂ آل عمران تک۔

تیسرے دن:

سبق: والذین اتخذوا مسجداً سے وذٰلک ھوالفوز العظیم تک۔

سبقی: استغفرلہم سے علیم حکیم (آیت ۱۰۶) تک۔

پارہ: سواپارہ، نصف دوم پارہ ۳ سے ختم سورۂ آل عمران تک۔

منزل: سواپارہ، شروع سورۂ نسآء سے اختتام پارہ ۵ تک۔، اسی طرح قیاس کرتے چلے جاؤ۔

ضابطہ......(۱۰)

قوت حافظہ اور خوش آوازی کے لئے بعض غذائی چیزیں

۱۔ زہریؒ فرماتے ہیں کہ تم پر شہد لازم ہے کیونکہ وہ حافظہ کے لئے بہترین چیز ہے۔

۲۔ پودینہ کو جوش دے کر اس میں کلونجی کے تیل کے چند قطرے اور خالص شہد کا ایک بڑا چمچ ملا دیں اور صبح نہار منہ اس کو پی لیں، پورا دن حافظہ تروتازہ اور طبیعت ہشاش بشاش رہے گی۔

۳۔ شہد کو کلونجی کے تیل کے ساتھ ملا کر استعمال کرنا خوش آوازی اور بلغم نکالنے کے لئے انتہائی مفید ومجرّب ہے۔

۴۔ ہاشمی کا قول ہے کہ جو شخص حدیث شریف کو حفظ کرنا چاہتا ہے اس کو چاہئے کہ کشمش استعمال کرے۔ (صبح کو نہار منہ صاف ستھری کشمش کے اکیس دانے استعمال کریں)

۵۔ ایک شخص حضرت علی کرّم اللہ وجہہ کے پاس آیا اور بھولنے کی بیماری کی شکایت کی، فرمایا گائے کا دودھ لازم کرلے کیونکہ وہ دل کو بہادر بناتا ہے اور بھولنے کی بیماری کو دور کرتا ہے۔

۶۔ قوتِ حافظہ کی نیّت سے زمزم کا پانی پئیں کیونکہ نبی کریم ﷺ کا ارشادِ عالی ہے کہ

زمزم کا پانی جس غرض کے لئے پیا جائے حاصل ہوتی ہے۔ سلف صالحین میں سے متعدد حضرات نے مختلف نیتوں سے زمزم کا پانی نوش کیا اور ہر ایک کو اس کی غرض و نیّت حاصل ہوئی۔

۷۔ ڈاکٹر حسان شمسی پاشا کا قول ہے کہ تازہ مچھلی میں ایسی وٹامینات پائی جاتی ہیں جو دماغ کو قوت بخشتی ہیں۔

۸۔ غذا کم مقدار میں استعمال کی جائے کیونکہ بسیار خوری اور بدہضمی سے حافظہ میں ضعف اور افکار و خیالات میں ڈھیلا پن پیدا ہو جاتا ہے اسی لئے قدیم مشائخ میں یہ محاورہ معروف رہا ہے کہ البطنۃ تذھب الفطنۃ یعنی پیٹ بھر کر کھانا ذہانت کو ختم کر دیتا ہے۔

ضابطہ......(۱۱)

حفظ کردہ حصہ کی مراجعت

حفظ کردہ حصہ کی مراجعت ونگہداشت انتہائی ضروری ہے، جعفر صادق کا قول ہے:

﴿القلوب تربٌ والعلم غرسها والمذاکرة ماؤها فاذا انقطع عن الترب ماؤها جفّ غرسها﴾

''دلوں کی مثال زمین کی سی اور علم کی اس زمین میں بیج بونے کی اور مذاکرہ کی اس زمین کو پانی دینے کی ہے پس جب زمین کو پانی دینا بند کر دیں گے تو اس میں بویا ہوا بیج خشک ہو جائے گا۔''

ضابطہ......(۱۲)

حفظِ قرآن کے ذوق وشوق کو برقرار رکھنے والے چند عوامل

اس بات کا استحضار رکھا جائے کہ مسلمان کا اصل ہدف ''اللہ تبارک وتعالیٰ کی رضا مندی کے حصول کے ذریعہ آخرت کی کامیابی'' ہے اور اس ہدف تک پہنچانے والے ذرائع ووسائل میں سے قرآن کریم عظیم ترین ذریعہ ووسیلہ ہے، نیز یہ استحضار رکھا جائے کہ حافظِ قرآن کے لئے آخرت میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے بے شمار اجر وثواب تیار فرما رکھا ہے۔ نیز قرآن کریم کی بدولت انسان کو دنیا میں بھی عظیم ترین مقام اور امتیازی اعزاز واکرام کا نمایاں اور خصوصی درجہ ومرتبہ حاصل ہوتا ہے اور سب لوگ اس کو عزت وقدر اور رفعت وفضیلت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔

ضابطہ......(۱۳)

حفظ کی مشکلات کا حل، تضرّع الی اللہ

اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات گرامی کی طرف دعا اور ذکر کے ذریعہ رجوع اور گریہ وزاری اور اس پر اعتماد اور اسی سے طلبِ مدد ہر مشکل کو آسان بنادیتی ہے۔ لہٰذا جب کبھی آپ کو حفظ کی بابت طبیعت پر گرانی کا احساس ہونے لگے تو اس کا بہترین علاج یہی ہے کہ ذاتِ باری کی طرف رجوع کرو، اسی سے مدد حاصل کرو۔ اگر تہجد کے وقت اللہ تعالیٰ کے سامنے رونا آجائے اور خوب گڑگڑا کر اس وقت اللہ تعالیٰ سے آسانی اور قرآن کی بابت شرحِ صدر کی دعا کی توفیق میسر آجائے تو ممکن نہیں کہ تم پر اللہ کریم احسان وتوجہ فرما کر حفظ کا دروازہ نہ کھول دیں۔ آزمائیں اور خوب تجربہ کر کے دیکھیں۔

ضابطہ......(۱۴)

ایک ہی طباعت والے نسخہ قرآن کی پابندی

قرآن کریم کے مختلف سائزوں اور طباعتوں کے بے شمار نمونے اور نسخے موجود ہیں ان میں سے آپ جس سائز و نمونہ اور طباعت والا کوئی سا نسخہ حفظ کے لئے جب ایک مرتبہ منتخب کرلیں تو پھر پوری عمر اسی طباعت والے نسخہ کی پابندی کریں اور حتی المقدور اس کو تبدیل کرنے کی کوشش نہ کریں کیونکہ آیتوں اور کلمات و حروف کی جگہیں اور صورتیں بلکہ خود صفحات اور ان کی سطریں تک ذہن کے صفحہ پر مرتسم اور قوتِ حافظہ کے دفتر میں اس طرح منقّش ہوجاتی ہیں کہ اگر کوئی سالہا سال کے بعد بھی آپ سے کسی آیت یا کلمہ یا حروف کے بارے میں سوال کرے تو آپ فوری طور پر اس کو بتادیں گے کہ یہ آیت یا کلمہ یا حرف فلاں صفحہ کی فلاں جگہ پر لکھا ہوا ہے۔ کم از کم اتنا تو ضرور بتادیں گے کہ وہ آیت یا کلمہ یا حرف اس صفحہ کے دائیں طرف ہے یا بائیں طرف، اس لئے نسخہ مُعیّنہ کو تبدیل نہ کریں تاکہ آیات و کلمات اور حروف کی جو جگہیں اور صورتیں آپ کے ذہن میں منقّش ہوں ان کے بارے میں آپ کو تشویش و تردّد اور پریشانی کا سامنا نہ ہو۔

ضابطہ......(۱۵)

ربطِ آیات کا عمل

ہر آیت کے اخیر کو دوسری آیت کے شروع کے ساتھ فوری طور پر اور بغیر کسی توقف و ہچکچاہٹ کے ملا کر اس قدر بار بار کہا جائے کہ زبان بے ساختہ اس ارتباطی کیفیت کی عادی ہوجائے اور آپ پہلی آیت کے بعد بے تکلف اور پوری سہولت کے ساتھ فوری طور پر دوسری آیت کو پڑھنے لگیں۔ یہ عمل کم از کم پچاس یا سو مرتبہ کیا جائے۔ علاوہ ازیں ہر دو صفحات بلکہ ہر دو پاروں نیز ہر دو سورتوں کے درمیان بھی ربطِ آیات کا یہ عمل بروئے کار لانا چاہئے۔

ضابطہ......(۱۶)

حفظ میں آسانی پیدا کرنے کیلئے بعض مددگار امور

وضو اور کامل طہارت کے ساتھ نیز پورے خشوع وسکون اور وقار کے ساتھ قبلہ رخ بیٹھ کر حفظ کیا جائے۔ نیز بہتر یہ ہے کہ حفظ کے لئے ایسی جگہ کا انتخاب کیا جائے جو زیادہ کھلی ہو نیز وہاں پھول، پتیاں، نقش ونگار اور ذہن کو منتشر کرنے والی چیزیں نہ ہوں۔ اور صاف ستھری تازہ ہوا کی آمدورفت کے لحاظ سے بھی وہ جگہ بہترین محل وقوع پر واقع ہو۔ نیز وہ جگہ پرسکون اور شوروغوغا سے محفوظ ہو۔

ضابطہ......(۱۷)

حفظِ قرآن کے جذبہ کو تازہ دم رکھنے کی مختلف تدابیر

چہل قدمی:

بعض دفعہ طبیعت میں افسردگی واکتاہٹ اور بے ذوقی اور جسم میں بوجھل پن اور سستی کا احساس ہونے لگتا ہے اس کے دور کرنے کا علاج یہ ہے کہ مسجد کے دوستونوں یا دوکونوں کے درمیان پیدل چکر لگا کر سبق یاد کریں کیونکہ پیدل چلنے سے جسم کے اعضاء میں نشاط و چستی اور طبیعت میں بشاشت پیدا ہو جاتی ہے۔ اس پیدل چلنے کی مثال ایسی ہے جیسے بیٹری کے بٹن کو دبا کر اس کے سیلوں کو چالو کر دیا جائے۔ جس طرح یہ عمل بیٹری کو روشن اور چالو کر دیتا ہے اسی طرح چلنے پھرنے سے جسم کی مستعدی وہمت اور طبیعت کی خوشگواری بحال ہو جاتی ہے۔

جسم کو حرکت دینا:

جس طرح بجلی کے بلب کا بٹن دبانے سے بلب میں کرنٹ آجاتا ہے اور بلب روشن وسرگرم عمل ہو جاتا ہے اسی طرح سبق وغیرہ یاد کرتے وقت ایک مخصوص نظام وتسلسل کے

ساتھ بغیر تکلّف کے محض طبعی و عادی تقاضے کے مطابق آگے پیچھے ہلنے سے طبیعت میں ہمت و طاقت اور جسمانی اعضاء میں نشاط اور چستی پیدا ہوجاتی ہے جیسا کہ کئی درسگاہوں کے طلباء کے متعلق یہ چیز دیکھنے میں آئی ہے جو بہت مفید طریقہ ہے اور اس میں چنداں مضائقہ نہیں ہے۔

چل پھر کر یاد کرنا:

بچوں کو پیدائشی طور پر نقل و حرکت اور اِدھر اُدھر گھومنے پھرنے کی رغبت ہوتی ہے۔ اگر انہیں کافی دیر تک مقیّد اور محبوس رکھا جائے تو وہ فطری طور پر تنگدل ہوجاتے ہیں اور اس طرح استاذ کی ساری کاوش رائیگاں ہوجانے کا خطرہ محسوس ہونے لگتا ہے اس لئے اگر مناسب وقفہ کے بعد بچوں کو دائرہ کی شکل میں آگے پیچھے صف بستہ کھڑا کر کے اس طرح گھما پھرا کر سبق یاد کرایا جائے کہ استاذ ان کے درمیان ہو اور ہر بچہ قدرے بلند آواز سے اپنا سبق یاد کرے اور استاذ ان پر کڑی نظر رکھے تو یہ صورت انتہائی مفید اور نتیجہ خیز ثابت ہوسکتی ہے۔ کیونکہ اس طریقۂ کار سے خون کے دوران کو حرکت ہوگی اور دل کی شریانوں میں نشاط اور جسم کے اعضاء میں ہمت و توانائی پیدا ہوگی اور کافی دیر بیٹھے رہنے سے طبیعت میں جو اکتاہٹ اور بے ذوقی پیدا ہوگئی تھی اس کا بھی ازالہ ہوجائے گا اور نفسیاتی طور پر طبیعت بالکل تازہ اور خوب ہشاش بشاش ہوجائے گی۔ سوڈان میں تقریباً یہی طریقہ رائج و معمول ہے۔

اچاٹ پن دور کرنے کا ایک نسخہ:

طبیعت کا اچاٹ پن دور کرنے کا ایک بہترین طریقہ یہ بھی ہے کہ آپ بجائے شروع صفحہ کے آخرِ صفحہ سے سبق کو اس طرح یاد کریں کہ سب سے پہلے صفحہ کی سب سے آخری آیت کو مقررہ طریقہ کے موافق یاد کریں پھر اس سے اوپر کی پھر اس سے بھی اوپر کی آیت یاد کریں اور ہر نئی آیت کے ساتھ گذشتہ سب آیات کو بھی ملا کر پھیرے دیتے جائیں اسی طرح یاد کرتے کرتے صفحہ کی شروع والی آیت تک پہنچ جائیں۔ اس طریقہ کار میں علاوہ بشاشت و ضیافتِ طبع کے ایک مزید فائدہ یہ بھی ہے کہ عموماً یاد کرنے والے کو صفحہ کا شروع

والا صفحہ تو خوب یاد ہوتا ہے مگر اخیر والا حصہ اس معیار پر محفوظ نہیں ہوتا جس کی وجہ یہ ہے کہ شروع شروع میں تو طبیعت تازہ اور ذہن خوب مستعد ہوتا ہے لیکن اخیر صفحہ تک پہنچتے پہنچتے ہمت میں کمزوری اور طبیعت وذہن میں سستی اور تھکاوٹ پیدا ہو جاتی ہے۔ لیکن جب آپ صفحہ کے آخر سے سبق یاد کرنا شروع کریں گے تو صفحہ کا آخر والا حصہ بھی اسی معیار کے مطابق خوب پختہ یاد ہو جائیگا جس پر اس کا شروع والا حصہ یاد ہوا ہے کیونکہ صفحہ کے شروع والے حصہ تک پہنچنے کے بعد طبیعت ایک قسم کی فرحت محسوس کرے گی اور نفسیاتی طور پر شروع والا حصہ بھی برابر اور یکساں پختہ اور محفوظ ہو جائے گا۔

ایک ایک سطر یاد کرنا:

طبیعت میں خوشگواری وتازگی پیدا کرنے کے لئے ایک جدّت یہ بھی اختیار کر سکتے ہیں کہ جس صفحہ کو یاد کرنا آپ کو منظور ہو اس کو بجائے ایک ایک آیت کے ایک ایک سطر کر کے اس طرح یاد کریں کہ اوّلاً ایک کاغذ سے اس پورے صفحہ کو ڈھانک دیں پھر ایک ایک سطر سے (یعنی اولاً پہلی سطر سے پھر دوسری سے پھر تیسری سے اسی طرح آخر تک) اس کاغذ کو ہٹا کر اور اس اس سطر کو دیکھ دیکھ کر مقررہ طریقہ کے مطابق اس صفحہ کو سطر بسطر یاد کرتے جائیں اور ساتھ ساتھ ہر دو سطروں میں ربط کا عمل اور حفظ کی ہوئی پوری پوری سطور کو ملا کر اکٹھا پھیرا دینے کا عمل بھی بروئے کار لاتے جائیں۔ صفحہ کے اختتام تک برابر اس طریقہ پر عمل درآمد کریں۔

استاذ کی ذمہ داری:

قرآن کریم کے اساتذۂ کرام گاہے بگاہے قرآن اور اس کے حفظ کے فضائل کے متعلق احادیث نیز قرآن کریم کے حفاظ کے واقعات وحالات طلباء کو سناتے رہا کریں تاکہ ان کے اندر خوب ذوق وشوق کی کیفیت موجزن رہے۔

باب......(۵)

اسلاف کا حیرت انگیز حافظہ

امت محمدیہ ﷺ کی کچھ ایسی نامور، نابغہ روزگار اور عبقری شخصیات کا تذکرہ (ترتیب زمانی کے اعتبار سے) جنہیں اللہ تعالیٰ نے بے مثال اور باکمال حافظہ عطا فرمایا، انہوں نے اس حافظہ کو علم الٰہی کی حفاظت میں استعمال کیا اور شجر دین کی آبیاری فرمائی۔

اولئک آبائی فجئنا بمثلهم
اذا جمعتنا یا جریر المجامع

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ

(متوفی: ۵۸ھ یا ۵۹ھ)

اللہ تعالی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو ذہانت و فطانت کے ساتھ غیر معمولی قوت حافظہ سے بھی نوازا تھا، شروع شروع میں رسول اکرم ﷺ کے بعض ارشادات حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے ذہن سے محو ہو جاتے تھے یہ بات ان کے لئے سوہان روح تھی۔

خود فرماتے ہیں کہ ایک دن میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا:

''یا رسول اللہ! میں آپ کی بہت سی روایات کو سنتا ہوں لیکن (حافظہ کی کمزوری کی وجہ سے) آپ ﷺ کے (بعض) ارشادات بھول جاتا ہوں!!!

آپ ﷺ نے فرمایا:

''چادر بچھاؤ''

میں نے چادر بچھائی تو آپ ﷺ نے دونوں ہاتھوں سے لپ بنا کر اس چادر میں ڈال دی پھر فرمایا:

''اس چادر کو لپیٹ کر اپنے سینے سے لگاؤ''

میں نے اس کو اپنے سینے سے لگا لیا، اس کے بعد سے میں کبھی آپ ﷺ کا کوئی ارشاد نہیں بھولا[1]

حضرت ابو ہریرہؓ کا حافظہ، رسول اللہ ﷺ کا ایک معجزہ:

علامہ ابو بکر قسطلانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''رسول اللہ ﷺ کی دعا سے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ میں نسیان کی کمزوری باقی نہ رہی (حالانکہ تھوڑی یا زیادہ کمزوری انسانی فطرت کا خاصہ ہے) درحقیقت ایسا ہونا رسول اللہ ﷺ کا معجزہ تھا اور ایسے

---

[1] صحیح بخاری، کتاب العلم (۲۲/۱)

امور کا عقل انسانی احاطہ نہیں کر سکتی۔"[1]

حافظ ابن کثیرؒ نے "البدایۃ والنہایۃ" میں یہ روایت نقل کی ہے کہ ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ تشریف لائے اور فرمایا:

"جو شخص چادر پھیلائے گا یہاں تک کہ میں بات ختم کروں اور پھر اس کو لپیٹ لے تو یہ شخص کبھی میری کوئی بات نہیں بھولے گا"

حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ میں نے حضور ﷺ کی بات پوری ہونے سے پہلے چادر کو پھیلایا اور لپیٹ لیا، اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے! اس کے بعد رسول اللہ ﷺ کی کوئی بات میرے حافظہ سے خطا نہیں ہوئی"[2]

تمنائے دل اور اس کی تکمیل:

حضرت ابو ہریرہؓ کی شدید خواہش تھی کہ انہیں ایسا علم عطا ہو جائے جسے وہ کبھی نہ بھولیں۔ ایک موقع پر ان کی یہ دیرینہ خواہش ایک عجیب انداز میں پوری ہوگئی، وہ اس طرح کہ ایک دفعہ کوئی شخص حبر الامۃ حضرت زید بن ثابتؓ کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان سے کوئی مسئلہ دریافت کیا، انہوں نے فرمایا "حضرت ابو ہریرہؓ سے دریافت کرو!" پھر خود ہی یہ واقعہ سنایا:

"ایک دن میں، ابو ہریرہؓ اور فلاں شخص مسجد نبوی ﷺ میں بیٹھے دعا اور ذکر الٰہی میں مشغول تھے کہ اتنے میں رسول اللہ ﷺ تشریف لائے اور ہمارے پاس بیٹھ گئے۔ ہم خاموش ہو گئے، حضور ﷺ نے فرمایا "تم لوگ اپنا کام جاری رکھو" اس کے بعد میں نے اور ہمارے پاس موجود شخص نے دعا مانگی، رسول اللہ ﷺ نے اس پر آمین کہا۔ اس کے بعد ابو ہریرہؓ بارگاہ الٰہی میں یوں عرض پیرا ہوئے:

"یا الٰہی! جو کچھ میرے ساتھی مجھ سے پہلے مانگ چکے ہیں وہ مجھے بھی عطا کر اس کے علاوہ میں تجھ سے ایسے علم کا سوال کرتا ہوں جو کبھی فراموش نہ ہو"

---

[1] قسطلانی (۱/۲۸۰)　[2] البدایۃ والنہایۃ (۸/۱۰۵)

حضور ﷺ نے اس پر بھی آمین کہا، پھر میں نے اور میرے ساتھی نے عرض کیا:

''یارسول اللہ! ہم بھی ایسے علم کا سوال کرتے ہیں جو فراموش نہ ہو''

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''دوسی نوجوان اس چیز میں تم پر سبقت لے گیا''

یعنی اللہ کی طرف اس وقت حافظہ کی جو قوت تقسیم ہوئی تھی وہ اس دوسی نوجوان یعنی حضرت ابو ہریرہؓ کے حصہ میں آچکی ہے۔

حفظ احادیث کو عبادت کا درجہ:

حضرت ابو ہریرہؓ حفظ حدیث کو عبادت کا درجہ دیتے تھے اور صرف ان کے ایک دفعہ سن لینے ہی کو کافی نہ سمجھتے بلکہ ان کا اعادہ و تکرار بھی کثرت سے کرتے رہتے تھے۔ خود فرماتے ہیں:

''میں نے رات کو تین حصوں میں تقسیم کر رکھا تھا، ایک تہائی میں نماز پڑھتا تھا، ایک تہائی میں آرام کرتا تھا اور ایک تہائی میں احادیث کا دور کیا کرتا تھا''[1]

بے نظیر حافظہ:

ایک دفعہ حضرت ابو ہریرہؓ ایک دوسرے صحابی سے ملے تو ان سے دریافت کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے گزشتہ رات عشاء کی نماز میں کونسی سورت پڑھی تھی۔

انہوں نے جواب دیا ''مجھے پتہ نہیں''۔

حضرت ابو ہریرہؓ نے پوچھا ''کیا تم نماز میں شریک نہیں تھے؟''

انہوں نے کہا ''شریک تو تھا لیکن مجھے یاد نہیں ہے''

حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا ''رسول اللہ ﷺ نے فلاں سورت تلاوت فرمائی تھی''

سب سے بڑے حافظ حدیث:

اپنے قوی حافظہ اور مسموع احادیث کے اعادہ و تکرار کی بدولت حضرت ابو ہریرہؓ صحابہ

---

[1] سنن دارمی (۸۲/۱) [2] تاریخ ابن عساکر (۴۸۹/۴)

کرام رضی اللہ عنہم میں سب سے بڑھ کر حافظ حدیث ہو گئے تھے۔ ان کے مشہور شاگرد حضرت ابو صالح السمانؒ کا یہ قول ہے:

"ابو ہریرہؓ تمام صحابہ میں سب سے بڑے حافظ حدیث تھے، میں یہ نہیں کہتا کہ وہ صحابہ کرام میں سب سے افضل ہیں میرا مطلب یہ ہے کہ وہ حفظ حدیث میں سب سے بڑھ گئے تھے"[۱]

حضرت ابو ہریرہؓ کے حافظہ کا امتحان:

امام بخاریؒ نے "کتاب الکنی" میں نقل کیا ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ مروان بن الحکم جو دمشق کی مروانی حکومت کا سب سے پہلا حکمران ہے اس کے سیکرٹری ابو الزعزہ کا بیان ہے کہ ایک دن مروان نے حضرت ابو ہریرہؓ کو طلب کیا بظاہر ایسا معلوم ہوتا تھا کہ حضرت ابو ہریرہؓ کثرت سے جو حدیثیں روایت کیا کرتے تھے اس سلسلے میں مروان کچھ شکوک وشبہات میں مبتلا تھا' بہر حال بلانے پر حضرت ابو ہریرہؓ تشریف لائے۔ مروان نے ان کے آنے سے پہلے ہی اپنے سیکرٹری ابو الزعزہ کو حکم دے رکھا تھا کہ پردہ کے پیچھے دوات قلم اور کاغذ لے کر بیٹھ جائے۔ میں ابو ہریرہؓ سے حدیثیں پوچھوں گا جو حدیثیں وہ بیان کریں ان کو تم لکھتے چلے جانا۔ یہی کیا گیا۔ مروان چھیڑ چھاڑ کر حضرت ابو ہریرہؓ سے حدیثیں پوچھنے لگا۔ ابو ہریرہؓ بیان کرتے جاتے تھے اور پس پردہ ابو الزعزہ لکھتا چلا جاتا تھا ان حدیثوں کی تعداد کیا تھی، خود ابو الزعزہ کا بیان ہے:

فَجَعَلَ یَسْئَلُ وَ اَنَا اَکْتُبُ حَدِیْثاً کَثِیْراً

پس مروان ابو ہریرہؓ سے پوچھنے لگا اور میں نے بہت سی حدیثیں لکھ لیں۔

بہر حال "حَدِیْثاً کَثِیْراً" (بہت سی حدیثوں) کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ ان حدیثوں کی کافی معقول تعداد تھی جو اس وقت قلمبند ہوئیں۔ حضرت ابو ہریرہؓ کو قطعاً مروان کی اس پوشیدہ کارروائی کی خبر نہ تھی، مجلس برخواست ہو گئی' حضرت ابو ہریرہؓ چلے گئے اور مروان نے حدیثوں کے اس مجموعہ کو بحفاظت تمام رکھوا دیا سال بھر کے بعد ابو الزعزہ کہتے

[۱] تذکرة الحفاظ (۱/۳۴) الاصابة (۴/۲۰۵)

ہیں کہ مروان نے ابو ہریرہؓ کو دوبارہ طلب کیا اور مجھے حکم دیا کہ مکتوبہ حدیثوں کے اسی مجموعہ کو لے کر پردہ کے پیچھے بیٹھ جاؤ، میں ان سے ان ہی حدیثوں کو پوچھوں گا، دیکھو اب کی دفعہ وہ کیا بیان کرتے ہیں تم ان مکتوبہ حدیثوں سے ان کو ملاتے جانا۔ حکومت کی طرف سے ابو ہریرہؓ کا گویا یہ امتحان تھا۔ امتحان لیا گیا، نتیجہ کیا نکلا؟ ابوالزعزہ ہی کی زبانی سنئے:

﴿فَتَرَكَهُ سَنَةً ثُمَّ اَرْسَلَهُ اِلَيْهِ وَ اَجْلَسَنِيْ وَرَاءَ السَّتْرِ فَجَعَلَ يَسْأَلُهُ وَ اَنَا اَنْظُرُ فِي الْكِتَابِ فَمَا زَادَ وَ لَا نَقَصَ﴾[1]

''پس مروان نے نوشتہ حدیثوں کے مجموعہ کو سال بھر تک رکھ چھوڑا، سال بھر کے بعد مجھے پھر پس پردہ بٹھا کر حضرت ابو ہریرہؓ سے پوچھنے لگا، اور میں کتاب میں دیکھتا جاتا تھا، پس ابو ہریرہؓ نے کسی لفظ کا اضافہ کیا اور نہ ہی کم کیا''۔

اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی ان حدیثوں کے متعلق تو صحیح طور پر نہیں بتایا جاسکتا کہ ان کی صحیح تعداد کیا تھی، بس اتنا معلوم ہوتا ہے کہ چند قلیل روایتیں نہیں تھیں، کثیر روایتوں کا مجموعہ تھا۔[2]

---

[1] (الصحیح للبخاری، کتاب الکنی تذکرۃ الحفاظ (۳۴/۱)، الاصابۃ (۲۰۵/۴)

[2] (سیر اعلام النبلاء (۴۳۱/۲) الاصابۃ (۲۰۸/۴) البدایۃ والنہایۃ (۱۰۶/۸)

ترجمان القرآن عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ

(متوفی: ۶۸ھ)

اللہ تعالی کی طرف سے اس عظیم صحابی رسول ﷺ کو حیرت انگیز قوت حافظہ عطا کی گئی تھی، مولانا مناظر احسن گیلانی نے اپنی شہرہ آفاق کتاب ''تدوین حدیث'' میں نقل کیا ہے:

''ایک مرتبہ آپ کے سامنے عمر بن ابی ربیعہ شاعر آیا اور ستر اشعار کا ایک طویل قصیدہ پڑھ گیا۔ شاعر کے جانے کے بعد ایک شعر کے متعلق گفتگو چلی، ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ مصرعہ اس نے یوں پڑھا تھا۔ جو مخاطب تھا اس نے پوچھا کہ تم کو پہلی مرتبہ میں کیا پورا مصرعہ یاد رہ گیا؟ بولے کہو تو پورے ستر اشعار سنا دوں اور سنا دیا''[1]

عرب کے سب سے بڑے عالم:

خلیفہ ثالث حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں مصر کے گورنر عبداللہ بن ابی سرح کے زیر قیادت ۲۷ھ میں افریقہ پر فوج کشی ہوئی۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما مدینہ منورہ سے ایک جماعت کے ساتھ چل کر اس مہم میں شریک ہوئے اور ایک موقع پر سفارت کی ذمہ داری کے دوران جرجیر شاہ افریقہ سے مکالمہ ہوا، اس کو ان کی ذہانت وقوت یادداشت سے انتہائی حیرت ہوئی اور بولا:

''میں خیال کرتا ہوں کہ آپ حبر عرب یعنی عرب کے سب سے بڑے عالم ہیں''[2]

آخر یہ مقام کیوں حاصل نہ ہوتا جبکہ آپ کو سرکار دو عالم ﷺ سے بارہا علم وفہم میں اضافے کی دعائیں نصیب ہو چکی تھیں۔ یہ وہ نعمت ہے جو قسمت والوں کو ہی ملا کرتی ہے اور جس کو مل جاتی ہے وہ دیدہ ور وبامراد ہو جاتا ہے۔

---

[1] تدوین حدیث، ص: ۱۰۴   [2] سیر الصحابہ (۲/۲۳۹)

کسی کی بزم نے دنیائے دل بدل ڈالی
خودی کے ساتھ گیا بے خودی کے ساتھ آیا

اک باران آنکھوں نے بھی دیکھی وہ بہاریں:

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے ایک شاگرد شقیق تابعی بیان کرتے ہیں:

''ایک مرتبہ حج کے موقع پر عبداللہ بن عباسؓ نے خطبہ دیا اور اس میں سورہ نور کی تفسیر بیان کی، میں کیا بتاؤں کہ وہ تفسیر کیا تھی، اس سے پہلے نہ میرے کانوں نے سنی، نہ آنکھوں نے دیکھی تھی، اگر اس تفسیر کو فارس اور روم والے سن لیتے تو پھر اسلام سے انہیں کوئی چیز نہ روک سکتی''۔[1]

ایک بے مثال علمی محفل کی سرگزشت:

اسی علم و فضل کا نتیجہ تھا کہ آپ کا حلقہ درس تدریس انتہائی وسیع تھا، سینکڑوں طلب گار علم روزانہ ان کے خرمن کمال سے خوشہ چینی کرتے اور نور الٰہی سے اپنا دامن بھرتے تھے۔ حیات طیبہ کا ہر ہر لمحہ علم کی نشر و اشاعت کے لئے وقف کر رکھا تھا، آپ کے ایک شاگرد ابو صالح تابعی بیان کرتے ہیں:

''میں نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے ہاں ایک ایسی علمی مجلس بھی دیکھی ہے کہ اگر سارا قریش اس پر فخر کرے تو بجا ہوگا۔ اس مجلس کا یہ حال تھا کہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے مکان کے سامنے آدمیوں کا اتنا ازدحام تھا کہ ان کی کثرت سے آمد و رفت مشکل تھی، میں نے جا کر اس ازدحام کی اطلاع دی تو مجھ سے پانی مانگا، میں پانی لایا، انہوں نے وضو کیا، وضو کر کے بیٹھ گئے، پھر مجھ سے کہا جاؤ قرآن کے شعبہ کے متعلق جو سائل ہوں ان کو اطلاع دو، میں نے اطلاع دی، دیکھتے ہی دیکھتے سائلوں سے سارا گھر اور تمام

---

[1] مستدرک حاکم (۳/ ۵۳۷) سیر الصحابہ (۲/ ۲۴۹)

حجرے بھر گئے، جس نے جو سوال کیا اس کے سوال سے زیادہ اس کو جواب دے کر رخصت کیا، پھر مجھ سے کہا جاؤ اور حلال وحرام اور فقہ کے سائلوں کو بلالاؤ، میں نے ان لوگوں کو اطلاع دی، چنانچہ ان کا جم غفیر آیا اور جس کو جو سوالات کرنا تھے، پیش کئے، فرداً فرداً سب کو نہایت تشفی بخش اور ان کے سوالات سے زیادہ جواب دے کر رخصت کیا، پھر فرمایا کہ اب تمہارے دوسرے بھائیوں کی باری ہے، اس کے بعد فرائض وغیرہ کے سائلوں کو بلایا، ان کی چاہت سے زیادہ جوابات دے کر فارغ ہوئے تو مجھ سے کہا کہ عربی زبان، شعر وشاعری اور ادب وانشاء کے سائلوں کو بلالاؤ، چنانچہ میں نے اطلاع دی، یہ لوگ آئے، ان کے ہجوم کا بھی وہی حال تھا ان لوگوں نے جو سوالات کئے ان کے سوالات سے زیادہ جوابات دیئے"۔

ابو صالح یہ واقعہ بیان کر کے فرمایا کرتے تھے:

"میں نے کسی شخص کی اتنی بڑی مجلس نہیں دیکھی"۔[1]

---

[1] مستدرک حاکم (۳/ ۵۳۸) سیر الصحابہ (۲/ ۲۶۲)

حضرت قتادہ رحمہ اللہ

(متوفی: ۱۰۷ھ)

تاریخ اسلام کے مطالعہ میں ہمیں ایسی دیدہ ور اور ہمہ گیر شخصیات کا ذکر ملتا ہے کہ قدرت کی طرف سے ان میں کچھ جسمانی کمزوریاں ودیعت کی گئی لیکن یہ کمزوریاں انہیں آگے بڑھنے اور بام عروج تک رسائی سے نہ روک سکیں۔ علمائے اسلام کی فہرست میں ہمیں بہت سے ایسے حضرات کا تذکرہ ملتا ہے جو ظاہری بینائی سے محروم تھے لیکن ان کے دل کی روشنی عام لوگوں سے زیادہ تابناک اور مسحور کن تھی۔ نور بصارت سے تو محروم تھے لیکن نور بصیرت ان کے سینوں میں تلاطم خیز تھا۔ ان علماء میں ایک بہت بڑا نام حضرت قتادہ بن عامرؒ کا بھی ہے، جن کا شمار جلیل القدر تابعین میں ہوتا ہے۔

مضبوط ترین حافظہ کے مالک:

ظاہری بینائی سے محروم، مشہور علماء میں قتادہ بن دعامہ کے نام کو فراموش نہیں کیا جا سکتا قوت حافظہ میں ضرب المثل اس لاثانی شخصیت کے بارے میں علم الرجال کے مشہور امام ابو بکر بن عبداللہ مزنی فرماتے ہیں:

﴿من اراد ان ینظر الی احفظ اهل زمانه فلینظر الی قتادة ماادركنا الذى هو احفظ منه﴾

''جس کی یہ خواہش ہو کہ اپنے زمانہ کے سب سے مضبوط حافظہ والے شخص کو دیکھے، اسے چاہئے کہ وہ قتادہ سے ملاقات کرے کیونکہ ہم نے ان سے زیادہ اچھا حافظہ کسی کا نہیں دیکھا''

حضرت قتادہ خود فرمایا کرتے تھے:

﴿ماسمعت اذنای شیئا قط الا وعاه قلبی﴾

''جب بھی میرے کانوں نے کسی بات کو سنا میرے دل نے اسے محفوظ کرلیا''

مولانا اعزاز علیؒ فرماتے ہیں:

﴿هو تابعي جليل يقال ولد اكمه قد اتفقوا على انه احفظ اصحاب الحسن البصري﴾

''قتادہؒ ایک جلیل القدر تابعی ہیں، آپ نابینا پیدا ہوئے، علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ حسن بصری کے شاگردوں میں سب سے مضبوط حافظہ آپ کا تھا''[1]

دس سال بعد چور کی پہچان:

ابن المدینیؒ نقل کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ ایک اعرابی نے حضرت قتادہؒ کے دروازہ پر صدا لگائی اور مراد ملنے پر چلا گیا۔ کچھ دیر بعد معلوم ہوا کہ وہ بھیک کے ساتھ ساتھ وہاں سے ایک پیالہ بھی لے اڑا ہے۔

دس سال بعد حضرت قتادہؒ حج کرنے کے لئے تشریف لائے، وہ اعرابی بھی وہاں آ پہنچا، اس نے پھر سوال کیا، آپ اس کو دیکھ تو نہ سکتے تھے البتہ اس کی آواز کو پہچان لیا اور فوراً بولے:

﴿صاحب القدح هذا﴾

''پیالے والا یہی ہے''

لوگوں نے اس کو پکڑ لیا، پوچھ گچھ کی گئی تو اس نے اقرار جرم کر لیا[2]

صحیفہ جابر رضی اللہ عنہ کے حافظ:

امام قتادہؒ کے ترجمہ میں امام بخاری اور ابن سعد وغیرہ نے یہ قصہ نقل کیا ہے کہ ایک مرتبہ سعید بن عروبہ سے قتادہ نے کہا ''قرآن کھول کر بیٹھ جاؤ میں سورۂ بقرہ سناتا ہوں''۔ سعید کہتے ہیں کہ ''میں نے اول سے آخر تک سنا، ایک حرف کی بھی غلطی قتادہ نے نہ کی، پھر مجھ کو مخاطب کر کے کہنے لگے:

---

[1] مذکورہ اقوال کے لئے دیکھئے: نفحة العرب لشيخ الادب محمد اعزاز علیؒ، ص:۳۱)

[2] نفحة العرب لشيخ الادب محمد اعزاز علیؒ، ص: ۳۱)

﴿لأنا لصحيفة جابر أحفظ مني لسورة البقرة﴾

''حضرت جابر بن عبداللہؓ کی نوشتہ حدیثوں کا مجموعہ جس کا نام صحیفہ تھا وہ مجھے سورۂ بقرہ سے بھی زیادہ یاد ہے۔''[۲]

حضرت قتادہ کے سعید بن مسیّبؒ سے کچھ سوالات:

حضرت قتادہ رحمہ اللہ کے متعلق لکھا ہے کہ بصرہ جوان کا وطن تھا، وہاں کے علماء وقت سے استفادہ کے بعد مدینہ منورہ سعید مسیّب تابعی رحمہ اللہ کی خدمت میں پہنچے۔ معلومات سے قتادہ کا دماغ پہلے ہی سے بھرا ہوا تھا۔ مدینہ آنے کی غرض اضافہ کے ساتھ ساتھ ان ہی معلومات حاصلہ میں زیادہ جلا پیدا کرنا تھا۔ سعید بن مسیّب سے سوالات کا ایک لامتناہی سلسلہ انہوں نے چھیڑ دیا۔ مہمان خیال کر کے کچھ دن تو سعید کچھ نہ بولے۔ جو کچھ پوچھتے جواب دیتے جاتے تھے مگر بات جب برداشت سے باہر ہوگئی تب ذرا غصہ کے لہجہ میں سعیدؒ نے کہا:

''جو کچھ تم نے اب تک دریافت کیا ہے ان کو تم یاد کر چکے؟''

مطلب یہ تھا کہ صرف تم پوچھتے ہی چلے جاتے ہو، جو کچھ اب تک سن چکے ہو اسے یاد بھی کیا ہے یا نہیں۔ اس پر قتادہ نے نہایت سادگی سے جواب دیا:

''جی ہاں! جو کچھ آپ نے ارشاد فرمایا مجھے سب یاد ہے''۔

اسی کے ساتھ سنبھل کر بیٹھ گئے اور فقط وہی چیزیں نہیں جو سعید سے سنی تھیں بلکہ سعید کے سوا جس جس مسئلہ کے متعلق دوسرے علماء سے انہوں نے اس وقت تک جو کچھ سنا تھا، سب سنانا شروع کر دیا۔ طبقات ابن سعد میں ہے کہ قتادہ کہتے جاتے تھے:

﴿سألتك عن كذا فقلتَ فيه كذا و سألتك عن كذا فقلتَ فيه كذا و قال فيه حسنٌ كذا﴾

''آپ سے یعنی سعید بن مسیّب سے میں نے فلاں بات پوچھی، اس کا جواب آپ نے یہ دیا اور فلاں بات دریافت کی اس کا جواب آپ

---

[۲] تاریخ کبیر بخاری (۱۸۲/۴)

نے یہ دیا۔ اس مسئلہ میں حسن (بصری ان کے بصری استاذ) نے مجھے
یہ بتایا تھا۔"[1]

سعید بن مسیب کی شخصیت حالانکہ خود بھی غیر معمولی تھی لیکن قتادہ کے حافظہ کی اس آہنی فولادی گرفت کو دیکھ کر فرمانے لگے:

﴿ ما کنتُ أظنّ انّ اللہ خلق مثلک﴾

''میں نہیں سمجھتا تھا کہ تجھ جیسے آدمی کو بھی خدا نے پیدا کیا ہے۔''

یہ بھی لکھا ہے کہ زیادہ دن گزرنے نہ پائے تھے کہ آخر سعید بن مسیب کو قتادہ کے سامنے یہ اقرار کرنا پڑا:

﴿ ارتحل یا أعمیٰ فقد نزفتنی﴾

''اندھے اب تم اپنے وطن کی راہ لو مجھے تو تم نے نچوڑ ہی لیا یعنی باقی کچھ نہ چھوڑا۔''

حضرت قتادہ کے فرمودات میں منقول ہے کہ حافظہ کی حیرت انگیز مضبوطی امت محمدیہ ﷺ کی خصوصیات میں سے ہے۔ سعید بن مسیب نے قتادہ کی غیر معمولی یادداشت کی قوت دیکھ کر یہ جو کہہ دیا تھا کہ میں نہیں سمجھتا تھا کہ تجھ جیسے آدمی کو بھی خدا نے پیدا کیا ہے، شاید یہ یا اسی قسم کی دوسری باتوں نے قتادہ میں یہ خیال پیدا کر دیا ہو کہ حافظوں کے جن غیر معمولی آثار ونتائج کا تجربہ اس زمانے میں ہو رہا ہے یہ اسلام کی خصوصیت خاصہ ہے۔[2]

حضرت قتادہ کا لاجواب حافظہ، اہل علم کی نظر میں:

امام قتادہ رحمہ اللہ کے لاجواب حافظہ کے بارے میں امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

﴿کان قتادة احفظ اهل البصرة لایسمع شیئا الا حفظه قرأت علیه صحیفة جابر مرة فحفظها﴾

''قتادہ رحمہ اللہ بصرہ کے سب سے بڑے عالم تھے، وہ جب بھی کسی

---

۱ طبقات ابن سعد، ۷/۲، قسم دوم)

۲ تدوین حدیث، ص:۱۶۸

چیز کو سنتے اسے زبانی یاد کر لیتے میں نے ان کے سامنے صحیفہ جابر ایک
مرتبہ پڑھا اور آپ نے اسے یاد کر لیا''

امام شعبہؒ فرماتے ہیں:

﴿قصصت علی قتادة سبعين حديثا كلها يقول فيها سمعت انس بن مالك الا اربعة﴾

''میں نے قتادہ کو ستر احادیث سنائیں ان میں چار کے علاوہ باقی سب کے بارے میں فرمایا کہ یہ تو میں انس بن مالک سے سن چکا ہوں''

سعید بن مسیب رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

﴿مااتانا عراقی احفظ من قتادة﴾

''میرے پاس قتادہ سے زیادہ مضبوط حافظہ والا کوئی عراقی نہیں آیا''[1]

---

[1] تذکرۃ الحفاظ، ۱/۱۱۶

ابن شہاب زہری رحمہ اللہ

(متوفی: ۱۲۴ھ)

ابن شہاب زہریؒ کا شمار علم حدیث کے صف اول کے مدونین میں ہوتا ہے۔ حدیث کے اس مشہور امام کو اللہ تعالی نے بلا کا حافظہ عطا کیا تھا، خود فرماتے ہیں:

"جب میں "بقیع" سے گزرتا ہوں تو کانوں کو بند کر لیتا ہوں اس اندیشہ سے کہ ان میں کوئی فحش بات داخل ہو جائے، کیونکہ خدا کی قسم! میرے کان میں اب تک کوئی بات ایسی داخل نہیں ہوئی جسے میں بھول گیا ہوں"[1]

امام زہریؒ کے حافظہ کا امتحان:

ایک مرتبہ مروانی حکومت کے فرمانروا ہشام بن عبدالملک نے امام زہریؒ کا امتحان لیا، تاریخی روایات میں تصریح کی گئی ہے کہ چار حدیثوں کا یہ مکتوبہ مجموعہ تھا۔ قصہ بیان یہ کیا جاتا ہے کہ جیسے مروان نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایتوں اور ان کی قوت یادداشت کو جانچنا چاہا تھا اسی طرح اپنے عہدِ حکومت میں ہشام نے بھی ابنِ شہاب زہری کا امتحان کرنا چاہا۔ اس نے امتحان لینے کی یہ ترکیب اختیار کی کہ ایک دن دربار میں زہری کسی ضرورت سے آئے ہوئے تھے، اس نے خواہش ظاہر کی کہ شہزادے یعنی اس کے لڑکے کے لئے کچھ حدیثیں لکھوا دیجئے، زہری راضی ہو گئے کاتب بلایا گیا اور زہری نے جیسا کہ ذہبی نے لکھا ہے: "فاملی علیه اربع مائة حدیث"

"ذہبی نے چار سو حدیثیں شاہزادے کے لیے لکھوا دیں"[2]

کہتے ہیں کہ ایک مہینے کے بعد ہشام کے دربار میں پھر زہری پہنچے تو بڑے افسوس کے لہجے میں ہشام نے کہا:

﴿ان ذالک الکتاب ضاع﴾

---

[1] تہذیب الکمال، ۴۳۳/۲۶
[2] تذکرہ الحفاظ، ۲۰۱/۱

''یعنی وہ کتاب جسے آپ نے لکھوا کر شاہزادے کو دی تھی وہ گم ہو گئی''

زہری نے کہا: تو یہ پریشانی کی کیا بات ہے، کاتب کو بلوائیے پھر لکھوا دیتا ہوں۔ یہی ہشام کی غرض تھی، کاتب بلایا گیا وہیں بیٹھے بیٹھے زہری نے پھر ان ہی چار سو حدیثوں کو لکھوا دیا۔ پہلا مسودہ درحقیقت غائب نہیں ہوا تھا، یہ ہشام کی ایک ترکیب تھی۔ جب زہری دربار سے اٹھ کر گئے تو:

﴿قابل بالکتاب الاول فما غادر حرفا واحدا﴾

''ہشام نے پہلی کتاب سے دوسری دفعہ لکھائے ہوئے نوشتے سے مقابلہ کیا (معلوم ہوا کہ) ایک حرف بھی زہری نے نہ چھوڑا تھا''۔

بلاشبہ زہری کے حافظہ کا یہ کمال تھا[۱]

اسی دن میں حفظ قرآن:

اسی غیر معمولی قوت حافظہ کا نتیجہ تھا کہ پورا قرآن مجید صرف اسی دن میں حفظ کر لیا تھا''[۲]

ابن شہاب زہری یہ کہتے ہوئے کہ ایک دفعہ سن لینے کے بعد آج تک دوبارہ پھر اسی حدیث کے متعلق دریافت کرنے کی ضرورت مجھے کبھی نہیں ہوئی اور نہ کبھی کسی حدیث کے متعلق مجھے شک ہوا، خود اپنا ذاتی تجربہ اپنے حافظہ کے متعلق یہ بیان کرتے تھے کہ ایک دفعہ ایک حدیث کے بعض الفاظ میں مجھے شک سا ہوا:

﴿فسألتُ صاحبی فاذا ھو کما قلت﴾

''میں نے اپنے ساتھی سے پوچھا تب معلوم ہوا کہ صحیح وہی تھا جو میں کہتا تھا''

''کتاب الصدقہ'' کے حافظ:

حضور ﷺ نے ایک مرتبہ اپنے عمال کو بھیجنے کے لئے ایک مرتبہ ایک کتاب املاء کرائی تھی، جو کتاب الصدقہ کے نام سے مشہور ہے۔ آپ ﷺ یہ کتاب بھجوا نہ سکے تھے کہ

---

۱ تذکرۃ الحفاظ، ۱/ ۱۰۲ ۲ تدوین حدیث، ص:۱۴۰

آپ کی وفات ہوگئی، آپ ﷺ کے بعد یہ کتاب حضرت ابوبکرؓ کے پاس رہی اور پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آئی، پھر ان کے دو صاحبزادوں حضرت عبداللہ اور حضرت عبیداللہ کے پاس آئی، پھر ان سے حضرت عمر بن عبدالعزیز نے حاصل کر کے اس کی نقل کی اور ان سے حضرت سالم بن عبداللہ کے پاس منتقل ہوئی، حضرت سالم سے امام ابن شہاب زہریؒ نے اسے حفظ کیا اور دوسروں کو پڑھایا۔ لہٰذا اس اہم ترین مسودہ حدیث کی تبلیغ و اشاعت بھی امام زہری رحمہ اللہ کے حصہ میں آئی[1]

[1] درس ترمذی، (۱/۳۸)

امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ

(متوفی: ۱۵۰)

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

امام ابوحنیفہؒ کا شمار اسلامی تاریخ کے گلشن کے مہکتے پھولوں میں ہوتا ہے جن کی خوشبو رہتی دنیا تک محسوس ہوتی رہے گی۔ علم فقہ وحدیث میں آپ کی خدمات کبھی فراموش نہیں کی جاسکتیں۔

امام ابوحنیفہؒ، ایک مایہ ناز حافظ حدیث:

اللہ تعالی نے امام ابوحنیفہؒ کو حافظہ بھی بے مثال عطا فرمایا تھا۔ علامہ ذہبی نے امام ابو حنیفہؒ کو حفاظ حدیث میں شمار کیا ہے[۱]

محدثین کی اصطلاح میں حافظ حدیث وہ ہوتا ہے جس کو ایک لاکھ احادیث کی اسانید ومتون اور احوال رواۃ پر جرح وتعدیل اور تاریخ کے اعتبار سے عبور حاصل ہو۔

مشہور محدث یزید بن ہارون فرماتے ہیں:

﴿کان ابو حنیفة احفظ اھل زمانه﴾ [۲]

''امام ابوحنیفہؒ اپنے زمانہ میں سب سے بڑے حافظ الحدیث تھے''

سفیان ثوری کی جلالت شان علم حدیث میں مسلم ہے، امام ابوحنیفہؒ کے بارے میں فرماتے ہیں:

﴿کنا بین ابی حنیفة کالعصافیر بین یدی البازی ان ابا حنیفة سید العلماء﴾

''ابوحنیفہؒ کے سامنے ہم ایسے تھے جیسے شاہین کے سامنے کنجشک! وہ تو علماء کے سردار ہیں''[۳]

---

[۱] تذکرة الحفاظ (۱/۱۵۸، ۱۵۹)
[۲] ابن ماجہ اور علم حدیث، ص:۲۱
[۳] قواعد فی علوم الحدیث، ص:۱۹۰

امام ابوحنیفہؒ کا باکمال حافظہ:

امام ابوحنیفہؒ کی قوت حافظہ آپ کے شاگرد رشید امام ابو یوسفؒ کے مندرجہ ذیل بیان سے بھی آشکارا ہوتی ہے:

''جب ابو حنیفہ کوئی مسئلہ بیان کرتے تو میں کوفہ کے تمام شیوخ حدیث کے پاس جاتا، ان سے وہ احادیث جمع کر کے لاتا جو امام ابوحنیفہ کے قول کی تائید کرتی تھیں، امام اعظم کو اس خیال سے سناتا کہ آپ سن کر خوش ہوں گے، لیکن جب میں احادیث سنا کر فارغ ہوتا تو امام صاحب جرح شروع کرتے کہ ان میں فلاں حدیث میں فلاں نقص ہے، فلاں حدیث میں فلاں راوی ضعیف ہے اور فلاں علت پائی جارہی ہے اس لئے وہ قابل استدلال نہیں، اس کے بعد امام ابوحنیفہ فرماتے: **انا عالم بعلم اهل الكوفة** (میں اہل کوفہ کے علم حدیث کا عالم ہوں)''[1]

فقہی ترتیب پر حدیث کی پہلی کتاب:

علم حدیث میں ''کتاب الآثار'' امام ابوحنیفہ کی وہ تصنیف ہے جو تمام کتب متداولہ میں سب سے پہلے فقہی ابواب پر مرتب کی گئی یہ فضیلت کسی اور کتاب کو حاصل نہ ہو سکی، اسی کتاب کو مأخذ بنا کر امام مالک نے ''مؤطا'' ترتیب دی، پھر مؤطا مالک کو بنیاد بنا کر حدیث کی دوسری عظیم الشان کتابوں کو ترتیب دیا گیا۔

کتاب الآثار، چالیس ہزار احادیث سے انتخاب:

امام ابوحنیفہ نے اس کتاب کو چالیس ہزار احادیث سے منتخب کیا ہے، چنانچہ صدر الائمہ مکی فرماتے ہیں:

''وانتخب ابو حنيفة الآثار من اربعين الف حديث''

---

[1] امام ابوحنیفہ اور علم حدیث، ص: ۹۵

''امام ابو حنیفہ نے کتاب الآثار کو چالیس ہزار احادیث سے منتخب کیا ہے''۔[1]

اے فقہاء! آپ اطباء ہیں.......:

امام اعمش ؒ امام ابو حنیفہ ؒ کے استاذ حدیث ہیں، ایک مرتبہ امام صاحب ؒ ان کی خدمت میں حاضر ہوئے، انہوں نے کئی علمی سوالات کیے اور امام صاحب نے ان کے جوابات دیئے، ہر سوال کے جواب پر امام اعمش ؒ کہتے تھے کہ تم یہ جواب کس دلیل سے دے رہے ہو؟ اور امام صاحب کہتے تھے کہ آپ ہی سے روایت کردہ احادیث سے جواب دے رہا ہوں، آخر میں امام اعمش نے کہا:

﴿یامعشر الفقهاء انتم الاطباء ونحن الصيادلة﴾

''اے فقہاء! آپ لوگ اطباء ہیں اور ہم (محدثین) دوافروش''۔[2]

امام ابو حنیفہ کا بے مثال حلقہ درس وتدریس:

امام صاحب کے حلقۂ درس میں بیٹھنے کی تفصیل حماد بن سلمہ اور داؤد طائی نے یوں بیان کی ہے کہ ابراہیم نخعی کی وفات کے بعد ان کے شاگرد حماد بن سلیمان تھے، جو فقہ وفتویٰ میں ہر عام وخاص میں مقبول تھے، جب ان کا انتقال ہو گیا تو اہل علم کو ان کے جانشین کی تلاش ہوئی، اور ان کے شاگردوں کی نگاہِ انتخاب ان کے صاحبزادے اسمٰعیل بن حماد پر پڑی، چنانچہ ابو بکر نہشلی، ابو بردہ عتبی، محمد بن جابر حنفی، ابو حصین حبیب بن ثابت اور ان کے تلامذہ کی ایک جماعت نے اسمٰعیل کو ان کی جگہ بٹھایا، مگر کچھ دنوں کے بعد اندازہ ہوا کہ اسمٰعیل نحو، عربیت، کلام عرب اور اشعار ایام عرب کے عالم ہیں، اور فقہ وفتویٰ میں ان کو وہ کمال نہیں ہے جس کی توقع تھی، اس لیے سب لوگوں نے ابو بکر نہشلی کو حماد بن ابی سلیمان کا جانشین بنانا چاہا مگر انہوں نے انکار کر دیا، اس کے بعد ابو بردہ عتبی سے کہا گیا مگر انہوں نے بھی انکار کر دیا، اس لیے سب حضرات نے متفقہ طور پر ابو حنیفہ کا انتخاب یہ کہہ کر کیا:

---

[1] التجائے مسافر، ص: ۱۲۴

[2] اخبار ابی صفیۃ واصحابہ، ص: ۳۰

﴿ان هذا الخزاز حسن المعرفة وان كان حدثًا﴾

''یہ ریشم فروش اگر چہ نوعمر ہے لیکن فقہ کی معرفت اچھی رکھتا ہے۔''

امام صاحبؒ نے اپنے ساتھیوں کی بات رکھتے ہوئے استاد کے حلقہ میں بحیثیت معلم بیٹھنا منظور کر لیا، اور حماد بن ابی سلیمان کے اونچے تلامذہ ان کے حلقۂ درس میں شریک ہو گئے۔ جب اس کی خبر علمائے کوفہ میں عام ہوئی تو ابو یوسف، اسد بن عمرو، قاسم بن معن، زُفر بن ہذیل، ولید بن ابان، ابوبکر ہذلی اور دوسرے اہل علم آنے لگے۔ اور کوفہ کی جامع مسجد اتنی پر کشش ہوگئی کہ امراء و حکام اور اعیان و اشراف تک جمع ہونے لگے۔

ایک بابرکت خواب:

ابتداء میں امام صاحبؒ کو استاذ کی جانشینی اور اپنا حلقہ درس قائم کرنے میں بڑا تردد اور خلجان تھا، ان ہی دنوں انہوں نے ایک خواب دیکھا جو بظاہر بہت پریشان کن تھا، ان کا بیان ہے کہ میں نے خواب دیکھا کہ میں رسول اللہ ﷺ کی قبر شریف کھود رہا ہوں، جس کی وجہ سے بہت زیادہ گھبراہٹ پیدا ہوئی اور میں نے بصرہ جا کر ایک شخص کے ذریعہ ابن سیرین سے اس کی تعبیر دریافت کی اور انہوں نے فرمایا کہ:

﴿هذا رجل ينبس اخبار النبي صلى الله عليه وسلم﴾

''یہ شخص رسول اللہ ﷺ کی احادیث ظاہر کرے گا۔''[1]

اس کے بعد امام صاحب پورے انشراح وانبساط کے ساتھ فقہ وفتویٰ کا درس دینے لگے۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی علمی شان:

عبداللہ بن داؤد واسطی کا قول ہے:

﴿من اراد ان يخرج من ذل العمى والجهل ويجد لذة الفقه فلينظر في كتب ابي حنيفة﴾

''جو شخص چاہتا ہے کہ کور چشمی اور جہالت کی ذلت سے نکل کر فقہ کی لذت پائے وہ ابوحنیفہ کی کتابوں کو دیکھے۔''[2]

---

[1] تاریخ بغداد، ۳۳۵/۱۳ [2] اخبار ابی حنیفۃ واصحابہ، ص ۷۸

امام صاحب کے شاگرد رشید قاضی ابو یوسفؒ کا بیان ہے کہ میں نے کسی عالم کو نہیں دیکھا جو حدیث کی تشریح اور اس کے فقہی اسرار و حکم کا ابو حنیفہ سے زیادہ جاننے والا ہو، میں نے بعض مسائل میں امام ابو حنیفہ سے اختلاف کر کے ان میں غور کیا تو معلوم ہوا کہ ان کا مسلک درست ہے۔ میں بسا اوقات فقہ کے مقابلہ میں حدیث کی طرف مائل ہو جاتا تھا مگر بعد میں معلوم ہوتا تھا کہ امام صاحب صحیح حدیث کے بارے میں مجھ سے زیادہ بصیرت رکھتے ہیں۔

نیز قاضی ابو یوسف کا بیان ہے کہ ایک دن اعمشؒ نے کہا کہ تمہارے استاذِ فقہ ابو حنیفہ نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا یہ قول کیوں ترک کر دیا؟

﴿عتق الامة طلاقها﴾

"باندی کی آزادی اس کے حق میں طلاق ہے۔"

میں نے جواب دیا:

﴿لحديث حدثتناه عن ابراهيم عن الاسود، عن عائشة ان بريرة حين اعتقت خيرت﴾

"اس حدیث کی وجہ سے جس کو آپ نے ہم سے بیان کیا ہے کہ ابراہیم نے اسود سے، انہوں نے حضرت عائشہؓ سے روایت کی ہے کہ بریرہؓ جب آزاد کی گئیں تو ان کو اختیار دے دیا گیا تھا۔"

یہ جواب سن کر اعمش نے کہا کہ واقعی ابو حنیفہ حدیث کے موقع و محل کو خوب پہچانتے ہیں اور اس میں بڑا شعور رکھتے ہیں اور ابو حنیفہ کے علم حدیث اور اس سے استدلال پر اظہار تعجب کیا۔[1]

ایک مرتبہ محمد بن واسع خراسان گئے، لوگوں نے ان سے فقہی مسائل دریافت کیے، انہوں نے کہا کہ فقہ کوفہ کے نوجوان عالم ابو حنیفہ کا فن ہے، لوگوں نے کہا کہ وہ حدیث نہیں جانتے وہاں عبداللہ بن مبارک موجود تھے، انہوں نے یہ سن کر برجستہ کہا کہ تم لوگ کیسے کہتے

[1] تاریخ بغداد ۱۳/۳۴۰

ہو کہ ابوحنیفہ حدیث نہیں جانتے۔ایک مرتبہ ان سے رُطب کو تمر کے بدلے فروخت کرنے کے متعلق دریافت کیا گیا تو انہوں نے جائز قرار دیا، اس کے مقابلہ میں اہل علم نے حضرت سعد کی حدیث پیش کی تو ابوحنیفہ نے بتایا کہ وہ حدیث شاذ ہے، زید بن ابی عیاش راوی کی وجہ سے مقبول نہیں ہے، کیا جو شخص ایسی بات کرے وہ حدیث نہیں جانتا[۱]

سفیان بن عیینہ کہتے ہیں کہ سب سے پہلے ابوحنیفہؒ نے مجھ کو محدث بنایا اور درس حدیث کے لیے بٹھایا، صورت یہ ہوئی کہ میں کوفہ گیا تو ابوحنیفہ نے وہاں کے اہل علم سے کہا کہ سفیان بن عیینہ، عمرو بن دینار کی احادیث کے سب سے بڑے عالم ہیں، اس کے بعد وہاں کے اہل علم میرے گرد جمع ہو گئے اور میں نے عمرو بن دینار کی احادیث بیان کیں۔ واضح ہو کہ عمرو بن دینار، امام ابوحنیفہ کے بھی استاذ حدیث ہیں مگر انہوں نے ان کی احادیث کا سب سے بڑا عالم سفیان بن عیینہ کو بتا کر اپنے شہر کے اہل علم سے ان کا تعارف کرایا، یہ ان کے اعلیٰ ظرف کی دلیل ہے۔

عبداللہ بن داؤد خریبیؒ کہا کرتے تھے کہ اہل اسلام پر فرض ہے کہ ابوحنیفہؒ کے حق میں اللہ تعالیٰ سے دعا کریں، انہوں نے مسلمانوں کے لیے سنن یعنی احادیث اور فقہ کو محفوظ کر دیا[۲]

سفیان ثوری کا قول ہے کہ ابوحنیفہ صرف صحیح حدیث کو لیتے تھے، حدیث کے ناسخ و منسوخ کا پختہ علم رکھتے تھے، ثقہ راویوں سے روایت کرتے تھے، رسول اللہ ﷺ کے آخری عمل اور اہل کوفہ کے مسلک پر عمل کرتے تھے، اور اسی کو دین بناتے تھے، ایک جماعت نے ان پر طعن و تشنیع کی ہے، ہم ایسے لوگوں کے بارے میں سکوت کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے استغفار کرتے ہیں[۳]

یحییٰ بن معین کا قول ہے:

﴿کان ابو حنیفة ثقة، لایحدث الا ماحفظ، ولایحدث بما لایحفظ﴾

''ابوحنیفہ ثقہ ہیں، وہ صرف وہی حدیث بیان کرتے ہیں جو ان کو یاد ہے اور جو یاد نہیں ہے اس کو بیان نہیں کرتے۔''[۴]

---

۱ اخبار ابی حنیفة واصحابہ، ص:۱۱ ۲ تاریخ بغداد، ۱۳/ ۳۴۴

۲ عقود الجمان، ص:۱۹۱ ۳ تاریخ بغداد، ۱۳/ ۳۴۵

امام صاحب کے تلمیذ ابو عبدالرحمٰن مقری مکی کے بارے میں بشر بن موسیٰ بیان کرتے ہیں کہ جب وہ ابوحنیفہ سے روایت کرتے تھے تو کہتے تھے:

﴿حدثنا شاها نشاه﴾

''یعنی شہنشاہ نے ہم سے یہ حدیث بیان کی ہے۔''

ایک مرتبہ یحییٰ بن معین سے سفیان ثوری کی ان احادیث کے بارے میں سوال کیا گیا جن کو انہوں نے امام ابوحنیفہ سے روایت کیا ہے، انہوں نے کہا کہ:

﴿ثقة، ماسمعت احداً ضعفه هذا شعبة بن الحجاج یکتب له ان یحدث ویامره، وشعبة شعبة﴾

''ابوحنیفہ ثقہ ہیں، میں نے نہیں سنا کہ کسی نے ان کو ضعیف کہا ہو، شعبہ بن حجاج ان کو حدیث بیان کرنے کے لیے لکھتے تھے اور ان کو اس کا حکم دیتے تھے، اور شعبہ بہرحال شعبہ ہیں۔''[1]

ایک مرتبہ ابو سعد صنعانی نے امام صاحب سے دریافت کیا کہ سفیان ثوری سے روایت کرنے کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟ امام صاحب نے ان سے کہا کہ:

﴿اُکتب عنه فانه ثقة ماخلا احادیث ابی اسحاق عن الحارث واحادیث جابر الجعفی﴾

''تم ان سے حدیث لکھو، وہ ثقہ ہیں سوائے ابو اسحٰق کی ان احادیث کے جو حارث سے مروی ہیں اور سوائے جابر جعفی کی احادیث کے۔''[2]

رُواۃ حدیث کی جرح وتعدیل کے بارے میں بھی امام صاحب کے اقوال کتابوں میں ملتے ہیں، ایک قول یہ ہے:

﴿مارأیتُ اکذب من جابر الجعفی، ولا افضل من عطاء بن ابی رباح﴾

''میں نے جابر جعفی سے زیادہ جھوٹا اور عطاء بن ابو رباح سے زیادہ افضل کسی کو نہیں دیکھا۔''[3]

---

[1] عقود الجمان، ص:۲۰۳ [2] عقود الجمان، ص:۱۶۷ [3] تہذیب التہذیب، ۱۰/۴۵۱

امام صاحب علوم حدیث کے تمام سرچشموں سے سیراب تھے، اور اس میں ان کو جامعیت حاصل تھی، ایک مرتبہ خلیفہ ابوجعفر منصور کے یہاں گئے، عیسیٰ بن موسیٰ نے امام صاحب کے بارے میں کہا کہ:

﴿هذا عالم الدنيا اليوم﴾

''یعنی آج یہ دنیا کے سب سے بڑے عالم ہیں۔''

ابوجعفر منصور نے پوچھا کہ آپ نے کس سے علم حاصل کیا ہے؟ امام صاحبؒ نے جواب دیا حضرت عمرؓ کا علم اصحاب عمر سے، حضرت علیؓ کا علم اصحاب علی سے، حضرت ابن مسعودؓ کا علم اصحاب ابن مسعود سے، حضرت ابن عباسؓ کا علم اصحاب ابن عباس سے، اور ابن عباس کے زمانہ میں ان سے بڑا کوئی عالم نہیں تھا۔ یہ سن کر ابوجعفر منصور نے کہا کہ آپ نے بہت ہی معتبر و مستند علم حاصل کیا ہے[1]

زائدہ بن قدامہ کا بیان ہے کہ میں نے سفیان ثوری کے سرہانے ایک کتاب پائی جس کو وہ دیکھا کرتے تھے، میں نے اس کو دیکھنے کی اجازت چاہی تو انہوں نے دے دی۔

﴿فاذا كتاب الرهن لابي حنيفة، فقلت له تنظر في كتبه فقال ودِدْتُ انها كلها عندي مجتمعة انظر فيها فما بقي في شرح العلم غايةً ولكن ما ننصفه﴾

''وہ ابوحنیفہ کی کتاب الرہن تھی، میں نے کہا کہ آپ ان کی کتابیں دیکھتے ہیں؟ انہوں نے کہا میری خواہش ہے کہ ان کی تمام کتابیں میرے پاس جمع ہوتیں اور میں ان کو دیکھتا رہتا، علم کی تفصیلات کی کوئی انتہا نہیں ہے، ہم نے ابوحنیفہ کے ساتھ انصاف نہیں کیا۔''[2]

سجادہ کا بیان ہے کہ میں اور ابو مسلم مستملی دونوں یزید بن ہارون کی خدمت میں حاضر ہوئے، اس وقت وہ بغداد میں خلیفہ منصور کے یہاں مقیم تھے، ابو مسلم نے ان سے سوال کیا:

---

[1] تاریخ بغداد، ۳۳۴/۱۳
[2] اخبار ابی حنیفۃ واصحابہ، ص: ۶۷۵

﴿ماتقول یا ابا خالد فی ابی حنیفة والنظر فی کتبه﴾

''ابو خالد! آپ ابوحنیفہ اور ان کی کتابیں دیکھنے کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟''

انہوں نے کہا کہ تم لوگ ان کی کتابیں دیکھا کرو، اگر تم لوگ فقیہ بننا چاہتے ہو، میں نے فقہاء میں سے کسی کو نہیں دیکھا جو امام ابوحنیفہؒ کے اقوال کو ناپسند کرے اور سفیان ثوری نے حیلہ سے ان کی کتاب الرہن نقل کی ہے[1]

عبداللہ بن مبارکؒ کا بیان ہے کہ میں ملک شام میں امام اوزاعی کے پاس گیا اور بیروت میں ان سے ملاقات کی، انہوں نے مجھ سے کہا کہ اے خراسانی! یہ کون بدعتی ہے جو کوفہ میں نکلا ہے اور ابوحنیفہ کی کنیت رکھتا ہے؟ میں نے اس وقت کوئی جواب نہیں دیا۔ اور اپنی قیام گاہ پر واپس آکر ابوحنیفہ کی کتابوں کو دیکھنے لگا۔

﴿فرجعت الی بیتی، فاقبلتُ علی کتب ابی حنیفة فاخرجت منها مسائل من جیاد المسائل وبقیتُ فی ذلک ثلاثة ایام﴾

''میں اپنی قیام گاہ پر واپس آکر ابوحنیفہ کی کتابوں میں لگ گیا، اور تین دن تک ان کو پڑھ کر ان سے اچھے اچھے مسائل نکالے۔''

تیسرے دن ان کے پاس گیا اور مسائل کی کتاب میرے ہاتھ میں تھی، امام اوزاعی نے پوچھا یہ کون سی کتاب ہے؟ میں نے ان کو کتاب دے دی، انہوں نے اس کو دیکھنا شروع کیا اور ایک مسئلہ پر ان کی نظر پڑی جس میں میں نے قال النعمان لکھا تھا، اذان ہوگئی تھی، اقامت کا وقت قریب ہوگیا، اور ان کو امامت کرنی تھی، اس کے باوجود کھڑے کھڑے کتاب کا ابتدائی حصہ پڑھا، پھر کتاب اپنی آستین میں رکھ کر نماز پڑھائی فراغت کے بعد پھر اس کو پڑھنا شروع کیا، یہاں تک کہ پوری کتاب پڑھ لی اور کہا کہ خراسانی! یہ نعمان بن ثابت کون ہے؟ میں نے کہا کہ یہ ایک شیخ ہیں جن سے میں نے عراق میں

---

[1] تاریخ بغداد، ۱۳/۳۴۲

ملاقات کی ہے۔ اوزاعی نے کہا۔

﴿هذا نبيل من المشائخ، اذهب فاستكثر منه﴾

''یہ بہت اونچے مشائخ میں سے ہیں، تم جا کر ان سے زیادہ سے زیادہ علم حاصل کرو۔''

اس کے بعد میں نے ان کو بتایا کہ یہی ابوحنیفہ ہیں جن کے پاس جانے سے آپ نے مجھ کو منع کیا تھا۔ خطیب بغدادی کی روایت یہیں تک ہے، عقود الجمان میں ہے کہ اس واقعہ کے بعد عبداللہ بن مبارک نے بیان کیا ہے کہ ابوحنیفہ اور اوزاعی دونوں مکہ میں ملے، میں نے اوزاعی کو دیکھا کہ ان مسائل میں ابوحنیفہ سے بحث کر رہے ہیں، اور ابوحنیفہؒ اس سے زیادہ وضاحت اور دلائل کے ساتھ ان مسائل کو بیان کر رہے ہیں جن کو میں نے لکھا تھا اس کے بعد میں اوزاعی سے ملا تو انہوں نے اعتراف کیا کہ ابوحنیفہ کی کثرت علم اور وفور عقل پر رشک ہو رہا ہے، میں بڑی غلط فہمی میں مبتلا تھا، تم ان سے مل کر علم حاصل کرو۔[1]

امام شافعیؒ کہتے ہیں:

﴿من لم ينظر في كتب ابي حنيفة لم يتبحر في الفقه﴾

''جو شخص ابوحنیفہ کی کتابوں کو نہیں دیکھے گا فقہ میں متبحر نہیں ہو سکتا ہے۔''[2]

امام شافعیؒ کا یہ قول دوسری روایت میں یوں ہے:

﴿من لم ينظر في كتب ابي حنيفة لم يتبحر في العلم ولا يتفقه﴾

''جو شخص ابوحنیفہ کی کتابوں کو نہیں دیکھے گا وہ علم اور فقہ میں متبحر نہیں ہوگا۔''[3]

امام مالک نے خالد بن مخلد قطوانی کو خط لکھ کر ابوحنیفہ کی کتابیں طلب کیں اور انہوں نے بھیجا۔

﴿يسأله ان يحمل اليه شيئاً من كتب ابي حنيفة ففعل﴾

''امام مالکؒ نے خالد سے سوال کیا کہ ابوحنیفہؒ کی کچھ کتابیں بھیج دو،

---

[1] عقود الجمان، ص:۱۸۷ [2] اخبار ابی حنیفۃ واصحابہ، ص:۸۱ [3] عقود الجمان، ص:۱۸۷

چنانچہ انہوں نے یہ کام کیا۔[1]

عبداللہ بن داؤد کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ اعمش نے حج کا ارادہ کیا، اور کہا کہ:

﴿من ھٰھنا یذھب الی ابی حنیفۃ یکتب لنا کتاب المناسک﴾

''کوئی یہاں ہے جو ابو حنیفہؒ کے پاس جا کر ہمارے لیے کتابُ المناسک لکھ دے''۔[2]

غروبِ آفتابِ حق:

امام صاحب کو اپنے زمانہ کے حکمرانوں کے ہاتھوں بڑی تکلیف اٹھائی پڑی تھی، اموی دور میں امیر عراق ابن ہبیرہ نے آپ کو عہدہ قضا پیش کیا اور انکار پر ایک سو دس کوڑے اس طرح رسید کیے کہ روزانہ ایک گھوڑے پر لیجا کر دس کوڑے مارے جاتے تھے اور امام صاحب انکار کرتے تھے، اس کے بعد عباسی دور میں پھر ان کو عہدۂ قضاء پیش کیا گیا اور انکار پر زہر دے دیا گیا۔

عہدۂ قضاء قبول نہ کرنے پر دُرّے مارنے یا زہر دے کر جان لینے کی اندرونی وجہ کچھ اور تھی، امام صاحبؒ کے نزدیک اموی اور عباسی امراء اسلام کے جادۂ مستقیم سے دور تھے اور ظلم و زیادتی میں حد سے تجاوز کرتے تھے، اس لیے عہدۂ قضاء کا عہدہ قبول کرنا ظلم و جور میں تعاون کے مترادف تھا، اس دور کے محتاط اہل علم و فضل کا یہی رویہ تھا اور وہ ان حکومتوں میں کسی قسم کا عہدہ لینا معصیت سمجھتے تھے، امراء و خلفاء ان کے رویہ سے غیر مطمئن اور خائف رہا کرتے تھے، اور کسی بہانہ سے اپنا ہمنوا بنانے کی کوشش کرتے تھے، بڑے بڑے عہدے اور بھاری بھاری رقمیں پیش کر کے ان پر دباؤ ڈالتے تھے، یہی صورت حال امام صاحب کے ساتھ تھی، امام صاحب ان کے مقابلہ میں علوی دعاۃ کے حق میں تھے، اسی لیے ابو جعفر منصور نے عہدۂ قضاء قبول نہ کرنے کے بہانہ سے جیل خانہ میں زہر دلوادیا۔

خطیب بغدادی نے زفر بن ہذیل کا بیان نقل کیا ہے کہ ابراہیم بن عبداللہ بن حسن بن حسن بن علی بن ابو طالب قتیل باخمریٰ کی دعوت و خروج کے زمانہ میں امام صاحب نہایت

---

[1] عقود الجمان، ص:۱۸۶

[2] اخبار ابی حنیفۃ واصحابہ، ص:۷۰

زور وشور سے ان کے موافق بات کرتے تھے، میں نے ان سے کہا کہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ ہماری گردنوں میں رسی ڈلوا کر ہی خاموش ہوں گے، اسی حال میں ابو جعفر منصور کا پیغام امیر کوفہ عیسیٰ بن موسیٰ کے پاس آیا کہ ابو حنیفہ کو ہمارے پاس بھیج دو، چنانچہ امام صاحب کو بغداد لے جایا گیا، جہاں پندرہ دن تک وہ زندہ رہے، پھر ان کو زہر دیا گیا اور انتقال کر گئے۔

داغ فراق صحبت شب کی جلی ہوئی
اک شمع رہ گئی تھی سو وہ بھی خموش ہے

ابراہیم بن عبداللہ نے اپنے بھائی محمد النفس الزکیہ کے قتل کے بعد بصرہ خروج کر کے اپنی دعوت دی، ابو جعفر منصور نے اپنے چچا زاد بھائی اور امیر کوفہ عیسیٰ بن موسیٰ کو لکھا اور وہ پانچ ہزار فوج لے کر آیا، کوفہ کے قریب مقام باخمریٰ میں مقابلہ ہوا، اور ابراہیم بن عبداللہ معرکہ میں کام آئے، یہ واقعہ ۱۴۵ھ کا ہے، امام صاحب ابراہیم بن عبدالالہ کے ہمنواؤں اور طرفداروں میں تھے۔ ذہبی نے لکھا ہے:

﴿وقد رُوی ان المنصور سقاہ السم فمات شھیداً رحمہ اللہ لقیامہ مع ابراھیم﴾

''بیان کیا گیا ہے کہ خلیفہ منصور نے ان کو زہر دیا تھا اور ابراہیم کا ساتھ لینے کی وجہ سے انہوں نے شہادت کی موت پائی۔''

نیز دوسرے تذکرہ نگاروں نے اس کو بیان کیا ہے۔

جس وقت امام صاحب ابو جعفر منصور کے سامنے پیش کیے گئے اس نے آپ کو عہدۂ قضاء پیش کیا اور انکار پر جیل خانہ بھیج دیا، جہاں زہر سے رجب ۱۵۰ھ میں شہادت ہوئی، میت کو پانچ سرکاری ملازم باہر لائے اور غسل دیا گیا، جنازہ میں پچاس ہزار سے زائد خلق اللہ شریک ہوئی، چھ بار نماز جنازہ پڑھی گئی، اور مشرقی بغداد کے مقبرۂ خیزران میں دفن کیے گئے قاضی بغداد حسن بن عمارہ نے غسل دینے کے بعد امام صاحب کی جناب میں یوں خراج تحسین پیش کیا:

﴿یرحمک اللہ، لم تفطر منذ ثلاثین سنۃً ولم تتوسد یمینک باللیل منذ اربعین، کنت افقھنا واعبدنا وازھدنا، واجمعنا لخصال الخیر، وقبرت اذقبرت الی

خیر وسنة، واتبعت من بعدک وفضحت القراء﴾

''ابوحنیفہ! اللہ آپ پر رحم کرے آپؒ نے تیس سال تک روزے رکھے، چالیس سال تک رات میں نہیں سوئے، آپ ہم میں سب سے بڑے فقیہ، سب سے عابد، سب سے بڑے زاہد اور نیک خصلتوں کے سب سے بڑے جامع تھے، سنت اور نیکی پر موت پائی، اپنے بعد لوگوں کو رنج وغم میں مبتلا کر دیا، اور علماء کا بھرم جاتا رہا۔''

جنازہ میں ہجوم کی وجہ سے چھ بار نماز جنازہ پڑھی گئی، سمعانی کا بیان ہے:

﴿وصلی علیه ست مرات من کثرة الازدحام آخرهم صلی علیه ابنه حماد﴾

''یعنی ازدحام کی کثرت کی وجہ سے آپ کی نماز جنازہ چھ بار پڑھی گئی، آخر میں آپ کے صاحبزادے حماد نے پڑھی۔''

ایک مرتبہ قاضی حسین بن عمارہ نے امام صاحب کی قبر کے پاس کھڑے ہو کر کہا کہ اللہ تعالیٰ آپ پر رحم کرے۔ آپ سلف کے خلف تھے، اور آپ نے اپنے بعد ایسے شاگرد چھوڑے ہیں جو آپ کے علم کے خلف بن سکتے ہیں مگر ورع وتقویٰ میں اللہ کی توفیق ہی سے خلف بن سکتے ہیں۔

عبداللہ بن مبارک بغداد آئے تو امام صاحب کی قبر پر جا کر کہا ابوحنیفہ آپ پر اللہ تعالیٰ رحم کرے، ابراہیم نخعی نے مرنے کے بعد اپنا جانشین چھوڑا، حماد بن ابی سلیمان نے مرنے کے بعد اپنا جانشین چھوڑا، مگر آپ نے مرنے کے بعد روئے زمین پر اپنا جانشین نہیں چھوڑا، یہ کہا اور پھوٹ پھوٹ کر خوب روئے[1]

باغ باقی ہے باغبان نہ رہا
اپنے پھولوں کا پاسبان نہ رہا
کارواں تو رواں رہے گا مگر
ہائے وہ میرِ کارواں نہ رہا

---

[1] ائمہ اربعہ کے دلچسپ واقعات، ص: ۶۰۔۶۳ بحوالہ سیرت ائمہ اربعہ۔

امام اہل مدینہ امام مالکؒ

(متوفی: ۱۷۹ھ)

امام مالک رحمہ اللہ تاریخ اسلام کی ان دیدہ ور شخصیات میں سے ہیں جن کے علم کا فیضان صدیوں سے جاری ہے اور علم دین سے ادنی سی واقفیت رکھنے والا مسلمان بھی آپ کی علمی قابلیت اور فقہی بصیرت کا اعتراف کئے بغیر رہ نہیں سکتا۔ آپ فقہ کے ان بڑے چار ائمہ میں سے ہیں جن کی فقہ اس وقت پوری دنیا میں رائج ہے۔ حدیث وفقہ میں آپ کی خدمات فراموش نہیں کی جاسکتیں۔ یہ خدمات اس غیر معمولی قوت حافظہ کا نتیجہ تھیں جو اللہ تعالی نے آپ کو عطا فرمایا تھا۔

امام مالک کا حیرت انگیز حافظہ:

اللہ تعالی نے اس عظیم امام کو حافظہ کی جس بے مثال قوت سے نوازا تھا اس کا حال جنابِ امام کی زبانی ملاحظہ فرمایئے:

''ایک مرتبہ عید کے دن میں اس خیال سے اپنے استاذ ابن شہاب زہری کی طرف چل پڑا کہ آج حضرت ہر طرح کی مصروفیات سے فارغ ہوں گے اور خوب استفادہ کا موقع میسر آئے گا، چنانچہ میں عید گاہ سے گھر بھی نہ گیا اور سیدھا حضرت کی خدمت میں حاضر ہوگیا۔ دروازہ پر دستک دی، ملازمہ باہر آئی اور شیخ کو جاکر بتایا کہ آپ کا سرخ وسفید شاگرد مالک آیا ہے!!! میں ان کی اجازت سے اندر گیا...... حضرت نے مجھے دیکھتے ہی فرمایا ''میرا خیال ہے کہ تم اپنے گھر نہیں گئے اور عید گاہ سے سیدھا ادھر آگئے ہو، کھانا کھالو'' میں نے گذارش کی ''مجھے کھانے کی حاجت نہیں ہے، آپ حدیث بیان فرمادیجئے'' چنانچہ انہوں نے اسی وقت سترہ احادیث بیان کیں اور فرمایا ''اس سے تم کو کیا فائدہ ہوگا کہ میں حدیث بیان کروں اور تم یاد

نہ کرو؟" میں نے عرض کیا" آپ کہیں تو ابھی ان سب احادیث کو سنا دوں" اور پھر میں نے ان تمام احادیث کو زبانی سنا دیا"۔

بعض روایات میں یوں بھی آیا ہے:

"میں نے انہیں اپنی تختیاں دکھائیں تو ابن شہاب نے مزید چالیس احادیث لکھوا دیں، پھر فرمایا" اگر تم ان کو یاد کر لو تو ان کے حافظ ہو جاؤ گے" میں نے کہا" ان کو ابھی زبانی سنا سکتا ہوں" استاذ نے مجھے سنانے کا حکم دیا تو میں تمام کی تمام احادیث زبانی سنا دیں۔ میرے اس حافظہ کو دیکھ کر حضرت استاذ نے فرمایا:

"قم فانت من اوعیة العلم اوقال انک لنعم المستودع للعلم"

"اٹھو! تم علم کا خزانہ ہو، یا یہ کہا کہ تم علم کے لیے بہترین خزانہ ہو"[۱]

امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ ابن شہاب زہریؒ ہمارے ہاں تشریف لائے، ہم اپنے استاد ربیعہ کے ساتھ امام زہریؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انہوں نے ہمیں چالیس سے زیادہ احادیث سے روشناس کرایا۔

اگلے دن پھر ہم ان کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے فرمایا: "تم اپنی کاپیاں دیکھ لو! میں ابھی تمہیں مزید احادیث لکھواتا ہو۔"

میرے استاد ربیعہ بولے" یہاں ایک ایسا آدمی بھی موجود ہے جو آپ کی بیان کردہ احادیث کو زبانی سنا سکتا ہے۔"

امام زہری نے پوچھا" وہ کون ہے؟۔"

ربیعہ بولے" وہ ابن ابی عامر (امام مالکؒ) ہے۔"

امام زہری نے انہیں احادیث سنانے کا حکم دیا تو امام مالکؒ نے وہ ساری کی ساری چالیس احادیث زبانی سنا دی۔ امام مالکؒ کے اس حافظہ کو دیکھ کر امام زہریؒ نے کہا:

﴿ما کنت اری انه بقی من یحفظ هذا غیری﴾

---

[۱] ترتیب المدارک (۱/۱۴۳)، سیرت ائمہ اربعہ، ص: ۱۰۵

''میرا تو یہ خیال تھا کہ ان کو یاد کرنے والا میرے سوا کوئی باقی نہیں رہا''۔[1]

امام مالکؒ، مشاہیر اہل علم کی نظر میں:

امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں ''میں نے امام مالک سے زیادہ جلد صحیح جواب دینے والا نہیں دیکھا''

امام شافعیؒ فرماتے ہیں ''امام مالک آسمان علم کا وہ تابناک و درخشاں ستارہ ہیں جس کی مثال ملنا مشکل ہے۔'' آپ یہ بھی فرماتے تھے ''اگر مالک اور سفیان بن عیینہ نہ ہوتے تو حجاز سے علم ختم ہو گیا ہوتا۔''

ایک مرتبہ کسی نے امام شافعیؒ سے پوچھا ''جن علماء سے آپ کی ملاقات ہوئی، کیا ان میں کوئی امام مالک جیسا بھی ہے؟'' امام شافعیؒ نے فرمایا ''جو حضرات علم و عمر میں ہم سے مقدم ہیں میں نے ان سے سنا ہے کہ ہم نے امام مالک جیسا عالم نہیں دیکھا تو میں امام مالک جیسا آدمی کہاں سے دیکھ سکتا ہوں؟!''

حماد بن سلمہ کہتے ہیں ''اگر مجھ سے کہا جائے کہ امت محمدیہ (علی صاحبہا الف الف تحیۃ) کے لیے ایسے عالم کا انتخاب کر دوں جس سے وہ استفادہ کرے تو میں امام مالکؒ ہی کو اس منصب پر فائز کروں گا۔''

امام احمد بن حنبلؒ کا قول ہے ''مالک حدیث میں اثبت الناس تھے، جس شخص نے مالکؒ سے روایت کی۔ بالخصوص اہل مدینہ، اس کے بارے میں جرح و تعدیل کا سوال مت کرو۔''

امام ذہبیؒ فرماتے ہیں ''امام مالک میں چند ایسی صفات ہیں جو کسی دوسرے میں نہیں پائی جاتیں:

۱۔ طول عمر اور علو روایت

۲۔ ذہن کی تیزی اور علم کی وسعت

۳۔ ان کے حجت اور صحیح الروایت ہونے پر ائمہ کا اتفاق

۴۔ ان کی دینداری، عدالت اور اتباع سنت پر اہل علم کا اتفاق

۵۔ فقہ و فتویٰ اور ان کے اصول کی صحت[2]

---

[1] سیر اعلام النبلاء (۸/۷۳) [2] ائمہ اربعہ کے دلچسپ واقعات، ص: ۱۵۰۔۱۵۱

قلندر ہرچہ گوید دیدہ گوید:

امام اعظم ابو حنیفہؒ عمر میں امام مالکؒ سے تیرہ سال بڑے تھے، آپ نے امام مالکؒ کو بچپن میں دیکھا تھا۔ ایک مرتبہ امام ابو حنیفہؒ سے لوگوں نے پوچھا ''مدینہ کے نوخیز لڑکوں کو آپ نے کیسا پایا؟'' فرمایا:

''اگر ان میں سے کوئی بلند مقام حاصل کرے گا تو وہ مالک ہے۔''

﴿ان نجب منهم فالا شقر الازرق يعني مالكا﴾

''اگر ان میں کوئی نجیب ہوگا تو سرخی مائل گورا یعنی مالک۔''

ایک روایت میں ہے، امام ابو حنیفہؒ نے فرمایا:

''میں نے مدینہ میں علم کو بکھرا ہوا دیکھا ہے اگر کوئی اس کو جمع کرے گا تو یہی لڑکا۔''

ابن غان کہتے ہیں کہ بعد میں میں نے امام ابو حنیفہؒ کی یہ بات امام مالکؒ کو سنائی تو انہوں نے کہا ''ابو حنیفہؒ نے سچ کہا، میں نے انہیں دیکھا ہے وہ بڑی سمجھ بوجھ کے حامل شخص تھے۔''[1]

---

[1] سیرت ائمہ اربعہ: ص ۱۰۱

مدون فقہ حنفی امام محمد بن حسنؒ

(متوفی: ۱۸۷ھ)

امام محمد رحمہ اللہ کے زمانہ میں کوفہ علم حدیث، فقہ اور لغت کا گہوارہ بن چکا تھا، حضرات صحابہ کرام کا وہاں قیام اور حضرت علی کو کوفہ کو دارالخلافہ بنانا، مزید اس کی علمی چمک دمک میں اضافہ کر رہا تھا، امام محمد قرآن سیکھنے اور کچھ حصے حفظ کرنے کے بعد وہاں کی ادبی مجلسوں اور حلقہ ہائے درس میں شامل ہونے لگے۔

کسی کی بزم نے دنیائے دل بدل ڈالی:

جب ۱۴ سال کی عمر کو پہنچے تو امام ابوحنیفہؒ کے پاس گئے، انہوں نے امام صاحب سے پوچھا ''آپ ایسے نابالغ لڑکے کے بارے میں کیا فرماتے ہیں جسے عشاء کی نماز پڑھنے کے بعد رات کو احتلام ہو جائے؟ کیا عشاء کی نماز لوٹائے گا؟'' امام صاحب نے فرمایا ''جی ہاں!'' امام محمدؒ نے مسجد کے ایک کونے میں جا کر عشاء کی نماز لوٹا دی، امام صاحب نے یہ دیکھ کر فرمایا:

''ان هذا الصبي يفلح ان شاء الله''

''اگر اللہ نے چاہا تو یہ بچہ ضرور فلاح پائے گا''

اس واقعہ کے بعد اللہ تعالیٰ نے فقہ کی محبت آپ کے دل میں ڈال دی چنانچہ آپ حصول فقہ کے لئے امام ابوحنیفہ کی مجلس میں پہنچ گئے، امام صاحب نے فرمایا ''پہلے قرآن کریم حفظ کرلو، پھر سبق میں آجانا''۔

کسی کی بزم نے دنیائے دل بدل ڈالی
خودی کے ساتھ گیا بے خودی کے ساتھ آیا

سات دن میں حفظ قرآن:

سات دن بعد امام محمد نے واپس آکر عرض کیا ''میں نے حفظ قرآن مکمل کرلیا ہے'' پھر امام صاحب سے کسی مسئلہ کے بارے میں پوچھا، امام صاحب نے پوچھا ''یہ سوال کسی سے سنا

ہے یا خود تمہارے ذہن میں پیدا ہوا؟'' عرض کیا ''کسی سے نہیں سنا، بلکہ میرے ذہن میں پیدا ہوا ہے'' امام صاحب نے فرمایا ''یہ تو بڑے لوگوں کا سوال ہے، آپ پابندی کے ساتھ درس فقہ میں شریک ہوا کریں'' اسکے بعد امام محمد چار سال متواتر امام صاحب کے درس میں شریک ہوتے رہے اور مجلس فقہ کے تمام مسائل کے جوابات لکھ کر اسے مرتب کرتے رہے[۱]

فقہ حنفی کی جو خدمت امام محمدؒ کے حصہ میں آئی، امام ابوحنیفہؒ کا کوئی دوسرا شاگرد اس میں ان کی برابری نہ کر سکا۔ جن کتب فقہ کو حنفی مسلک کا مرجع و ماخذ ہونے کی حیثیت حاصل ہے وہ تمام کی تمام امام محمدؒ کی ترتیب کردہ ہیں۔

---

۱ بلوغ الامانی، ص: ۵۔۱۱

امام ابوداؤد طیالسی رحمہ اللہ

(متوفی: ۲۰۴ھ)

آپ کا پورا نام ''سلیمان بن داؤد بن الجارود طیالسی'' ہے، آپ اصل میں فارس کے رہنے والے ہیں اور آخر میں بصرہ کی سکونت اختیار کر لی تھی۔ آپ احادیث طویلہ کو خوب محفوظ رکھتے تھے اور اپنے زمانہ میں اسی کمال کے ساتھ مشہور و معروف تھے۔

حافظ ابن حجر نے تہذیب التہذیب میں ان کا یہ دعویٰ نقل کیا ہے:

أسرّد ثلاثين الف حديث ولا فخر.

''میں تیس ہزار حدیثیں فر فر سناتا ہوں اور یہ کوئی فخر کی بات نہیں ہے''۔[1]

امام ابوداؤد طیالسی نے ایک ہزار سے زیادہ شیوخ سے علم حدیث حاصل کیا، اسی سال کی عمر پا کر ۲۰۴ھ میں وفات پائی۔[2]

---

۱ تدوین حدیث، ص: ۱۵۲ ۲ قرۃ العیون فی تذکرۃ الفنون، ص: ۵۸

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ

(متوفی: ۲۰۴ھ)

فقہ کے ایک اہم ستون امام شافعی کا شمار تاریخ اسلام کی ان نامور ہستیوں میں ہوتا ہے جن کی خدمات رہتی دنیا تک فراموش نہیں کی جاسکتیں۔ علم فقہ ولغت ادب کے میدان میں آپ کی شخصیت کسی تعارف کی محتاج نہیں ہے۔

انساب عرب کے حافظ:

ابن ہشام کا قول ہے کہ شافعی لغت کے معاملہ میں حجت ہیں۔ ایک مرتبہ مصر میں ابن ہشام اور شافعی کے مابین مردوں کے انساب پر مذاکرہ ہوا، امام شافعی نے تھوڑی دیر کے بعد کہا کہ اس موضوع کو چھوڑ و ہم کو سب معلوم ہے، عورتوں کے نسب کے بارے میں ہم سے بات کرو جب اس موضوع پر گفتگو ہوئی تو ابن ہشام خاموش ہو گئے اور بولے میں نہیں جانتا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ایسا عالم پیدا کیا ہے[1]

امام شافعیؒ کی قوت حافظہ کے مختلف مظاہر:

امام شافعی کے علمی سفر کا کچھ حال بھی ملاحظہ فرمالیجئے جس میں مؤطا امام مالک کے انتہائی کم مدت میں حفظ اور امام شافعی کی قوت حافظہ کے مختلف مظاہر سامنے آتے ہیں:

> آٹھویں دن نماز عصر کے بعد مدینے میں ہمارا داخلہ ہوا۔ رسول اللہ ﷺ کی مسجد میں نماز پڑھی، پھر قبر شریف کے قریب حاضر ہوا اور نبی ﷺ کو سلام کیا۔ یہیں امام مالک دکھائی دیئے۔ ایک چادر کی تہ بند باندھے تھے دوسری چادر اوڑھے تھے اور بلند آواز سے حدیث روایت کررہے تھے "مجھ سے نافع نے ابن عمر کے واسطے سے اس قبر کے مکین سے روایت کیا ہے........." یہ کہہ کر انہوں نے زور سے اپنا ہاتھ پھیلا دیا اور قبر شریف کی طرف اشارہ کیا۔

---

[1] ترتیب المدارک (۱/۳۸۸)

یہ نظارہ دیکھ کر امام مالک بن انس کی ہیبت مجھ پر چھا گئی اور جہاں جگہ ملی، میں وہیں بیٹھ گیا۔ امام مالک حدیث روایت کرنے لگے۔ میں نے جلدی سے زمین پر پڑا ہوا ایک تنکا اٹھا لیا مالک جب کوئی حدیث سناتے تو میں اسی تنکے کو اپنے لعاب دہن سے تر کر کے اپنی ہتھیلی پر لکھ لیتا۔ امام مالک میری یہ حرکت دیکھ رہے مگر مجھے خبر نہ تھی۔ آخر مجلس ختم ہوگئی اور امام مالک دیکھنے لگے کہ سب کی طرح میں بھی اٹھ جاتا ہوں یا نہیں میں بیٹھا ہی رہا تو امام مالک نے اشارے سے مجھے بلایا میں قریب پہنچا تو کچھ دیر بڑے غور سے مجھے دیکھتے رہے پھر فرمایا ''تم حرم کے رہنے والے ہو؟ میں نے عرض کیا جی ہاں حرم ہی کا باشندہ ہوں'' پوچھا ''مکی ہو'' میں نے کہا جی ہاں کہنے لگے ''قریشی ہو؟'' میں نے کہا جی ہاں۔ فرمانے لگے سب اوصاف پورے ہیں مگر تم میں ایک بے ادبی بھی ہے میں نے عرض کیا آپ نے میری کون سی بے ادبی دیکھی ہے؟ کہنے لگے ''میں رسول ﷺ کے کلمات طیبات سنا رہا تھا اور تم تنکا لیے اپنے ہاتھ پر کھیل کر رہے تھے'' میں نے جواب دیا، کاغذ پاس نہیں تھا اس لیے آپ سے جو کچھ سنتا تھا، اسے لکھتا جاتا تھا۔ اس پر امام نے میرا ہاتھ کھینچ کر دیکھا اور فرمایا ہاتھ پر تو کچھ بھی لکھا نہیں ہے، میں نے عرض کیا ہاتھ پر لعاب باقی نہیں رہتا لیکن آپ نے جتنی حدیثیں سنائی ہیں، مجھے سب یاد ہو چکی ہیں امام مالک کو تعجب ہوا کہنے لگے سب نہیں ایک ہی حدیث سنا دو۔'' میں نے فوراً کہا ہم سے مالک نے نافع اور ابن عمر کے واسطے سے اس قبر کے مکین سے روایت کیا ہے'' اور مالک ہی کی طرح میں نے بھی ہاتھ پھیلا کر قبر شریف کی طرف اشارہ کیا۔ پھر وہ پوری پچیس حدیثیں سنا دیں جو انہوں نے اپنے بیٹھنے کے وقت سے مجلس کے

خاتمے تک سنائی تھیں۔

اب سورج ڈوب چکا تھا۔ امام مالک نے نماز پڑھی پھر میری طرف اشارہ کر کے غلام سے کہا ''اپنے آقا کا ہاتھ تھام'' اور مجھ سے فرمایا ''اٹھو، غلام کے ساتھ میرے گھر جاؤ'' میں نے ذرا انکار نہ کیا اور اٹھ کھڑا ہوا۔ امام مالک جو مہربانی مجھ سے کرنا چاہتے تھے میں نے بخوشی قبول کر لی۔ جب گھر پہنچا تو غلام ایک کمرے میں مجھے لے گیا اور کہنے لگا گھر میں قبلے کا رخ یہ ہے پانی کا لوٹا بھی رکھا ہے اور بیت الخلا ادھر ہے۔

تھوڑی دیر بعد خود امام مالک آ گئے۔ غلام بھی ساتھ تھا۔ اس کے ہاتھ پر ایک خوان تھا۔ مالک نے خوان لے کر فرش پر رکھ دیا۔ پھر مجھے سلام کیا اور غلام سے کہا ہاتھ دھلا۔ غلام برتن لیے میری طرف بڑھا، مگر مالک نے ٹوکا ''جانتا نہیں، کھانے سے پہلے میزبان کو ہاتھ دھونا چاہیے اور کھانے کے بعد مہمان کو'' مجھے یہ بات پسند آئی اور اس کی وجہ دریافت کی امام مالک نے جواب دیا ''میزبان کھانے پر مہمان کو بلاتا ہے، اس لیے پہلے ہاتھ بھی میزبان ہی کو دھونا چاہیے، اور کھانے کے بعد آخر میں اس لیے ہاتھ دھوتا ہے کہ شاید اور کوئی مہمان آ جائے، تو کھانے میں میزبان اس کا بھی ساتھ دے سکے۔''

اب امام مالک نے خوان کھولا اس میں دو برتن تھے ایک میں دودھ تھا اور دوسرے میں کھجوریں۔ مالک نے بسم اللہ کہی۔ میں نے بھی بسم اللہ کہی اور ہم نے کھانا ٹھکانے لگا دیا، مگر مالک بھی جانتے تھے کہ کھانا کافی نہیں ہے کہنے لگے ''ابوعبداللہ ایک مفلس قلاش فقیر، دوسرے فقیر کے لیے جو کچھ پیش کر سکتا تھا یہی تھا'' میں نے عرض کیا ''وہ معذرت کیوں کرے، جس نے احسان کیا ہے؟ معذرت کی تو

قصوروار کو ضرورت ہوتی ہے۔''

کھانے کے بعد امام مالک مکہ والوں کے حالات پوچھتے رہے اور جب رات زیادہ ہوگئی تو اٹھ کھڑے ہوئے اور فرمایا ''مسافر کو لیٹ کر تھکن کم کرنا چاہیے اب تم آرام کرو۔'' میں تھکا ہوا تو تھا ہی لیٹے ہی بے خبر سو گیا۔ پچھلے پہر کو کوٹھری پر دستک پڑی اور آواز آئی خدا کی رحمت ہو تم پر نماز'' میں اٹھ بیٹھا۔ کیا دیکھتا ہوں، خود امام مالک ہاتھ میں لوٹا لیے کھڑے ہیں، مجھے بڑی شرمندگی ہوئی، مگر وہ کہنے لگے ''ابو عبداللہ کچھ خیال نہ کرو۔ مہمان کی خدمت فرض ہے۔''

میں نماز کے لیے تیار ہو گیا اور رسول اللہ ﷺ کی مسجد میں امام مالک کے ساتھ فجر کی نماز ادا کی۔ اندھیرا بہت تھا۔ کوئی کسی کو پہچان نہیں سکتا تھا۔ سب اپنی اپنی جگہ بیٹھ کے تسبیح و ذکر الٰہی میں مشغول ہو گئے، یہاں تک کہ پہاڑیوں پر دھوپ نمودار ہوگئی۔ امام مالک جس جگہ کل بیٹھے تھے اسی جگہ آج بھی جا بیٹھے اور اپنی کتاب موطا میرے ہاتھ میں دے دی۔ میں نے کتاب سنانا شروع کی اور لوگ لکھنے لگے۔

موطا امام مالک کا حفظ:

میں مالکؒ کے گھر آٹھ مہینے رہا۔ پوری موطا مجھے حفظ ہوگئی۔ مجھ میں اور امام مالک میں اس قدر محبت اور بے تکلفی ہوگئی تھی کہ ان جان دیکھ کر کہہ نہیں سکتا تھا مہمان کون ہے اور میزبان کون۔

حج کے بعد زیارت کرنے اور موطا سننے کے لیے مصر کے لوگ مدینے آئے اور امام مالک کی خدمت میں پہنچے میں نے مصریوں کو پوری موطا زبانی ہی سنادی۔''

صاحبین سے ملاقات اور حافظہ کا کمال:

اس علمی سفر کے دوران امام شافعیؒ امام ابو یوسف اور امام محمدؒ کے پاس بھی گئے ان سے ملاقات کا حال بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''اتفاق سے مسجد کے دروازے ہی پر لڑکے کو محمد بن حسن اور ابو یوسف مل گئے۔ لڑکا ان سے کہنے لگا'' آپ حضرات نے میری نماز میں کبھی کوئی خرابی دیکھی ہے؟'' انہوں نے جواب دیا'' خدایا کبھی نہیں'' لڑکا کہنے لگا'' مگر ہماری مسجد میں ایک ایسا شخص بیٹھا ہے جس نے میری نماز پر اعتراض کیا ہے'' دونوں اماموں نے کہا'' تم اس شخص کے پاس جاؤ اور سوال کرو کہ نماز میں کس طرح داخل ہوتے ہو؟'' لڑکا لوٹ آیا اور مجھ سے کہنے لگا ''اے وہ جس نے میری نماز پر حرف گیری کی ہے ذرا یہ تو بتاؤ کہ تو نماز میں کس طرح داخل ہوتا ہے؟'' میں نے جواب دیا'' دو فرض اور ایک سنت کے ساتھ نماز میں داخل ہوتا ہوں'' لڑکا یہ سن کر چلا گیا اور محمد بن حسن اور ابو یوسف کو میرا جواب پہنچا دیا۔ اس پر وہ سمجھ گئے کہ جواب ایسے آدمی کا ہے جس کی علم پر نظر ہے، مگر انہوں نے کہا'' پھر جا کے پوچھو وہ دونوں فرض کون ہیں اور سنت کیا ہے؟'' لڑکے نے آ کر مجھ سے یہ سوال کیا میں نے جواب دیا'' پہلا فرض نیت ہے دوسرا فرض تکبیرۂ احرام ہے اور سنت دونوں ہاتھوں کا اٹھانا ہے، لڑکے نے میرا یہ جواب بھی دونوں صاحبوں کو سنا دیا۔

اب وہ مسجد میں داخل ہوئے مجھے غور سے دیکھا اور میرا خیال ہے کہ حقیر ہی سمجھا وہ ایک طرف بیٹھ گئے اور لڑکے سے کہا'' جاؤ اور اس شخص سے کہو کہ مشائخ کے روبرو آئے'' پیغام سن کر میں سمجھ گیا کہ علمی مسائل میں میرا امتحان لیں گے میں نے لڑکے کو جواب دیا'' لوگ علم

کے پاس آتے ہیں اور علم کسی کے پاس نہیں جاتا پھر یہ بھی معلوم نہیں کہ تمہارے مشائخ سے ملنے کی مجھے ضرورت ہی کیا ہے۔''

میرا یہ جواب پاتے ہی محمد بن حسن اور ابو یوسف اٹھ کھڑے ہوئے اور میری طرف بڑھے جب انہوں نے مجھے سلام کیا تو میں بھی کھڑا ہو گیا اور بشاشت ظاہر کی وہ بیٹھ گے۔ میں بھی ان کے سامنے بیٹھ گیا، محمد بن حسن نے گفتگو شروع کی۔ کہنے لگے ''حرم کے رہنے والے ہو؟'' میں نے جواب دیا ''جی ہاں'' کہنے لگے ''عرب ہو یا عجم کی اولاد؟'' میں نے کہا ''عرب ہوں۔'' کہنے لگے ''کون عرب ہو؟'' میں نے جواب دیا ''مطلب کی اولاد سے ہوں۔'' کہنے لگے ''مطلب کی کس اولاد سے؟'' میں نے نافع کا نام لیا، تو کہنے لگے ''امام مالک کو تم نے دیکھا ہے؟'' میں نے کہا جی ہاں امام مالک کے پاس سے آرہا ہوں کہنے لگے ''موطا بھی دیکھی ہے؟'' میں نے کہا موطا کو حفظ بھی کر چکا ہوں!

محمد بن حسن کو یہ بات بڑی معلوم ہوئی یقین نہ آیا۔ اسی وقت لکھنے کا سامان طلب کیا اور ابواب فقہ کا ایک مسئلہ لکھا ہر دو مسئلوں کے درمیان کافی جگہ خالی رکھی اور کاغذ میری طرف بڑھاتے ہوئے کہا ''ان مسائل کا جواب مؤطا سے لکھ دو'' میں نے کتاب اللہ، سنت رسول اللہ اور اجماع کے مطابق سب مسئلوں کے جواب لکھے اور کاغذ محمد بن حسن کے سامنے رکھ دیا۔ انہوں نے بغور میری تحریر پڑھی پھر مڑ کر غلام کو حکم دیا ''اپنے آقا کو گھر لے جا۔''[1]

---

[1] دیکھئے، امام شافعی کا علمی سفرنامہ العلم والعلماء، ص: ۲۶۴۔۲۷۹

نسیان سے حفاظت کا نسخہ:

ایک دن آپ نے اپنے استاذ وکیع بن الجراح سے اپنے حافظہ کی کمزوری کی شکایت کی تو انہوں نے گناہوں سے دور رہنے کا مشورہ دیا، چنانچہ آپ نے اس واقعہ کو مندرجہ ذیل اشعار کی صورت میں بیان کیا ہے:

شکوت الی وکیع سوء حفظی
فارشدنی الی ترک المعاصی
و اخبرنی بان العلم نور
و نور اللہ لا یھدی لعاص

''میں نے اپنے استاذ وکیع سے حافظہ کی کمزوری کی شکایت کی تو انہوں نے مجھے گناہ چھوڑ دینے کا حکم دیا اور مجھے بتایا کہ علم ایک نور ہے اور اللہ کا نور کسی نافرمان اور گناہوں کے رسیا کو نہیں دیا جاتا''

قوت حافظہ کے لئے لوبان کا استعمال:

امام شافعیؒ سے تواتر کے ساتھ ثابت ہے کہ آپ حافظہ کی مضبوطی کے لئے لوبان استعمال فرمایا کرتے تھے، لوبان کا چبانا حافظہ کو تیز کرتا ہے اور سرعت حفظ کا سبب بنتا ہے۔

ہشام بن محمد السائب کلبی رحمہ اللہ

(متوفی: ۲۰۴ھ)

ابوالمنذر ہشام بن محمد الکلبیؒ اپنے زمانہ میں علم الانساب کے سب سے بڑے عالم شمار کئے گئے ہیں، تاریخ میں ان کی ثقاہت محتاج بیان نہیں۔ علم انساب اور تاریخ میں ان کی بے بہا تصانیف کا تذکرہ ملتا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ مقام بے مثال قوت حافظہ کے بغیر ملنا ممکن نہ تھا۔

ابن خلکان نے خطیب بغدادی کے حوالہ سے ان کے بارے میں ایک انوکھا واقعہ نقل کیا ہے، جو یقیناً قارئین کے لئے حیرانگی اور تنشیط کا باعث ہوگا:

> ''ایک مرتبہ امام کلبیؒ بغداد تشریف لائے اور حدیث بیان کی، اس سفر میں انہوں نے بتایا کہ میں نے ایسا حفظ کیا کہ کسی کو بھی حاصل نہ ہوا اور میں ایسا بھولا کہ کوئی بھی ایسا نہ بھولا ہوگا، ہوا یوں کہ میرے ایک چچا مجھے حافظ قرآن نہ ہونے پر عتاب کیا کرتے تھے، آخر ایک مرتبہ میں تنگ آکر کمرے میں چلا گیا اور قسم کھائی کہ حفظ کئے بغیر یہاں سے باہر نہ نکلوں گا، چنانچہ میں نے تین دن میں پورا قرآن مجید حفظ کرلیا۔ میری بھول کا واقعہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ میں نے آئینہ میں دیکھا اور اپنی داڑھی کو پکڑا کہ ایک بالشت سے زیادہ کاٹ دوں لیکن میں نے غلطی سے ایک بالشت داڑھی کاٹ ڈالی''۔[1]

---

[1] وفیات الاعیان لابن خلکان (۱۳۱/۵)

امام اصمعیؒ

(متوفی:۲۱۶ھ)

اصمعی عربی لغت کے شہرہ آفاق امام ہیں، آپ کا سلسلہ نسب یہ ہے:

''عبدالملک بن قریب بن عبدالملک بن علی بن اصمع''

چوتھی پشت میں آپ کے دادا کا نام اصمع ہے ان ہی کی طرف نسبت کر کے انہیں اصمعی کہتے ہیں، بصرہ میں ۱۲۲ھ میں پیدا ہوئے، ۲۱۶ھ میں بصرہ ہی میں وفات پائی۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کو غضب کا حافظہ عطا کیا گیا تھا، لغت کے سولہ ہزار دفتر ان کو حفظ تھے۔

پچاس درخواستیں، آن واحد میں محفوظ:

اصمعی کے حافظہ کا اندازہ آپ اس واقعہ سے لگا سکتے ہیں جو علامہ ابن خلکان نے وفیات الاعیان میں لکھا ہے کہ ایک مرتبہ امیر حسن ابن سہیل نے ادیبوں کو جمع کیا جن میں اصمعی، ابوعبیدہ اور نصر بن علی وغیرہ شامل تھے۔ ادیبوں کے ساتھ گفتگو شروع کرنے سے قبل امیر نے مختلف ضروریات کے لئے دی گئی پچاس درخواستوں پر اپنی صوابدید کے مطابق احکامات لکھ کر جاری کئے۔

اس کے بعد ادیبوں سے گفتگو شروع کی، محدثین کا تذکرہ چلا تو ابوعبیدہ، اصمعی پر تعریض کرتے ہوئے کہنے لگے کہ ''جناب! اس مجلس میں بھی موجود کچھ لوگ اسلاف جیسے حافظہ کا دعویٰ کر کے کہتے ہیں کہ ایک بار کوئی کتاب پڑھنے کے بعد دوبارہ اس کے دیکھنے کی انہیں ضرورت ہی نہیں پڑتی اور کوئی بات ایک مرتبہ ان کے ذہن میں داخل ہو جائے تو پھر کبھی نہیں نکلتی''۔

اصمعی نے کہا ''جناب! ابوعبیدہ مجھ پر تعریض کر رہے ہیں لیکن واقعہ وہی ہے جیسا انہوں نے بیان کیا، ابھی آپ نے پچاس درخواستوں پر مختلف احکامات لکھے ہیں، قریب ہونے کی وجہ سے میں دیکھ رہا تھی اگر آپ چاہیں تو وہ تمام درخواستیں منگوالیں، ہر درخواست

پر جو کچھ لکھا ہوگا، میں تمام زبانی سنائے دیتا ہوں"۔

چنانچہ اصمعی نے وہ تمام درخواستیں اور امیر کی طرف سے ان پر لکھے گئے احکامات سنانا شروع کئے، جب چالیس سے کچھ اوپر پہنچے تو نصر بن علی نے اصمعی کو منع کیا کہ "کہیں نظر بد لگ جائے گی" تب اصمعی رک گئے۔[1]

گھوڑے کے اعضاء کا ذکر:

علامہ سیوطی نے بغیۃ الوعاۃ میں ان کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ایک مرتبہ اصمعی اور امام ابوعبیدہ، فضل بن الربیع کے پاس گئے، فضل نے اصمعی سے پوچھا "گھوڑے کے متعلق آپ نے کچھ لکھا ہے؟"

اصمعی نے کہا "ایک کتاب لکھی ہے"

پھر ابوعبیدہ سے پوچھا، اس نے کہا "میں نے پچاس جلدیں لکھی ہیں"

فضل نے ابوعبیدہ سے کہا "تم نے پچاس جلدیں گھوڑے کے متعلق لکھی ہیں، سامنے گھوڑا کھڑا ہے سر سے لے کر پاؤں تک اس گھوڑے کے ایک ایک عضو کا نام تو ذرا بتادو!!"

ابوعبیدہ نے کہا "یہ میرے بس کی بات نہیں، میں نے تو اہل عرب سے جیسے سنا محفوظ کرلیا"

فضل نے اصمعی سے کہا "آپ بتادیں!!!"

اصمعی اٹھے اور گھوڑے کی پیشانی سے لے کر پاؤں تک ایک ایک عضو کا نہ صرف یہ کہ نام بتاتے رہے بلکہ ساتھ ساتھ اس کے متعلق کہے گئے اشعار بھی سناتے رہے، فضل بن ربیع نے وہ گھوڑا انعام میں اصمعی کو دے دیا۔[2]

لکھا ہے کہ ابوعبیدہ کو چھیڑنے کے لئے اصمعی ان کے پاس اسی گھوڑے پر سوار ہوکر جاتے تھے۔

مشہور جرمن مستشرق ولیم اہلورد نے اصمعی کے مخصوص قصائد پر مشتمل "اصمعیات" کے نام سے کتاب لکھی ہے جو طبع ہوچکی ہے، عبدالجبار جومرد نے بھی "الاصمعی حیاتہ وآثارہ" کے نام سے امام اصمعی پر ایک کتاب لکھی ہے۔[3]

---

[1] (وفیات الاعیان، ۳/۱۷۳)
[2] بغیۃ الوعاۃ (۲/۱۱۳)
[3] درس مقامات از ابن الحسن عباسی، ص: ۲۵۴

ابن راہویہؒ

(متوفی: ۲۳۸ھ)

امام بخاری رحمہ اللہ کے استاذ ابن راہویہ کے تذکرے میں حفظ اور یادداشت ہی کے سلسلے میں ذکر کیا گیا ہے کہ مشہور خراسانی امیر عبداللہ بن طاہر کے دربار میں ابنِ راہویہ کی ایک دوسرے عالم سے بعض مسائل پر گفتگو ہو رہی تھی، کسی کتاب کی عبارت کے متعلق دونوں میں اختلاف پیدا ہوا، اس پر ابن راہویہ نے امیر عبداللہ سے کہا کہ اپنے کتب خانے سے فلاں کتاب منگوایئے، کتاب منگوائی گئی، ابنِ عساکر نے تاریخ دمشق میں اس کے بعد لکھا ہے کہ امیر عبداللہ کو خطاب کر کے ابن راہویہ نے کہا:

﴿عُدْ من الْكِتابِ اِحْدىٰ عَشَرَةَ وَرَقَةً ثُمَّ عُدْ سَبْعَةَ اَسْطُرٍ﴾

''کتاب کے گیارہ ورق شمار کر کے پلٹیے اور گنیئے، ساتویں سطر میں وہی ملے گا جو میں کہہ رہا ہوں''۔

ابن راہویہ کے حافظہ پر امیر عبداللہ کی حیرت:

دیکھا گیا جو کچھ ابن راہویہ کہہ رہے تھے وہی بات کتاب میں نکلی۔ کہتے ہیں کہ امیر عبداللہ نے ابن راہویہ کو خطاب کر کے کہا:

﴿علمت انک قد تحفظ المسائل و لکنی اعجب لِحِفْظِكَ هٰذِهِ الْمُشَاهَدَة﴾

''یہ چیز تو مجھے معلوم ہی تھی کہ مسائل آپ کو خوب یاد ہیں لیکن تمہاری قوت یادداشت اور حفظ کے اس مشاہدے نے مجھے حیرت میں ڈال دیا''۔[1]

حفظ حدیث کا یہ حال تھا کہ خود فرمایا کرتے تھے:

''ایک لاکھ احادیث میں نے جمع کی ہیں اور تیس ہزار مجھے ازبر یاد ہیں''

آپ کے ایک شاگرد خفافؒ فرماتے ہیں:

---

[1] تدوین حدیث، ص: ۱۴۶

''اسحاق نے گیارہ ہزار احادیث اپنی یادداشت سے لکھوائیں اور پھر ان کو نمبر وار سنایا نہ کوئی حرف کم ہوا نہ زیادہ''۔[1]

ستر ہزار احادیث، نوک زبان پر:

ایک مرتبہ ابن شبرمہ نے اسحاق بن راہویہؒ کے سامنے امام شعبیؒ کا یہ قول نقل کیا:

﴿ما کتبت سوداء فی بیضاء الی یومی ھذا ولا حدثنی رجل بحدیث قط الا حفظته﴾

''میں آج تک جو حدیث بھی لکھی اور مجھ سے آج تک جس نے بھی کوئی حدیث بیان کی میں نے اسے حفظ کرلیا ہے''

یہ سن کر اسحاق بن راہویہ نے کہا ''کیا تم اس پر تعجب کر رہے ہو؟'' ابن شبرمہ نے ہاں میں جواب دیا تو اسحاق بن راہویہ نے فرمایا:

﴿لا اسمع شیئا الا حفظته و کانی انظر الی سبعین الف حدیث او قال اکثر من سبعین الف حدیث فی کتبی﴾

''میں نے آج تک کوئی ایسی بات نہیں سنی جو مجھے یاد نہ ہو، مجھے یوں محسوس ہوتا ہے جیسے میں ستر ہزار سے زائد احادیث کو اپنی کتاب میں یاد کر رہا ہوں یعنی یہ احادیث مجھے اس طرح یاد ہیں جس طرح دیکھ کر پڑھی جاتی ہیں''۔[2]

---

[1] حکایات صحابہ، ص:۱۱۴ [2] تدریب الراوی، ص:۱۵

امام احمد بن حنبلؒ

(متوفی: ۲۴۱ھ)

اللہ تعالی نے اسلام کو جن عظیم اور دیدہ ور شخصیات سے سرفراز فرمایا ہے اگر ان کی مختصر سے مختصر فہرست بھی بنائی جائے تو امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے نام کو فراموش نہیں کیا جا سکتا، فقہ و حدیث میں آپ کا تعمق اور ان شعبوں میں آپ کی خدمات فراموش نہیں کی جا سکتیں، فقہ حنبلی کا پورے عالم میں فروغ اور مسند احمد بن حنبل کی تدوین آپ کے سنہری کارناموں میں سے ہیں۔ فتنہ خلق القرآن میں آپ کی لاثانی قربانیاں، کلمہ حق کی بلندی اور اہل باطل کے سامنے ڈٹ جانا تاریخ کی کتابوں میں آپ کو زندہ جاوید بنانے کے لئے کافی ہے۔

وہ لوگ بھی ہیں جو ساحل پر طوفاں سے سہمے بیٹھے ہیں
کچھ ایسے شناور بھی ہیں جنہیں ہر موج میں ساحل ملتا ہے

اللہ تعالی نے امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کو حافظہ بھی خوب عطا فرمایا تھا، ظاہر ہے اتنے بلند علمی مقامات اور لاکھوں احادیث کا حفظ باکمال قوت حافظہ کے بغیر ممکن نہ تھا۔

پوری پوری رات احادیث کے مذاکرے:

مشہور عالم و محدث وکیع بن جراحؒ عام طور سے رات گئے احمد بن حنبل کے یہاں آتے تھے اور دونوں حضرات حدیث کا مذاکرہ کرتے تھے، ایک رات امام وکیع آئے اور احمد بن حنبلؒ کے دروازے پر کھڑے ہو گئے۔ اندر سے امام احمدؒ بھی تشریف لے آئے اور دونوں دروازہ پر حدیث کا سماع کرنے لگے۔

وکیع نے کہا "میں آپ کے سامنے سفیان بن عیینہ کی احادیث رکھتا ہوں۔"

احمد بن حنبلؒ نے بیان کرنے کا کہا تو حضرت وکیع نے عن سفیان، عن سلمۃ بن کہیل کے سلسلہ سند کی احادیث پیش کیں، احمد بن حنبلؒ نے بتایا کہ "یہ تمام احادیث اسی طرح مجھے یاد ہیں۔"

پھر امام احمد بن حنبلؒ نے وکیع سے کہا "آپ کو سلمہ بن کہیل کی حدیثیں یاد ہیں؟۔"

دونوں حضرات رات بھر دروازے پر کھڑے کھڑے احادیث کے بارے میں بحث و مذاکرہ کرتے رہے اور صبح ہوگئی[1]

کبھی عرش پر کبھی فرش پر کبھی ان کے در کبھی دربدر
غم عاشقی تیرا شکریہ میں کہاں کہاں سے گزر گیا

امام احمد بن حنبلؒ بیان کرتے ہیں کہ میں وکیع سے سفیان کی احادیث اس طرح سنا کرتا تھا کہ جب وہ نماز کے لئے مسجد جاتے تو ان کے ساتھ ہو لیتا اور کبھی آٹھ کبھی نو کبھی دس احادیث سن لیتا، یہ احادیث مجھے فوراً یاد ہو جاتیں اور آ کر میں اپنے ساتھیوں کو املاء کروا دیتا[2]

دس لاکھ احادیث کے حافظ:

ابوزرعہ رازی کہتے ہیں کہ امام ابو احمد بن حنبل رحمہ اللہ کو دس لاکھ احادیث یاد تھیں، ان سے پوچھا گیا کہ آپ یہ بات کس بنیاد پر کہہ رہے ہیں؟'' فرمانے لگے ''میں نے ان سے احادیث کے مذاکرے کئے ہیں اور ان سے حدیث کے کئی ابواب حاصل کئے ہیں''[3]

---

[1] سیرت ائمہ اربعہ: ص ۱۵۹، بحوالہ طبقات الشافعیۃ الکبریٰ (۲/ ۲۸)

[2] محدثین کے علمی کارنامے، ص: ۳۷۸ [3] تدریب الراوی، ص: ۵۰

علم حدیث کے سرخیل محمد بن اسماعیل بخاریؒ

(متوفی:۲۵۶ھ)

''سعدت اعین رأتک وقرت
والعیون اللتی رات من رآکا''

''تیرا دیدار کرنے والی آنکھیں خوش نصیب اور ٹھنڈی ہوں اور ان
آنکھوں کو بھی یہ نعمت ملی جنہوں نے تجھے دیکھنے والوں کا دیدار کیا''

حدیث کی مستند ترین کتاب صحیح بخاری کے مرتب محمد بن اسماعیلؒ کی شخصیت حدیث کے مشہور امام ہونے کی حیثیت سے کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ آپ کی صحیح بخاری پوری دنیا میں پڑھی اور پڑھائی جارہی ہے اور اصح الکتب بعد کتاب اللہ کے لاثانی اعزاز کی حامل ہے۔

امام بخاری کے حافظے کا امتحان:

اللہ تعالیٰ نے امام بخاری کو بلا کا حافظہ عطا فرمایا تھا، ایک مرتبہ بغداد آئے، محدثین جمع ہوئے، امتحان لیا، اس طرح کہ دس آدمیوں نے دس دس حدیثیں لے کر ان کے سامنے پیش کیں، ان احادیث کے متون اور سندوں کو بدلا گیا، متن ایک حدیث کا اور سند دوسری حدیث کی لگا دی تھی، امام صاحب حدیث سنتے اور کہتے ''لا اعرفہ'' (مجھے یہ حدیث معلوم نہیں ہے) خواص امام کی مہارت جان گئے کہنے لگے، امام واقعی امام ہیں، عوام کا خیال ہوا کہ یہ کیسے امام ہیں ان کی جانب تو ہر حدیث کے بارے میں ''لا اعرفہ'' کا اعلان ہے، جب اپنی دس دس حدیثیں سنا کر سب فارغ ہو گئے تو امام پہلے شخص کی جانب یہ کہتے ہوئے متوجہ ہوئے ''تم نے پہلی حدیث یوں سنائی تھی، اور صحیح یوں ہے'' سب کے ساتھ ایسا ہی کیا پہلے ان کی مقلوب حدیث سناتے پھر تصحیح کرتے جب ایک ہی مجلس میں ان سب کی سو مقلوب حدیثیں سنائیں پھر ان کی تصحیح کی تو مجمع حیران رہ گیا، مجلس تعجب کا نشان تھی، حافظ ابن حجر نے یہ واقعہ لکھا ہے اور پھر اس پر ان الفاظ میں تبصرہ کیا:

﴿هنا يخضع للبخاری، فما العجب من رده الخطأ الی الصواب فانه کان حافظا، بل العجب من حفظه

للخطأعلى ترتيب ما القوه عليه من مرة واحدة﴾

''یہاں امام بخاری کی امامت تسلیم کرنی پڑتی ہے تعجب اس پر نہیں کہ بخاری نے غلط احادیث کی تصحیح کی ،اس لئے کہ وہ تو تھے ہی حافظ، تعجب تو اس پر ہے کہ امام نے ایک ہی دفعہ میں ان کی بیان کردہ ترتیب کے مطابق وہ تمام مقلوب احادیث یاد کرلیں''۔[1]

سو احادیث، یکبارگی سننے سے یاد:

واقعی اس واقعہ میں دوسری بات زیادہ باعث تعجب ہے لیکن امام کے حافظہ نے اس سے بھی زیادہ عجائبات دکھائے ہیں، ایک مرتبہ امام بخاری نے مشائخ بصرہ کی سولہ روزہ مجالس کی پندرہ ہزار احادیث زبانی سنائی تھیں جن میں ایک دن کی مجلس کی احادیث ۹۳۷ سے کچھ اوپر بنتی ہیں، امتحان کی اس مجلس میں تو صرف سو حدیثیں یکبار سننے سے یاد ہوئیں۔

طفل مکتب کے کارنامے:

اللہ جل شانہ نے حدیث کے میدان میں امام بخاریؒ سے جو کام لینا تھا اس کے تمام فطری اسباب ان کی ذات میں پیدا فرمادیئے تھے، احادیث میں علل کی معرفت کا میدان ہو یا صحیح وسقیم میں امتیاز کا مسئلہ، ہزاروں راویوں کے احوال پر اطلاع کا کٹھن مرحلہ ہو یا اسماء رجال اور ان کنیتوں کے حفظ کا معاملہ، امام بخاری کی عبقریت نے ان تمام میدانوں میں جولانیاں کیں، جب ان سے پوچھا گیا کہ آپ کی ابتدائی سرگزشت کا آغاز کس طرح ہوا؟ تو فرمانے لگے:

''ابھی میں طفل مکتب تھا کہ حفظ حدیث کا مجھے الہام ہوا......اس وقت میری عمر دس سال یا اس سے بھی کم تھی، مکتب سے نکل کا محدث داخلی کے ہاں جانا شروع کیا، ایک دن وہ سند حدیث بیان کرتے ہوئے کہنے لگے ''سفیان عن ابی الزبیر، عن ابراھیم......'' میں نے ان سے کہا ''حضرت! ابو زبیر نے ابراہیم سے روایت نہیں کی ہے،

---

[1] ھدی الساری، ص: ۴۷۷

انہوں نے مجھے جھڑکا، میں نے اصل کی جانب رجوع کرنے کے لئے کہا۔ گھر میں جا کر جب اصل دیکھ آئے تو کہنے لگے ''لڑکے! پھر ابراہیمؒ سے کون روایت کر رہا ہے؟'' میں نے کہا ''زبیر بن عدی'' تو مجھ سے قلم لے کر اپنی کتاب کی تصحیح کی اور فرمایا ''تم نے ٹھیک کہا''۔

امام بخاری سے جب پوچھا گیا کہ اس وقت آپ کی عمر کتنی تھی، فرمانے لگے ''گیارہ سال''[1]

پندرہ ہزار احادیث کا قصہ:

حاشد بن اسماعیل کا بیان ہے کہ ہم امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ بصرہ کے مشائخ کے پاس جایا کرتے تھے، ہم لوگ لکھا کرتے تھے اور بخاری نہیں لکھتے تھے، بطورِ طعن رفقاء درس امام بخاری سے کہا کرتے تھے ''آپ خواہ مخواہ اپنا وقت کیوں ضائع کرتے ہیں، احادیث لکھتے نہیں!!!'' جب زیادہ چھیڑ چھاڑ ہوئی تو امام بخاریؒ کو غصہ آ گیا اور فرمایا ''اپنی لکھی ہوئی حدیثیں لاؤ!'' اس وقت تک پندرہ ہزار احادیث لکھی جا چکی تھیں، امام بخاریؒ نے ان احادیث کو سنانا شروع کر دیا تو سب حیران رہ گئے، پھر تو حدیثیں لکھنے والے حضرات اپنے نوشتوں کی تصحیح کے لئے امام بخاریؒ کے حفظ پر اعتماد کرنے لگے[2]

ستر ہزار احادیث کا حافظ بچہ:

سلیم بن مجاہد ایک دن مشہور محدث محمد بن سلام بیکندی کی خدمت میں حاضر ہوئے، بیکندی فرمانے لگے ''اگر کچھ دیر قبل آتے تو ستر ہزار احادیث حفظ کرنے والا بچہ دیکھ لیتے'' سلیم یہ سن کر اس بچہ کی تلاش میں نکلے، ملاقات کر کے پوچھا ''ستر ہزار احادیث کے حفظ کا آپ کو دعوی ہے؟'' بخاری کہنے لگے ''جی ہاں! بلکہ اس سے بھی زیادہ، مزید یہ کہ جس صحابی اور تابعی کی حدیث آپ کو سناؤں گا ان تمام کی ولادت، وفات اور مساکن کا بھی علم رکھتا ہوں''[3]

ابوبکر کلواذانیؒ کہتے ہیں کہ میں نے بخاری جیسا شخص نہیں دیکھا وہ کسی عالم سے کتاب لے لیتے ایک نظر اس پر ڈالتے ہیں اور کتاب کی احادیث کے اکثر اطراف یاد کر لیتے ہیں۔

---

[1] تاریخ بغداد: ۲/۷ [2] ھدی الساری، ص: ۴۷۸

[3] تہذیب الکمال (۲۴/۴۶) سیر اعلام النبلاء (۱۲/۴۱۷) طبقات الشافعیۃ الکبری (۲/۵)

ایک لاکھ صحیح اور دو لاکھ غیر صحیح احادیث کے حافظ:

سمرقند میں چار سو محدثین جمع ہوئے، احادیث کی اسانید میں تبدیلیاں کیں، سات دن تک امام بخاری کو مغالطہ میں ڈالنے کی کوشش کرتے رہے لیکن کامیاب نہ ہو سکے۔ فرماتے تھے ''مجھے ایک لاکھ صحیح اور دو لاکھ غیر صحیح احادیث یاد ہیں''۔

امام بخاری گلستان علم حدیث کی بہار تھے، جہاں جاتے تشنگان علم حدیث کی مجلسیں آباد ہو جاتیں، ایک مرتبہ بلخ گئے، اصحاب حدیث جمع ہوئے، املاء حدیث کی درخواست کی ہزار راویوں کی ہزار حدیثیں سب کو لکھوا دیں۔

ایک ہزار سے زائد محدثین سے سماع:

امام بخاریؒ نے اپنے طویل علمی رحلات میں ایک ہزار سے زائد محدثین سے احادیث کا سماع کیا، فرماتے ہیں:

﴿کتبت عن الف شیخ واکثر ما عندی حدیث الا اذکر اسنادہ﴾

''میں نے ایک ہزار سے زائد شیوخ سے حدیثیں لکھیں، مجھے اپنی ہر حدیث کی سند یاد ہے''۔

لاؤں کہاں سے ڈھونڈ کے میں تجھ سا دوسرا:

یوسف بن مروزی کہتے ہیں، میں بصرہ کی جامع مسجد میں تھا، کسی نے اعلان کیا ''بخاری آئے ہیں، ان کی طلب میں نکلو''۔ لوگ نکلے، میں بھی ساتھ ہو لیا، کیا دیکھتا ہوں عقب ستون میں مصروف نماز ایک جوان شخص ہے جس کی داڑھی نے ابھی سفیدی کو اجازت نہیں دی، یہ تھے بخاری! جوں ہی نماز سے فارغ ہوئے، لوگوں نے مجلس حدیث منعقد کرنے کا مطالبہ کیا، امام انکار کیسے کرتے، حدیث کی مجلسوں سے ہی تو ان کی زندگی کا چمن آباد تھا، محدثین، فقہاء اور حفاظ کا ایک جم غفیر جمع ہو گیا، ابھی املا شروع نہیں کیا کہ مجمع کو مخاطب کر کے فرمانے لگے ''میں ایک نوعمر انسان ہوں، آپ لوگوں نے مجھ سے املاء حدیث کا مطالبہ کیا تو اب مناسب یہ ہے کہ میں تمہیں ایسی احادیث سناؤں جو تمہارے پاس نہ

ہوں تا کہ آپ سب مستفید ہوسکیں'' پھریوں املاء شروع کرائی:

﴿حدثنا عبدا لله بن عثمان بلديكم قال ثنا ابی عن شعبة عن منصور عن سالم بن ابی الجعد عن انس ان اعرابيا جاء الی النبی ﷺ فقال :يارسول الله !الرجل يحب القوم......الخ......﴾

سند اور حدیث سنانے کے بعد فرمایا ''تمہارے پاس یہ حدیث ہے تو سہی لیکن منصور کے طریق سے نہیں''۔

اسی طرح املاء کراتے رہے اور ہر حدیث کے بعد یہ فرماتے رہے کہ یہ حدیث تمہارے پاس فلاں راوی کے طریق سے ہے، میرے بیان کردہ راوی کے طریق سے نہیں مجلس برخاست ہوئی تو اہل مجلس حیران تھے[۱]

لاؤں کہاں سے ڈھونڈ کے میں تجھ سا دوسرا
یہ کیوں نہ ہو کہ تجھ کو تیرے روبرو کروں

فرماتے تھے، ایک دن حضرت انسؓ کے شاگردوں پر نظر دوڑائی تو ایک ہی لحہ میں تین سو حافظہ کے پردہ پر آ گئے[۲]

امام بخاری کے حیرت انگیز حافظہ کا راز:

محمد بن ابی حاتم نے کسی سے سنا کہ امام بخاری نے بلازر (خاص قسم کی دوا) کھائی ہے اس لئے ان کا حافظہ قوی ہے، انہوں نے امام بخاری سے دریافت کیا کہ حافظہ کی کوئی دوا ہے؟ فرمانے لگے، مجھے نہیں معلوم، پھر فرمانے لگے:

''لا اعلم شيئا انفع للحفظ من نهمة الرجل ومداومة النظر''

''حافظہ کے لئے آدمی کے انہماک، دائمی نظر و مطالعہ سے بہتر کوئی چیز میرے علم میں نہیں ہے۔''[۳]

---

[۱] تاریخ بغداد، ۱۶،۱۵/۲ [۲] سیر اعلام النبلاء، ۴۱۴/۱۲

[۳] مقدمہ فتح الباری، ص: ۴۸۸ نیز سیر اعلام النبلاء، ۴۰۶/۱۲

امام ابوزرعہؒ

(متوفی: ۲۶۴ھ)

حدیث کے اس مشہور امام کو اللہ تعالی نے بے پناہ قوت حافظہ سے نوازا تھا، لاکھوں احادیث نہ صرف زبانی یاد تھیں بلکہ نوک زبان پر تھیں، ایک مرتبہ آپ سے سوال کیا گیا کہ اگر کوئی شخص قسم کھالے کہ ابوزرعہ کو دولاکھ احادیث یاد ہیں تو وہ حانث ہوگا یا نہیں؟ آپ نے فرمایا ''وہ حانث نہیں ہوگا'' پھر فرمایا ''مجھے ایک لاکھ احادیث سورہ اخلاص کی طرح یاد ہیں اور دولاکھ احادیث میرے حافظہ میں محفوظ ہیں''[1]

سات لاکھ احادیث کے حافظ:

امام احمد بن حنبلؒ جیسے عظیم القدر امام حدیث ابوزرعہ کے حافظہ کے بارے میں فرماتے ہیں:

''صحیح احادیث سات لاکھ سے زیادہ ہیں اور اس نوجوان یعنی ابو زرعہ کو سات لاکھ احادیث یاد ہیں''[2]

نادر المثال قوت حفظ وضبط:

ابن ابی حاتم نے ابوزرعہ کی قوت حفظ کا یہ قصہ نقل کیا ہے کہ ابن وارہ جن کا اصلی نام محمد بن مسلم ہے اور فضل بن العباس جو فصلک الصائغ کے نام سے مشہور تھے دونوں حافظ ابو زرعہ کے پاس حاضر ہوئے، دونوں میں کسی مسئلہ پر بحث ہونے لگی، ابن وارہ نے اپنے دعوی کے ثبوت میں ایک حدیث پیش کی، فصلک نے کہا '' حدیث کے الفاظ یہ نہیں ہیں'' ابنِ وارہ نے پوچھا '' پھر صحیح الفاظ حدیث کے کیا ہیں؟'' فصلک کے نزدیک حدیث کے جو الفاظ تھے ان کو دہرادیا۔ دونوں کی گفتگو ابوزرعہ خاموشی کے ساتھ سن رہے تھے، آخر ابنِ وارہ ابوزرعہ کی طرف متوجہ ہوئے اور بولے '' آپ فرمایئے، واقعی حدیث کے الفاظ کیا ہیں؟'' انہوں نے پھر بھی اعراض ہی سے کام لینا چاہا، لیکن جب ابن وارہ کا اصرار حد سے

---

[1] تدریب الراوی، ص:۵۰ [2] تدریب الراوی، ص:۵۰

بڑھ گیا تب ابوزرعہ نے کہا ''ذرا میرے بھتیجے ابوالقاسم کو بلایئے'' ابوالقاسم بلائے گئے، حافظ ابوزرعہ نے کہا:

﴿اُدخُلِ بَیتَ الْکُتُب فَدَعِ الْقمطرَ الاوَّلَ والثانی والثالث وَعُدَّ ستَّةَ عشرَ جزئًا وَائْتِنِی بالجزءِ السابعِ عشر﴾

''کتب خانہ جاؤ، پھر پہلے، دوسرے، تیسرے بستے کو چھوڑ کر اس کے بعد جو بستہ ہے اس سے کتاب نکالو، گن کر سولہ جزء کے بعد سترہواں حصہ جو کتاب کا ہے میرے پاس لاؤ''[1]

ابوالقاسم گئے اور حسبِ ہدایت مطلوبہ جزء نکال لائے۔ لکھا ہے کہ حافظ ابوزرعہ نے اوراق الٹے اور حدیث جس صفحہ پر تھی اس کو نکال کر ابنِ وارہ کے سامنے پیش کر دیا۔ ابن وارہ نے پڑھا اور اقرار کیا کہ واقعی میں ہی برسر غلطی تھا۔

اس واقعہ کے ساتھ حافظ ابوزرعہؒ کے اس دعوے کو پیش نظر رکھ لیجئے جسے ابن حجر نے ابوجعفر التستری کے حوالہ سے تہذیب میں نقل کیا ہے کہ وہ ان سے کہتے تھے:

﴿انَّ فِی بیتی ما کَتَبْتُهُ منذُ خمسینَ سنةً وَلَم اُطَالِعْهُ منذ کتبتهٗ و انّی لاَعْلَمُ فی اَیِّ کتابٍ هو فی اَیِّ ورَقَةٍ و هو فی اَیِّ صَفْحٍ هو فی اَیِّ سَطْرٍ هو﴾

''پچاس سال ہوئے جب میں نے حدیثیں لکھی تھیں اور وہ میرے گھر میں رکھی ہوئی ہیں، لکھنے کے بعد اس پورے پچاس سال کے اندر ان حدیثوں کا میں نے پھر دوبارہ مطالعہ نہیں کیا لیکن جانتا ہوں کہ حدیث کس کتاب میں ہے اس کتاب کے کس ورق میں ہے، کس صفحہ میں ہے، کس سطر میں ہے۔''[2]

یہ بات کہ پچاس سال کے عرصہ میں دوبارہ یاد کی ہوئی اور لکھی ہوئی حدیثوں کے دہرانے اور دیکھنے کا موقعہ ابوزرعہ کو نہ ملا۔ اس پر بھی اتنی تفصیل کے ساتھ ان حدیثوں کا یاد رہ جانا یقیناً قوتِ یادداشت اور حافظہ کی پختگی کا ایک حیرت انگیز نمونہ ہے اور مثال کے بغیر

---

[1] تہذیب التہذیب، ۷/۳۳ [2] تہذیب التہذیب، ۷/۳۳

واقعات کے ماننے میں ہچکچانے والی عقل شاید آسانی کے ساتھ حافظ ابوزرعہ کے اس دعوے کو مشکل ہی سے تسلیم کرسکتی تھی، اگر قرآن کے حفاظ میں ایسے افراد نہ پائے جاتے جنہوں نے یاد کرنے کے بعد پھر قرآن کو کبھی کھول کر نہیں دیکھا لیکن جس آیت کو جس وقت جی چاہے پوچھ سکتے ہیں اور اسی تفصیل کے ساتھ یعنی کس پارے، کس سورت، کس رکوع کی یہ آیت ہے، آپ کو وہ جواب دے سکتے ہیں۔ بلکہ ان میں بعض تو ایسے حافظ بھی دیکھے گئے ہیں کہ برسوں کے بعد تراویح سنانے کا موقع ان کو ملا لیکن دن کے دور کئے بغیر انہوں نے پورا قرآن تراویح میں سنا دیا۔ اگرچہ عام طور پر اس قسم کے حفظ کی مثالیں بہت کم ملتی ہیں ورنہ عام قاعدہ حافظوں کا یہی ہے کہ کم ازکم ایک دفعہ دن میں دور کر لینا یعنی جو کچھ رات کو سنانے والے ہیں اس کو ایک دفعہ دہرا لینا عام حالات میں ضروری ہے پورے قابو یافتہ ہو کر قرآن سنانے کا عام قاعدہ یہی ہے۔[1]

صالح جزرہ کہتے ہیں کہ میں نے ابوزرعہ کو فرماتے ہوئے سنا:

''مجھے صرف قراءت میں دس ہزار احادیث یاد ہیں''۔[2]

ایک عقیدت مند کی انوکھی قسم:

ابوزرعہؒ کے حالات میں لکھا ہے کہ کسی ستم ظریف نے خدا جانے اس کو کیا سوجھی کہ اس مضمون کا حلف اٹھالیا، یعنی ''حافظ ابوزرعہ کو ایک لاکھ حدیثیں زبانی اگر یاد نہ ہوں تو اس کی بیوی کو طلاق ہے''۔

یہ کہنے کے بعد حافظ صاحب کے پاس وہ آیا، پریشان تھا کہ حلف اٹھانے کو تو میں نے اٹھالیا ہے لیکن بیوی قبضے میں رہتی ہے یا نہیں۔ بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حافظ ابوزرعہ کی حدیث دانی پر کسی نے اعتراض یا شک کیا تھا، غصہ میں ان کے اس عقیدت مند نے طلاق کا حلف اٹھالیا ہوگا۔ بہر حال وہ آیا اور مسئلہ کی جو صورت تھی بیان کی۔ جواب میں سن رہا تھا، حافظ ابوزرعہ اسی سے فرمارہے تھے:

﴿تمسّکُ بأمراتک﴾

---

[1] تدوین حدیث، ص: ۱۴۷ [2] تذکرۃ الحفاظ، ۲/۱۲۴

''اپنی بیوی کو اپنے پاس روکے رکھ'' (یعنی طلاق واقع نہ ہوئی تیری بیوی تیرے نکاح میں ہے)

ظاہر ہے کہ ذرا سا بھی شک حافظ کو اگر اس میں ہوتا کہ ایک لاکھ حدیثیں ان کو یاد نہیں ہیں تو جس شخص پر شرعاً اس کی بیوی حرام ہو چکی تھی محض اپنے نام و نمود یا اپنے بھرم کو باقی رکھنے کے لئے اس قسم کا فتویٰ قطعاً نہیں دے سکتے۔[1]

امام ابوزرعہ رحمہ اللہ کی قابل رشک وفات:

ابوجعفر تستری کہتے ہیں کہ ہم جان کنی کے وقت ان کے پاس حاضر ہوئے اس وقت ابوحاتم، محمد بن مسلم، منذر بن شاذان اور علماء کی ایک جماعت وہاں موجود تھی، ان لوگوں کو تلقین میت کی حدیث کا خیال آیا کہ آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے کہ:

﴿لقنوا موتاكم لا اله الا الله......﴾

''اپنے مردوں کو لا الہ الا اللہ کی تلقین کیا کرو''

مگر ابوزرعہؒ سے شرما رہے تھے اور ان کو تلقین کرنے کی ہمت نہیں ہو رہی تھی، آخر سب نے سوچ کر یہ راہ نکالی کہ تلقین کی حدیث کا مذاکرہ کرنا چاہئے، چنانچہ محمد بن مسلم نے ابتدا کی...... **حدثنا الضحاک بن مخلد عن عبد الحمید بن جعفر......**

اتنا کہہ کر رک گئے، باقی حضرات نے بھی خاموشی اختیار کی، اس پر ابوزرعہ نے اس جان کنی کے عالم میں روایت کرنا شروع کیا:

﴿حدثنا بندار حدثنا ابو عاصم حدثنا عبد الحمیدبن جعفر عن صالح بن ابی غریب عن کثیر بن مرةالحضرمی عن معاذ بن جبل قال قال رسول الله ﷺ :''من کان آخر کلامه لا اله الا الله......﴾

اتنا ہی کہہ پائے تھے کہ روح قفس عنصری سے عالم قدسی کی طرف پرواز کر گئی۔

پوری حدیث یوں ہے ''من کان آخر کلامه لا اله الا الله دخل الجنة'' (یعنی جس کی زبان سے آخری الفاظ لا الہ الا اللہ نکلیں وہ جنت میں داخل ہوگا) [2]

---

[1] تذکرۃ الحفاظ، ۲/۱۲۴

[2] ابن ماجہ اور علم حدیث، ص:۸۹

امام ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ

(متوفی: ۲۷۵ھ)

امام محمد بن عیسی ترمذی رحمہ اللہ کا شمار ان خوش نصیب محدثین میں ہوتا ہے جن کی کتاب صحاح ستہ میں شامل ہیں اور پوری دنیا میں پڑھی اور پڑھائی جاتی ہے۔ آپ کی کتاب جامع ترمذی حدیث کی ایک انتہائی اہم اور قابل قدر کتاب ہے۔ یہ کتاب بیک وقت جامع بھی ہے اور سنن بھی، اس لئے کہ اسے فقہی ترتیب پر مرتب کیا گیا ہے۔ امام ترمذی رحمہ اللہ کی یہ کتاب دوسری بہت سی خصوصیات پر مشتمل ہے جو اسے دوسری کتابوں سے ممتاز مقام عطا کرتی ہیں۔

امام بخاریؒ کو اپنے اس شاگرد رشید پر ناز تھا، وہ فرماتے ہیں:

﴿ما انتفعت بک اکثر مما انتفعت بی﴾

''آپ نے مجھے اس سے زیادہ نفع پہنچایا ہے جو فائدہ میں نے آپ کو پہنچایا ہے''

امام ترمذیؒ، قوت حافظہ میں ضرب المثل:

اللہ تعالی نے امام ترمذی کو حیرت انگیز حافظہ عطا فرمایا تھا، اس کا اقرار علم الرجال کے ائمہ کی زبانی تاریخ کی کتابوں میں ملتا ہے۔

علامہ ذہبی لکھتے ہیں:

"قال ابو سعید :"کان ابو عیسی یضرب به المثل فی الحفظ"

''امام ترمذی قوت حافظہ میں ضرب المثل تھے''[1]

امام ترمذیؒ کے حافظے کا امتحان:

ایک مرتبہ بعض محدثین نے امام ترمذی کے حافظہ کا امتحان لیا اور چالیس احادیث ایسی سنائیں جو غیر معروف تھیں، امام ترمذی نے فوراً سنا دیں[2]

---

[1] تذکرۃ الحفاظ (۲/۶۳۴) سیر اعلام النبلاء: ۱۳/۲۷۳)

[2] حکایات صحابہ، ص: ۱۱۴

چالیس احادیث، آن واحد میں محفوظ:

اس کا اندازہ اس واقعہ سے بھی ہوسکتا ہے کہ امام ترمذی نے ایک شیخ کی روایات کے دو جزنقل کئے تھے، مکہ کے راستہ میں اسی شیخ سے ملاقات ہوئی، امام صاحب نے سوچا کہ کیوں نہ براہ راست شیخ سے سماعت کروں، درخواست لے کر شیخ کے پاس گئے، انہوں نے منظور کر کے کہا ''میں پڑھتا جاؤں گا اور آپ اپنے نسخہ سے مقابلہ کرتے جائیں'' اتفاق سے وہ دو جزء امام صاحب کے سامان سفر میں نہ ملے تو وہ سادہ کاغذ لے کر بیٹھ گئے، شیخ کی نظر پڑ گئی، بہت ناراض ہوئے، امام صاحب نے ساری صورتحال گذارش کی اور کہا کہ ''وہ دونوں جزء مجھے از بر یاد ہیں'' اور پھر شیخ کے کہنے پر سنانا شروع کیا، شیخ نے کہا کہ ''آپ پہلے سے یاد کر کے آئے ہو'' امام ترمذی نے کہا ''امتحان کر لیجئے''۔

لہٰذا شیخ نے چالیس غریب حدیثیں امام ترمذی کے سامنے پڑھیں، پھر اسی وقت امام صاحب نے بغیر کسی غلطی کے ان کو وہ سب حدیثیں سنا دیں!![1]

قوت حافظہ کی حفاظت کا اہتمام:

امام ترمذی نابینا ہونے کے بعد ایک مرتبہ اونٹ پر سوار ہو کر حج کو تشریف لے جا رہے تھے، راستہ میں ایک مقام پر انہوں نے چلتے چلتے اپنا سر جھکا لیا اور رفقاء کو بھی ایسا کرنے کی ہدایت دی۔ رفقاء نے حیران ہو کر اس کی وجہ پوچھی تو امام ترمذی نے فرمایا کہ کیا یہاں کوئی درخت نہیں ہے؟ ساتھیوں نے انکار کیا تو امام ترمذیؒ نے گھبرا کر قافلہ کو روکنے کا حکم دیا اور فرمایا:

> ''تحقیق کرو! مجھے یاد ہے کہ عرصہ دراز پہلے جب میں یہاں سے گزرا تھا تو اس جگہ ایک درخت تھا، جس کی شاخیں بہت جھکی ہوئی تھیں، یہ درخت مسافروں کے لئے بڑی پریشانی کا باعث تھا اور سر جھکائے بغیر گزرنا ممکن نہ تھا، شاید وہ درخت کسی نے کاٹ دیا ہے۔ اگر واقعہ ایسا نہیں ہے اور یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ یہاں درخت نہیں تھا تو اس کا

---

[1] تذکرۃ الحفاظ: ۶۳۵/۲، سیر اعلام النبلاء: ۲۷۳/۱۳، تہذیب التہذیب: ۳۸۸/۹، الانساب (۴۱۵/۱)

مطلب یہ ہے کہ میرا حافظہ کمزور ہو چکا ہے، لہٰذا میں روایت حدیث ترک کر دوں گا''

لوگوں نے اتر کر آس پاس کے لوگوں سے تحقیق کی تو لوگوں نے بتایا کہ واقعۂ یہاں ایک درخت تھا چونکہ وہ مسافروں کی پریشانی کا باعث تھا اس لئے اب اسے کٹوا دیا گیا ہے[1]

[1] درس ترمذی، ۱/۱۳۳

ابن جریر طبری رحمہ اللہ

(متوفی: ۳۱۰)

علم کے حصول کے عالم اسلام کے چپہ چپہ گھومنے والی یہ شخصیت تفسیر وحدیث اور تاریخ میں امامت کا درجہ رکھتی ہے۔ علم کا عشق اس انتہاء کو پہنچا ہوا تھا کہ طالب علمی میں غربت اور مفلسی کے دوران ایک وقت ایسا بھی آیا کہ تن کے کپڑے بیچ کر گذر اوقات بسر کیا۔

ایک جامع المحاسن شخصیت:

ابو الفتاح ابو غدہؒ آپ کی علمی جامعیت اور اوصاف وکمالات کو بیان کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

> ''یہ امام مجتہد، حجت، مفسر محدث، فقیہ، اصولی، مقری، مؤرخ، لغوی، نحوی، عروضی، ادیب، عظیم راوی، شاعر، محقق، مدقق، علوم وفضائل کے جامع، بہت سی کتابوں کے مصنف، مجتہد مطلق علم ودین، حفظ اور کثرت تالیفات میں دنیا کے اماموں میں سے ایک امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری ہیں۔''[۱]

ان کی ولادت ۲۲۴ھ میں طبرستان کے شہر ''آمل'' میں ہوئی اور وفات ۳۱۰ھ میں ہوئی، ان کی شہرت آفاق عالم میں پھیلی حتی کہ لفظ ''محمد'' جب کتب میں حوالہ کے لئے لکھا جاتا ہے تو وہی مراد لئے جاتے ہیں۔[۲]

آپ نے سات سال کی عمر میں قرآن مجید حفظ کیا اور نو سال کی عمر میں حدیث لکھنی شروع کی، لڑکپن کی دہلیز پر قدم رکھتے ہی ۲۳۶ھ میں بارہ سال کی عمر میں والد سے اجازت لے کر طلب علم میں سفر کے لئے نکل کھڑے ہوئے۔[۳]

۱۔ العلماء العزاب، ص: ۹۱ ۲۔ العلماء العزاب، ص: ۹۱

۳۔ معجم الادباء: ۴۰/۱۸، تاریخ بغداد: ۱۶۳/۲

حفظ احادیث کا جذبہ:

کہا جاتا ہے کہ ابن جریر نے ابن حمید سے ایک لاکھ سے زیادہ احادیث لکھیں کوفہ کی طرف سفر کیا اور بہت سے محدثین سے حدیثیں لکھیں جن میں ابو کریب محمد بن العلاء ہمدانی بھی شامل ہیں، وہ بہت بڑے محدث ہونے کے ساتھ ساتھ سخت مزاج بھی تھے۔

ابوجعفر کہتے ہیں کہ دیگر طلبہ حدیث کے ساتھ میں بھی ان کے دروازے پر حاضر ہوا، انہوں نے دروازے کی کھڑکی سے جھانکا، باہر طلبہ شور کر رہے تھے اور داخل ہونا چاہتے تھے انہوں نے پوچھا "تم نے جو احادیث میرے ہاں لکھی تھیں وہ کس کس کو یاد ہیں؟" طلبہ ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے، پھر طلبہ میری طرف متوجہ ہوئے اور کہا "تم نے جو احادیث لکھی تھیں وہ تمہیں یاد ہیں؟" میں نے ہاں میں جواب دیا، طلبہ نے حضرت استاذ کو بتایا کہ اسے یاد ہیں، لہٰذا میں نے احادیث سنانی شروع کردیں کہ فلاں دن آپ نے ہمیں یہ یہ حدیث سنائی تھی اور فلاں دن یہ یہ حدیث سنائی تھی"۔

ابوجعفر کہتے ہیں کہ میری دھرائی ہوئی احادیث سے ابوکریب کا کوئی مسئلہ حل ہوگیا، جس سے میرا مرتبہ ان کے دل میں بڑھ گیا تو انہوں نے مجھے کہا کہ تم اندر آجاؤ، چنانچہ میں اندر حاضر ہوگیا۔

مؤرخین لکھتے ہیں کہ ابوکریب، ابن جریر طبری کی عنفوان شباب میں ہی اس قدر قابلیت کو دیکھ کر ان کے مقام کو پہچان گئے اور احادیث سننے کی عام اجازت دے دی، بعد میں دوسرے طلبہ ان کی وجہ سے احادیث کا سماع کرلیا کرتے تھے، کہا جاتا ہے کہ انہوں نے ابوکریب سے ایک لاکھ سے زیادہ احادیث کا سماع کیا۔[1]

تیس ہزار اوراق کی تفسیر:

قوت حافظہ کی مضبوطی کا یہ عالم تھا کہ ایک مرتبہ شاگردوں سے فرمایا "قرآن کی تفسیر لکھوں تو تم پڑھو گے؟" شاگردوں نے کہا "کتنی بڑی تفسیر ہوگی؟" فرمانے لگے "تیس

---

[1] معجم الادباء: ۱۸/۴۰، تاریخ بغداد: ۲/۱۶۳

ہزار اوراق پر مشتمل ہوگی'' شاگرد کہنے لگے ''اتنی بڑی تفسیر کے لئے عمر خضر کہاں سے لائیں؟'' چنانچہ ابن جریر رحمہ اللہ نے تین ہزار اوراق پر مشتمل تفسیر لکھی اور سات سال تک اپنے شاگردوں کو املا کراتے تھے جو تیس جلدوں میں شائع ہوگئی ہے۔

طویل ترین تاریخ:

اسی طرح تاریخ کے موضوع پر بھی اتنی مقدار لکھنے کا مشورہ کیا، شاگردوں نے کہا ''اتنی طویل تاریخ پڑھنے کی ہمت کون کرے گا؟'' پھر مختصر کر کے ''تاریخ الامم والملوک'' کے نام سے تاریخ عالم لکھی جو اکیس اجزا میں شائع ہوگئی تھی [۱]

علم عروض، ایک رات میں زبردست:

علمی استعداد کی پختگی کا یہ عالم تھا کہ کسی علم میں مہارت حاصل کرنے کے لئے انہیں زیادہ محنت نہ کرنا پڑتی تھی، فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ ایک شخص میرے پاس علم عروض کا ایک سوال لے کر آیا۔ اس سے قبل علم عروض سے مجھے کوئی خاص لگاؤ نہ تھا۔ میں نے اس سے کہا ''آج میں نے علم عروض کے متعلق گفتگو نہ کرنے کا عزم کیا ہوا ہے تم کل آجاؤ''۔ پھر میں نے اپنے دوست سے خلیل بن احمد کی کتاب ''العروض'' منگوائی، وہ لے آیا، رات میں نے وہ کتاب دیکھی، چنانچہ اس رات تک تو میں علم عروض سے ناواقف تھا اور صبح کو میں علم عروض کا عالم بن گیا [۲]

۲۶ شوال ۳۱۰ھ کو ۸۶ سال کی عمر میں بغیر شادی کئے دنیا سے رخصت ہوئے، ابو بکر خطیب کہتے ہیں کہ ان کی وفات کا کسی کو بتایا نہیں گیا تھا پھر بھی ان کے جنازہ میں لوگوں کی اتنی تعداد تھی جس کو اللہ ہی شمار کر سکتا ہے کئی ماہ تک ان کی قبر پر نماز جنازہ پڑھی جاتی رہی۔

---

۱ تاریخ بغداد، ۱۶۳/۲ ۲ معجم الادباء: ۴۰/۱۸، تاریخ بغداد: ۱۶۳/۲

امام ابو بکر بن الانباری رحمہ اللہ

(متوفی: ۳۲۸ھ)

جمال ذی الارض کانوا فی الحیاۃ وھم
بعد الممات جمال الکتب والسیر

''اہل زمین کے لئے اپنی زندگیوں میں وہ باعث زینت تھے اور
مرنے کے بعد وہ اپنی کتابوں اور تذکروں کی زینت بن گئے''

یادداشت کے سمندر محمد بن قاسم ابن الانباری کا شمار کاروان علم کے ان دیدہ ور افراد میں ہوتا ہے جن کی زندگی کا اوڑھنا بچھونا علم تھا، آپ نے زندگی کی تمام رونقیں طلب علم کے لئے طویل اسفار کی نذر کی، صرف رونق علم کو اپنایا اور علم ہی نے حلقہ شام وسحر سے نکال کر حیات جاوداں کی رونق عطاء کی، آپ کا سن پیدائش ۲۷۱ ہجری ہے۔

علم کی حلاوت اور اس کا کرشمہ:

علم کا ایسا ذوق تھا جس کی نظیر پیش نہیں کی جاسکتی، علمی مصروفیات میں کسی قسم کا نقصان برداشت نہ کرتے تھے، ایک مرتبہ بازار میں راہ چلتی باندی پر ان کی نظر پڑی، باندی کا حسن قلب وجگر پر چھا گیا، خلیفہ راضی ان کا بہت خیال کرتے، انہیں بتایا، خلیفہ نے وہ باندی خرید کرلادی، گھر لا کر خود مطالعہ میں ابھی لگے ہی تھے کہ اپنے غلام سے کہا کہ ''اس باندی کو نکال دو'' غلام نے باندی کو رخصت کرنا چاہا وہ کہنے لگی ''ذرا ٹھہرو! میں ان سے ایک دو باتیں کرنا چاہتی ہوں'' آکر ان سے پوچھنے لگی ''آپ مجھے میرا قصور بتائے بغیر نکال رہے ہیں لوگ کیا گمان کریں گے؟ آخر میری غلطی تو بتائیں'' کہنے لگے ''تمہاری غلطی یہی ہے کہ تم نے علم کی طرف میرے دل کی توجہ میں خلل ڈال دیا ہے'' باندی نے کہا ''یہ تو کوئی مسئلہ نہیں'' خلیفہ راضی کو جب اس واقعہ کا علم ہوا تو کہنے لگے:

﴿لا ینبغی أن یکون العلم فی قلب أحد أحلی منه فی صدر ھذا الرجل﴾

''علم کی حلاوت جتنی اس آدمی کے دل میں ہے شاید ہی کسی کے دل میں اتنی ہو''[۱]

یادداشت کو باقی رکھنے کے لئے:

ابن الانباری کا شمار تاریخ اسلام کے ان علماء میں ہوتا ہے جنہوں نے علم کی ترویج واشاعت کو ازدواجی زندگی پر ترجیح دی، چنانچہ شیخ عبدالفتاح ابوغدہ نے اپنی کتاب ''العلماء العزاب'' میں آپ کا تذکرہ کیا، ایک مقام پر لکھتے ہیں:

> ''اپنی یادداشت کو برقرار رکھنے کے لئے وہ ساری زندگی عمدہ کھانوں سے دور رہے حالانکہ وہ عمدہ کھانے بادشاہوں کے دسترخوانوں پر ان کے سامنے پیش کئے جاتے تھے، علم کی مشغولیت کی وجہ سے وہ عورتوں سے کنارہ کش رہے حالانکہ ایک خوبصورت اور حلال عورت ان کے گھر آئی تھی، اپنی یادداشت، علم، عورتوں سے لاتعلقی اور زہد میں وہ ایک عجوبہ روزگار شخصیت تھے، ان کی کوئی نسل اور اولاد نہ تھی سوائے پچاس ہزار صفحات پر مشتمل تیس تصنیفات کے!!''[۲]

تین لاکھ اشعار کے حافظ:

اللہ نے جب کسی سے کوئی کام لینا ہوتا ہے اس میں اس کے اسباب بھی پیدا فرما دیتے ہیں، چنانچہ قدرت کی طرف سے ابن الانباری کو بلا کا حافظہ عطا کیا گیا تھا، اس کا اندازہ اس بات سے لگائیے کہ الفاظ قرآن کے استشہاد میں عرب کے تین لاکھ اشعار حفظ تھے، ایک سو بیس تفاسیر سندوں کے ساتھ یاد تھیں[۳]

لغت، نحو، تفسیر، اور شعر میں جو بھی ان کی تصنیف یا اقوال ملتے ہیں وہ سب انہوں نے اپنے حافظے سے لکھوائے، کتاب سے دیکھ کر انہوں نے کبھی نہیں لکھوایا[۴]

---

۱ تاریخ بغداد، ۱۸۲/۳ ۲ العلماء العزاب، ص: ۱۱۷
۳ بغیۃ الوعاۃ، ۲۱۳/۱ ۴ العلماء العزاب، ص: ۱۱۷

ایک رات میں علم تعبیر پر دسترس:

خلیفہ راضی کی کسی باندی نے ان سے اپنے کسی خواب کی تعبیر پوچھی، چونکہ اس چیز کا کوئی خاص علم نہیں رکھتے تھے اس لئے اس وقت تو بہانہ کر کے گئے اور خوابوں کی تعبیر کے متعلق کرمانی کی پوری کتاب ایک رات میں حفظ کی، پھر آ کر تعبیر بتادی۔[1]

ایک دن بیمار ہوئے تو ان کے والد بہت پریشان ہوئے لوگوں نے تسلی دینا چاہی، کتابوں سے بھری الماری کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہنے لگے:

"میں اس بیٹے کی بیماری پر پریشان کیوں نہ ہوں جس کو یہ سب کتابیں حفظ ہیں"۔[2]

حافظہ برقرار رکھنے کا نسخہ:

ابو الحسن عروضی کہتے ہیں کہ راضی باللہ کے دستر خوان پر میں اور ابو بکر انباری جمع ہوئے، ابو بکر نے باورچی کو اپنا کھانا بتایا ہوا تھا، وہ ان کے لئے خشک گوشت بھون دیتا تھا، ہم دستر خوان پر لگے عمدہ کھانے کھا رہے تھے لیکن ابو بکر وہی بھونا ہوا خشک گوشت کھاتے رہے، کھانے کے بعد عمدہ حلوہ لایا گیا تو اس سے بھی انہوں نے نہیں کھایا، دستر خوان سے اٹھ کر ہم لوگ خیش نامی ٹھنڈے کپڑوں میں جو لوگوں میں پسند کئے جاتے تھے سو گئے لیکن وہ ان کپڑوں میں نہیں سوئے، اس کے بعد عصر تک انہوں نے پانی تک نہیں پیا، عصر کے بعد انہوں نے غلام کو بلا کر پانی منگوایا تو برف کے بجائے مٹکے کا پانی پیا اس پر مجھے غصہ آیا تو میں نے چیخ کر کہا "اے امیر المؤمنین!" مجھے ان کے سامنے حاضر کیا گیا تو امیر المؤمنین نے کہا "کیا مسئلہ ہے؟" میں نے کہا "اے امیر المؤمنین! یہ شخص اس بات کا محتاج ہے کہ اس کے اور اس کے نفس کے درمیان کوئی شخص حائل نہ ہو ورنہ جیسا وہ اس کے ساتھ معاملہ کرتا ہے اس سے تو لگتا ہے کہ وہ اس کو مار دے گا" یہ سن کر امیر المؤمنین ہنس پڑے اور کہا "اس کو اسی میں لذت ملتی ہے اور یہ اس کی عادت ہوگئی ہے اور اس طرز زندگی سے مانوس

---

[1] بغیة الوعاة، ۲۱۳/۱　[2] بغیة الوعاة، ۲۱۳/۱

ہونے کی وجہ سے اب یہ ان کے لئے نقصان دہ نہیں ہے" پھر میں نے خود ان سے بات کی اور کہا "اے ابو بکر! تم اپنے نفس کے ساتھ ایسا کیوں کرتے ہو؟" ان کا جواب یہ تھا "اپنی قوت یادداشت کو باقی رکھنے کے لئے!!!"

میں نے کہا "لوگوں میں تمہارے حافظہ کا بڑا چرچا ہے تمہیں کتنا یاد ہے؟" انہوں نے کہا "تیرہ صندوق کتابوں کے"۔

محمد بن جعفر کہتے ہیں "اتنی مقدار علم کی نہ ان سے پہلے کسی کو یاد تھی اور ان کے بعد کسی کو یاد ہو سکتی ہے"۔

عادت شریفہ یہ تھی کہ بعض اوقات کھجوروں کو لے کر سونگھتے اور فرماتے "تم عمدہ ہو لیکن اللہ نے جو مجھے علم عطا فرمایا ہے وہ مجھے تم سے زیادہ عزیز تر ہے موت کے قریب جب بیمار پڑے تو دل نے جو چاہا وہی کھایا اور فرمایا "یہ مجھے مرض الموت لگتا ہے"[1]

حمزہ بن دقاق کہتے ہیں "ابن الانباری بے نظیر حافظہ کے ساتھ وہ ایک زاہد اور متواضع انسان تھے"[2]

---

[1] العلماء العزاب، ص: ۱۲۴ [2] العلماء العزاب، ص: ۱۲۳

دار قطنی رحمہ اللہ

(متوفی: ۳۵۸ھ)

آپ کا پورا نام علی بن عمر اور لقب دار قطنی ہے۔

دار قطنی رحمہ اللہ حدیث کے مشہور مصنف ہیں، حدیث حاصل کرنے کے لئے بغداد، بصرہ، کوفہ، واسط، مصر اور شام کا سفر کیا، علوم نحو وفن تجوید میں بھی کامل مہارت رکھتے تھے، معرفت علل حدیث اور اسماء الرجال میں یگانہ تھے، مذاہب فقہاء اور علم ادب وشعر میں بھی خوب باخبر تھے۔

اللہ تعالی نے حافظہ بھی بلا کا عطا فرمایا تھا، ایک مرتبہ استاذ کی مجلس میں بیٹھے تھے استاذ پڑھ رہے تھے اور یہ کوئی کتاب نقل کر رہے تھے، ایک ساتھی نے اعتراض کیا کہ تم دوسری طرف متوجہ ہو، کہنے لگے کہ میری اور تمہاری توجہ میں فرق ہے، بتاؤ استاذ نے اب تک کتنی احادیث سنائی ہیں، وہ سوچنے لگے، دار قطنی نے کہا "شیخ نے اب تک اٹھارہ احادیث سنائی ہیں، پہلی یہ تھی، دوسری یہ تھی.........." اسی طرح ترتیب وار سب کی سب مع سند کے سنا دیں[1]

دار قطنی کا نون:

امام دار قطنی رحمۃ اللہ علیہ ایک مرتبہ نماز پڑھ رہے تھے۔ قریب ہی ان کے ایک شاگرد بیٹھے حدیث کا سبق یاد کر رہے تھے۔ لیکن سند میں آنے والے ایک راوی کو حدثنا نسیر کے بجائے حدثنا یسیر پڑھ رہے تھے۔ امام دار قطنیؒ کو یہ غلطی بڑی شاق محسوس ہوئی اور وہ فوری طور پر شاگرد کی اصلاح کرنا چاہتے تھے لیکن حالتِ نماز اس سے مانع تھی، بہر حال انہیں نماز میں ایک ترکیب سوجھی اور انہوں نے بلند آواز سے قرآن مجید کی اس آیت کو پڑھا:

نٓ والقلم وما یسطرون. (القلم:۱)

"نون! قسم ہے قلم کی اور اس کے لکھے کی"

اس میں جب لفظِ نون پر زور دیا تو طالب علم فوراً سمجھ گیا اور اپنی غلطی کی اصلاح کر لی۔

---

[1] حکایات صحابہ، ص:۱۱۲

علامہ بدیع الزمان ہمدانیؒ

(متوفی:۳۹۸ھ)

عربی ادب میں مقامات کا اسلوب ایجاد کرنے والے اس لاثانی ادیب اور شہرہ آفاق خطیب نے چار سو مقامات لکھے۔ علم کی وادیوں میں سرگرداں، علوم وفنون کے سمندر میں غوطہ لگا کر جواہرات اخذ کرنے والی اس علمی شخصیت کا سن پیدائش ۳۵۸ھ ہے اور چالیس سال کی عمر میں ۳۹۸ھ میں وفات پائی [1]

علامہ بدیع الزمان خود ہمذان کے رہنے والے تھے جو خراسان ایران کا مشہور شہر ہے لیکن عجیب بات یہ ہے کہ انہیں ہمذان سے کوئی محبت نہ تھی بلکہ اس کی مذمت میں خود انہوں نے یہ دلچسپ شعر کہے:

همذان لی بلد اقول بفضله

لکنه من اقبح البلدان

صبیانه فی القبح مثل شیوخه

وشیوخه فی العقل کالصبیان

''ہمذان میرا شہر ہے اور میں اس کی فضیلت کا قائل ہوں لیکن یہ بدترین شہر ہے اس کے بچے ظاہری بدصورتی میں بوڑھوں کی طرح ہیں اور اس کے بوڑھے عقل کی کمزوری میں بچوں کی طرح ہیں''

بیسیوں اشعار کا قصیدہ، آن واحد میں حفظ:

حافظہ ویادداشت کی قوت میں اللہ کی نشانیوں میں سے ایک تھے، جو بات پڑھتے فوراً یاد ہو جاتی، بیسیوں اشعار پر مشتمل قصیدہ کو ایک مرتبہ سنتے تو وہ یاد ہو جاتا اور شروع سے لے کر آخر تک ایک حرف کی تبدیلی کے بغیر سنا دیتے۔

معجم الادباء میں شیخ بدیع الزمان کا تذکرہ کچھ ان الفاظ میں آیا ہے:

---

[1] امت مسلمہ کے محسن علماء ترجمہ العلماء العزاب، ص:۳۲۸

''قوت ذکاوت، سرعت حفظ، ذہن کی صفائی اور قوت نفس میں وہ اللہ تعالی کی ایک نشانی تھے۔ ان کی شخصیت میں عجائبات نوادرات پنہاں تھے۔ بعض اوقات ان کے سامنے پچاس اشعار سے زیادہ پر مشتمل قصیدہ پڑھا جاتا جس کو اس سے پہلے انہوں نے کبھی نہ سنا ہوتا، ایک دفعہ سننے کے بعد وہ پورا قصیدہ ان کو یاد ہو جاتا اور وہ اس کو شروع سے لے کر آخر تک کسی حرف کی کمی کے بغیر سنا دیتے، اسی طرح بعض اوقات کوئی ایسی کتاب جس کو انہوں نے اس سے پہلے کبھی نہ دیکھا ہوتا تھا، اس کے چار پانچ اوراق کو وہ ایک سرسری نظر سے دیکھتے اور پھر اس کو بڑی روانی کے ساتھ زبانی سنا دیتے، بعض مرتبہ ان سے آخری طرف سے کسی کتاب کی تصنیف کا مطالبہ کیا جاتا تو وہ کتاب کے آخری مضامین کی طرف سے لکھنا شروع کرتے اور کتاب کو اس کے ابتدائی مضامین پر بڑے احسن اور انوکھے انداز میں مکمل کر دیتے''۔[1]

علامہ بدیع الزمان کا حافظہ اس قدر غضب کا تھا کہ چار پانچ اوراق پر سرسری نظر ڈال لیتے اور وہ سارے اوراق انہیں حفظ ہو جاتے، علامہ ثعالبی نے یتیمۃ الدھر میں لکھا ہے:

''ایک مرتبہ پچاس ابیات پر مشتمل ایک قصیدہ ان کے سامنے پڑھا گیا جو انہوں نے پہلی بار سنا اور ایک ہی بار سننے سے وہ انہیں یاد ہو گیا''۔[2]

علامہ بدیع الزمان کی صفات علمیہ:

علامہ ثعلبی نے انتہائی خوبصورت عبارت اور دلنشین تعبیرات کے ساتھ آپ کا تذکرہ کیا ہے جس کا اصل حسن تو عربی میں ہے، ملاحظہ فرمایئے:

---

[1] معجم الادباء (۲/۱۶۱-۲۰۲)   [2] یتیمۃ الدھر (۴/۲۴۱)

﴿فانه كان صاحب عجائب وبدائع وغرائب......وكان مع هذا مقبول الصورة ،خفيف الروح ،حسن المعاشرة، ناصع الظرف، عظيم الخلق، شريف النفس، كريم العهد، خالص الود، حلو الصداقة، مر العداوة......املى اربعة مائة مقامة نحلها ابا الفتح الاسكندرى......من لفظ انيق قريب المأخذ، بعيد المرام، وسجع رشيق المطلع والمقطع كسجع الحمام...... ناداه الله فلباه وفارق دنياه فى سنة ثلاث وتسعين وثلثمائة ،فقامت نوادب الادب، وانثلم حد القلم، وبكاه الفضائل مع الافاضل ورثاه الاكارم مع المكارم على انه مامات من لم يمت ذكره، ولقد خلد من بقى على الايام نظمه ونثره، والله عز وجل يتولاه بعفوه وغفرانه ويحييه بروحه وريحانه﴾

''علامہ بدیع الزمان عجائب وغرائب کے حامل ہونے کے ساتھ ساتھ خوبصورت، خوش مزاج اور خوش اخلاق تھے۔نفسانی شرافت،کردار کی بلندی، خلوص ومحبت آپ کا طرہ امتیاز تھا، آپ دوستوں کے لئے میٹھے اور دشمنوں کے لئے کڑوے تھے......آپ نے چار سو مقاموں کی املاء کروائی جنہیں ابو الفتح اسکندری نے لکھا...... یہ مقامے عمدہ ترین الفاظ میں، معانی کی وضاحت اور سجع بندی کی مہارت کے ساتھ لکھے گئے ہیں۔اللہ تعالی نے انہیں اپنے پاس بلا یا اورانہوں نے داعی اجل کو لبیک کہا، انہوں نے ۳۹۸ھ میں اس دنیا کو خیر باد کہا، آپ کی یاد میں ادبی شہ پارے لکھے گئے اور قلم نے تحریرات کے ڈھیر لگا دیئے ارباب فضائل رو دیئے اور اہل

شرافت نے مرثیے کہے، اس بات پر کہ ایسا شخص فوت ہو گیا جس کا ذکر کبھی فوت نہیں ہوگا، جب تک دنیا باقی رہے گی ان کی نظم ونثر بھی باقی رہے گی اللہ تعالیٰ ان کی بخشش و مغفرت کا والی ہو اور انہیں خوشبو دار اور معطر زندگی عطا کرے‘‘

وصال کا حیرت انگیز واقعہ:

علامہ بدیع الزمان کا انتقال ۳۹۸ھ میں ہوا، ابن خلکان نے ان کی وفات کا حیرت انگیز واقعہ نقل کیا کہ وہ بیمار تھے، بیماری کے عالم میں ان پر سکتہ طاری ہوا، لوگ سمجھے کہ انتقال کر گئے، اس لئے ان کی تکفین و تجہیز کر دی گئی اور انہیں دفن کر دیا، حالانکہ آپ زندہ تھے، قبر میں ہوش آیا تو چیخ پڑے، لوگوں نے قبر دوبارہ کھولی تو آپ نے داڑھی ہاتھ سے پکڑی تھی اور قبر کی ہولناکی کی وجہ سے انتقال کر گئے تھے[1]

---

[1] وفیات الاعیان (۱/۱۳۰)

ابن سینا

(متوفی: ۴۲۸ھ)

صفر ۳۷۰ھ اگست ۹۸۰ء کو بخارا کے قریب ''خرشین'' نامی گاؤں میں اس شہرہ آفاق مسلمان سائنس دان کی پیدائش ہوئی، آپ کا پورا نام حسین بن علی ہے اور ''ابن سینا'' سے مشہور ہیں۔

صدیوں تک طب کی دنیا پر چھائی رہنے والی کتاب ''القانون'' آپ ہی کی تصنیف ہے، طب کے شعبہ جات میں اس کتاب کے بعض حصے اب بھی داخل نصاب ہیں۔ آپ کے علمی کارناموں کی اسی پر انتہاء نہیں بلکہ بیس جلدوں میں ''الحاصل والمحصول'' بیس جلدوں میں ''الانصاف'' اٹھارہ جلدوں میں ''الشفاء'' دس جلدوں میں ''لسان العرب'' اور اسی طرح دیگر کئی کتابوں کا ذخیرہ کئی جلدوں پر محیط ہے۔

جب بھی کسی کتاب کو دیکھتے تو صرف پڑھنے کی نہیں پڑھ کر سمجھنے کی عادت تھی، مابعد الطبیعات پر ایک کتاب چالیس بار پڑھی، پوری کتاب حفظ تو ہوگئی پر سمجھ میں نہ آئی، لیکن ہمت نہ ہاری، پھر اسی موضوع پر فارابی کی کتاب خرید کر اس کا مطالعہ کیا، موضوع سمجھ میں آ گیا تو اس مسرت میں سجدہ شکر ادا کیا اور صدقہ خیرات کیا۔[1]

---

[1] دائرہ معارف اسلامیہ، ۱/۱

شمس الائمہ علامہ سرخسی رحمۃ اللہ علیہ

(متوفی: ۴۳۸ھ)

فقہ حنفی کی تدوین امام ابوحنیفہ کے زمانہ میں ہوئی، فقہاء کی ایک بڑی جماعت تھی جو امام ابوحنیفہؒ کے چالیس اصحاب وتلامذہ پر مشتمل تھی، جس میں امام ابو یوسف، امام محمد، امام زفر اور امام حسن بن زیاد جیسے جلیل القدر فقہاء بھی موجود ہوتے تھے۔

اس مجلس شوری کے سربراہ امام اعظم ابوحنیفہؒ تھے، ایک ایک مسئلہ مجلس میں پیش ہوتا اور کافی بحث وتمحیص کے بعد قرآن واحادیث نبویہ کی روشنی میں منقح ہو کر امام محمد کے ہاتھوں لکھا جاتا تھا، اس طرح ہزاروں مسائل ضبط تحریر میں آئے اور ان کے مجموعہ کو ظاہر الروایہ کہا جاتا ہے، جو کہ مندرجہ ذیل چھ کتابوں کا مجموعہ تھا:

۱۔الجامع الکبیر ۲۔ الجامع الصغیر ۳۔السیر الکبیر

۴۔السیر الصغیر ۵۔ مبسوط ۶۔زیادات

ان کتابوں کو سامنے رکھ کر بعد میں آنے والے فقہاء نے نہایت عمدگی اور حسن ترتیب کے ساتھ ایسی کتابیں مرتب کیں جو عام مسائل اصول یعنی ظاہر الروایۃ کی حامل ہیں، اس سلسلہ میں سب سے معتمد کتاب حاکم شہید رحمۃ اللہ علیہ کی ''کتاب الکافی'' ہے جس کی متعدد شروحات لکھی گئی ہیں، ان میں سب سے عمدہ شرح امام سرخسی کی مبسوط ہے۔

فقہاء احناف کا بیان ہے کہ مبسوط فقہ حنفی کی اتنی قابل اعتماد کتاب ہے کہ اس کے خلاف کسی کے بیان کئے ہوئے مسئلہ پر عمل کرنے کی ضرورت نہیں ہے، بلکہ تمام مسائل میں اسی کی طرف رجوع کرنا ضروری ہے، اسی کے مسائل کو معمول بہ ومفتی بہ ہونا چاہئے۔

اس عظیم علمی متن کے مصنف محمد احمد بن ابی سہل سرخسی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، آپ اپنے زمانہ کے امام مجتہد، اصولی ومناظر تھے، شمس الائمہ عبد العزیز حلوائی کے شاگرد رشید تھے اور ان سے بھی بڑے بڑے علماء نے کسب فیض کیا۔

پندرہ جلدوں کی زبانی املاء:

اللہ تعالیٰ نے اس لاثانی شخصیت کو حافظہ بھی بلا کا عطا فرمایا تھا، مبسوط جیسی لافانی کتاب اسی قوت یادداشت کا ثمرہ تھی، واقعہ کچھ یوں ہے:

''ایک مرتبہ آپ بادشاہ وقت کو ضروری نصیحتیں کرنے کی پاداش میں قید خانہ میں محبوس کر دیئے گئے، اسی قید کی حالت میں محض اپنی یادداشت کی بنا پر کسی کتاب کا مطالعہ کئے بغیر اپنے شاگردوں کو مبسوط کی پندرہ جلدوں کی املاء کروادی''[1]

مولانا عبدالحی فرنگی محلی تحریر فرماتے ہیں:

﴿املی المبسوط نحو خمس عشرة مجلدا وھو فی السجن باوزجند کان محبوسا وھو فی الجب واصحابه فی اعلی الجب کذا فی طبقات القادری﴾

''طبقات قادری میں مرقوم ہے کہ امام سرخسی نے مبسوط کی پندرہ جلدوں کی املاء اس حال میں کروائی کہ آپ مقام اوزجند کی جیل میں قید تھے، آپ کنویں میں قید تھے اور آپ کے شاگرد اوپر تھے''[2]

ہم جیسے ضعیفوں اور کم ہمتوں کے لئے پوری کتاب کا مطالعہ کرنا بھی دشوار ہے اس کے مصنف کی وسعت علم وقوت حفظ کا حال معلوم ہو کر عش عش کرنا پڑتا ہے۔

---

[1] اسلاف کے حیرت انگیز کارنامے، ص:۹۲ [2] الفوائد البہیۃ، ص:۶۴

بخاریٔ زماں عبد الغنی مقدسی رحمہ اللہ

(متوفی: ۶۰۰ھ)

باطل کے خلاف علم بغاوت بلند کرنا اور اس کی غلامی کو قبول نہ کرنا ہمیشہ سے علماء حق کا شعار اور دستور زندگی رہا ہے، شیخ دوراں عبد الغنی مقدسی بھی اس وصف میں کسی سے کم نہ تھے، ایک مرتبہ قلعہ جبرون میں گانے بجانے کے آلات جمع کیے گئے اور ایک محفل موسیقی کا اہتمام کیا گیا، شیخ وہاں پہنچے اور آلات لہو ولعب کو اپنے ہاتھ سے توڑنا شروع کر دیا، منبر پر چڑھ گئے اور سب کو وہاں سے بھگا دیا۔ قاضی کا خط آیا کہ دف اور شبابہ وغیرہ باجوں کے متعلق مناظرہ کر لیجئے۔ آپ نے فرمایا ''یہ سب حرام ہیں، میں قاضی کے پاس نہیں جا سکتا، اس کا جی چاہے تو وہ فوراً آ سکتا ہے'' پھر قاصد آیا کہ یہ چیزیں بادشاہ کی تھیں جو آپ نے برباد کر دیں۔ یہ سن کر آپ سیخ پا ہو گئے اور فرمایا:

''اللہ تعالیٰ قاضی اور بادشاہ دونوں کی گردن مار دے''

لوگ ڈر گئے کہ بڑا فتنہ پیدا ہو گیا، مگر خدا کے اس شیر کے مقابلہ میں آنے کی ہمت کسی کو نہ ہوئی [۱]

ایک لاکھ سے زائد احادیث کے حافظ:

حفظ حدیث کا یہ عالم تھا کہ ایک مرتبہ ایک شخص نے شیخ کے روبرو ذکر کیا کہ ایک آدمی نے قسم کھائی ہے کہ اگر حافظ عبد الغنی مقدسی ایک لاکھ احادیث کے حافظ نہ ہوں تو میری بیوی کو طلاق!!

شیخ نے یہ سن کر فرمایا:

''اگر اس سے زیادہ کی بھی قسم کھا لیتا تو پھر بھی حانث نہ ہوتا''

کیونکہ شیخ کو اس سے بھی زیادہ احادیث یاد تھیں [۲]

---

۱ اسلاف کے حیرت انگیز کارنامے، ص: ۱۱۷ ۲ تذکرۃ الحفاظ (۴/۱۳۷۵)

علامہ مقدسی کے معمولات زندگی:

آپ نے کام کرنے کا ایک ضابطہ بنایا تھا جس پر روزانہ عمل کرتے تھے، نماز فجر کے بعد قرآن کی تفسیر یا حدیث کی تشریح فرماتے۔ پھر اٹھ کر وضو کرتے اور تین سو رکعتیں ظہر سے پہلے پہلے پڑھتے، ہر رکعت میں سورہ فاتحہ اور معوذتین پڑھتے تھے، اس کے بعد قیلولہ کرتے اور ظہر کی نماز ادا فرماتے اور پھر حدیث سناتے یا کتابیں تصنیف فرماتے۔ مغرب تک یہی مصروفیت رہتی، پھر عشاء کی نماز تک نوافل پڑھتے اور نصف شب تک سوتے اور بیدار ہو کر وضو فرماتے، بسا اوقات رات بھر میں آٹھ دس مرتبہ وضو کرتے۔ اس کے متعلق فرماتے تھے:

"جب تک وضو کے اعضاء پر تری رہتی ہے نماز میں بڑا مزہ آتا ہے"

فجر سے تھوڑا پہلے سو لیتے، آپ کا روزانہ یہی معمول تھا[۱]

---

۱ تذکرۃ الحفاظ (۱۳۷۵/۴)

ابن عینین انصاری

(متوفی: ۶۳۰ھ)

آپ کا پورا نام محمد بن نصر الدین بن نصر الحسین بن عینین انصاری ہے، شعر وادب کی تاریخ میں آپ کا شمار نابغہ روزگار اور یکتا شخصیات میں ہوتا ہے۔ انہیں اپنے وقت کا خاتمۃ الشعراء مانا گیا ہے۔ ادب عربی میں کامل دسترس اور کمال حاصل تھا لیکن ہجو گوئی ان کا خاص موضوع سخن تھا، اسی وجہ سے سلطان صلاح الدین ایوبی نے انہیں دمشق سے نکلوادیا تھا، دمشق سے نکلنے کے بعد انہوں نے دنیا کے مختلف ممالک کا سفر کیا۔

کتاب الجمہرہ کے حافظ:

اس نادر روزگار ہستی کو حافظہ بھی خوب عطا ہوا تھا، ابن خلکان لکھتے ہیں:

﴿بلغنی انه كان يستحضر كتاب الجمهرة لابن دريد في اللغة﴾

''مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ ابن عینین کو ابن درید کی لغت میں لکھی ہوئی کتاب ''کتاب الجمهرة'' زبانی یاد تھی''[1]

جمہرہ ابن درید چار جلدوں پر مشتمل لغت عربی کی انتہائی مبسوط اور ضخیم کتاب ہے، قرآن وحدیث میں چونکہ ارتباط اور تسلسل ہے جس کی وجہ انہیں یاد کرنا آسان ہے، لیکن لغت ایک ایسا موضوع ہے جس میں قطعی ربط اور تسلسل نہیں وہ اول سے آخر تک بالکل غیر مسلسل ہوتا ہے، اس کا ایک جملہ دوسرے جملے سے کوئی ربط اور تعلق نہیں رکھتا، اس فن کو از بر کرنا بہت بڑا کمال ہے۔

---

[1] وفیات الاعیان (۲۶/۴)

یحییٰ بن یوسف صرصری

(متوفی: ۶۵۶ھ)

علامہ صرصریؒ بغداد کے رہنے والے تھے، سرور عالم فخر آدم و بنی آدم علیہ السلام کی مدح میں اتنے قصائد تحریر فرمائے کہ ان کا مجموعہ بیس جلدوں تک پہنچتا ہے، اسی خصوصیت کی بنا پر آپ کو ''حسان وقت'' کہا جاتا تھا۔ علاوہ ازیں اشعار عرب اور ادب کے ماہرین میں ان کی ذات منتہی مانی جاتی ہے۔

''صحاح'' لغت کا حفظ:

اللہ تعالیٰ نے حافظہ بھی بے مثال عطا فرمایا تھا، علامہ جوہری کی ''صحاح فی اللغۃ'' کو بتمام وکمال حفظ کر رکھا تھا، شذرات الذہب میں لکھا ہے:

﴿کان یحفظ صحاح الجوهری بکمالها﴾

''علامہ صرصری کو جوہری کی ''صحاح فی اللغۃ'' پوری یاد تھی''[1]

صحاح جوہری بھی لغت کی ایک بہت بڑی، قدیم اور مشہور کتاب ہے، ابھی آپ نے حافظ جمہرہ کا حال پڑھا اب حافظ صحاح بھی آپ کے سامنے ہے۔ یہ امت محمدیہ کی وہ نادر روزگار شخصیات ہیں جب کی نظیر پیش کرنا مشکل ہے، اس پر جتنا ناز و فخر کیا جائے، کم ہے!!

فتبارک اللہ احسن الخالقین

---

[1] شذرات الذہب (۲۸۶/۵)

محمد بن ابی الحسن البونینی

(متوفی: ۶۵۸ھ)

نورانی پروقار چہرہ، صاحب احوال وکرامات، خاشع ومتواضع شخصیت کے مالک اس امام نے خداوند عالم کی طرف سے وہ مقام مرتبہ پایا کہ شاہان وقت ان کی قدم بوسی کو باعث سعادت سمجھتے تھے۔

چار دن میں مسلم شریف کا حفظ:

جس طرح صورت کے ساتھ ساتھ حسن سیرت واخلاق محمدیہ میں نے ان کے زمانے میں ان کی کوئی نظیر نہ تھی اسی طرح آپ کا حافظہ بھی بے نظیر تھا، آپ کے فرزند ارجمند علامہ قطب الدین بونینی فرماتے ہیں:

﴿حفظ والدی الجمع بین الصحیحین واکثر مسند الامام احمد وحفظ صحیح مسلم فی اربعة اشهر وحفظ سورة الانعام فی یوم واحد وحفظ ثلث مقامات الحریری فی بعض یوم﴾

''میرے والد ماجدؒ نے ''کتاب الجمع بین الصحیحین'' اور مسند امام احمد بن حنبل کا اکثر حصہ زبانی یاد فرمالیا تھا، مسلم شریف کو صرف چار ماہ میں یاد کیا، سورہ انعام ایک دن میں اور حریری کے تین مقامات کو چند گھنٹے میں از بر یاد کرلیا تھا''[1]

[1] شذرات الذهب (۲۹۴/۵)

سلطان المشائخ حضرت نظام الدین اولیاء رحمہ اللہ

(متوفی: ۷۲۵ھ)

امام نظام الدین اولیاء رحمہ اللہ کو تصوف کے ایک بہت بڑے امام اور پیشوا ہونے کی حیثیت سے جانا جاتا ہے، آغاز شعور ہی سے آثار رشد وہدایت نمایاں تھے، بچپن ہی میں والد بزرگوار کا سایہ عاطفت سر سے اٹھ گیا، والدہ ماجدہ نے مکتب میں بٹھا دیا، ۱۲ سال کی عمر میں لغت کی کتابیں پڑھتے رہے۔ تحصیل علم کے شوق نے دہلی پہنچا دیا، یہاں شمس الملک کی خدمت میں علم ادب وحدیث وغیرہ حاصل کیا۔ نہایت ذکی وفطین ہونے کی وجہ سے ہم سبق طلبہ ان کو ''بحاث'' یعنی بہت بحث کرنے والا کہتے تھے۔

علوم باطنی حاصل کرنے کی غرض سے اجودھن میں حضرت فرید الدین گنج شکر رحمہ اللہ کی خدمت میں پہنچ کر عوارف العارف اور تمہید ابوشکور وغیرہ سبقا سبقا پڑھیں اور چھ پارے قرآن مجید با تجوید حفظ کئے اور فیض باطن سے مستفیض ہو کر نعمت خلافت سے مشرف ہو کر دہلی بھیجے گئے۔ یہاں آپ کے فیوض وبرکات سے صدہا آدمی خدارسیدہ ہوگئے۔ بے شمار کرامات ظاہر ہوئیں، مجاہدہ وریاضت نفس اور ترک دنیا اختیار فرمایا، نہ کوئی گھر بنایا اور نہ کوئی نکاح کیا۔ امراء وسلاطین سے ملنا پسند نہ فرماتے تھے، حالانکہ شیخ کی شہرت سن کر سلطان جلال الدین فیروز خلجی نے بہت الحاح کے ساتھ ملاقات چاہی مگر کامیاب نہ ہوسکا۔

پندرہ سال کی عمر میں دہلی میں شمس الملک شمس الدین خوارزمی سے مقامات حریری پڑھی اور اس کو زبانی یاد کیا۔ کچھ عرصہ بعد یہ خیال ہوا کہ لغو فعل میں مشغول رہا، جب اس پر تنبیہ ہوئی تو شیخ کمال الدین زاہد ماریکلی کی خدمت میں متن حدیث کی مشہور کتاب مشارق الانوار للصنعانی کا درس لیا اور بطور کفارہ مشارق کو حفظ کیا جس میں بخاری ومسلم کی کئی ہزار احادیث ہیں[1]

---

[1] نزهة الخواطر (۱۲۳/۲)

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ

(متوفی: ۷۲۸)

شیخ زمانہ، امام وقت، فقیہ با کمال، مجتہد لا ثانی شیخ الاسلام تقی الدین ابو العباس احمد بن مفتی شہاب الدین عبد الحلیم حرانی دمشقی اسلامی تاریخ کی ان مایہ ناز اور نابغہ روزگار شخصیات میں سے ہیں جن پر برملا فخر کیا جاسکتا ہے، آپ نے تجرد کی زندگی گزاری اور علم کی تحصیل وترویج کی خاطر ساری عمر شادی نہ کی۔

ربیع الاول سن ۶۶۱ ھ کو حران میں پیدا ہونے والے اس عظیم انسان نے حدیث کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنایا، اس کے اجزاء لکھے، شیوخ حدیث کی مجلسوں کے چکر لگائے، حدیث کی تخریج اور تہذیب کی، رجال حدیث، اس کی علتوں اور فقہ حدیث میں مہارت حاصل کی۔

تفسیر قرآن پر عبور کا یہ عالم تھا کہ سیال طبیعت اور رساں ذہن کی وجہ سے دقیق علمی مسائل میں غوطے لگائے اور قرآن مجید سے ان مسائل کا استنباط کیا جن کو پہلے کوئی معلوم نہ کرسکا تھا۔

قوت حفظ کا عالم:

قوت حفظ کا یہ عالم تھا کہ بقول ابو الفتاح ابو غدہ کے...... ان کے علاوہ بہت ہی کم ایسے لوگ ہوں گے جن کو حدیث اور اس سے متعلقہ تمام تفصیلات از بر ہوں اور اس کے ساتھ ضرورت کے وقت متعلقہ حدیث ان کے ذہن میں مستحضر بھی ہو[1]

انہیں دیکھے کوئی میری نظر سے:

صلاح صفدی اپنی کتاب ''الوافی بالوفیات'' میں اپنے استاذ ابن تیمیہؒ کی قوت حافظہ کی مضبوطی اور آپ کی یادداشت کی عمدگی کی تعریف کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

''میں نے انہیں مدرسۃ القصاعین اور مدرسہ حنبلیہ میں کئی بار دیکھا، وہ جب گفتگو کرتے تو آنکھیں بند کرلیتے، ان کی زبان پر عبارتوں کا ہجوم ہوجاتا، اس وقت ان کی حالت قابل دید ہوا کرتی تھی، اس وقت وہ

---

[1] العلماء العزاب، ص: ۲۲۶

ایک ایسے امام کے روپ میں دکھائی دیتے تھے جس کا کوئی ہم پلہ اور ثانی نہ ہو اور ایسے عالم کے لبادے میں ملبوس دکھائی دیتے جس کو ہر علم سے حظ وافر ملا ہو، اس وقت ان کا تیر سیدھا نشانہ پر لگتا تھا اور وہ ایسے مناظر کی طرح نظر آتے تھے جو میدان مناظرہ میں اپنے دلائل کے ذریعہ مدمقابل پر سخت دن لے کر آیا ہو:

و عاينت بدرا لايرى البدر مثله
وخاطبت بحرا لا يرى العبر عائمه

''تم نے ایسے چاند کا دیدار کیا ہے جس نے اپنا ہم مثل نہیں دیکھا اور تم ایسے سمندر سے ہم کلام ہوئے ہو جس میں تیرنے والے نے کنارہ نہیں دیکھا''

میں کئی مرتبہ ان کی صحبت میں بیٹھا، مدرسہ حنبلیہ میں ان کے درس میں کئی دفعہ حاضر ہوا، دوران درس ان کی زبان سے وہ فوائد سنتا تھا جو میں نے کسی اور سے نہیں سنے ہوتے تھے اور نہ ہی میں نے وہ کسی کتاب میں دیکھے ہوتے تھے، خلاصہ یہ کہ وسعت نظر اور قوت حافظہ میں میں نے ان کی نظیر نہیں دیکھی، پہلے حفاظ کے متعلق جو ہم نے سنا تھا وہ اس کی زندہ تصویر تھے، حصول مقصد میں وہ عالی ہمت شخص تھے''[1]

یکبارگی مطالعہ سے کتاب کا حفظ ہو جانا:

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کے بے نظیر حافظہ کے متعلق گفتگو کرتے ہوئے حافظ ابن حجرؒ اپنی کتاب ''الدرالکامنۃ'' میں لکھتے ہیں:

''جمال الدین یوسف بن محمد حنبلیؒ نے اپنی امالی میں کہا ہے کہ ''ہمارے زمانہ میں قوت یادداشت میں ابن تیمیہ عجیب تھے، وہ کسی کتاب کا ایک دفعہ مطالعہ کرتے تو وہ کتاب ان کے ذہن پر نقش ہو جاتی، پھر وہ اس کو اپنی تصنیفات میں بعینہ اسی کے الفاظ میں نقل کیا کرتے''[2]

[1] الوافی بالوفیات: ۱۶/۷ [2] الدرر الكامنة: ۱/۱٦۷

امام عزالدین محمد بن ابی بکر

(متوفی: ۸۱۹ھ)

علم کو شادی پر ترجیح دے کر ساری عمر تجرد میں گزارنے والے یہ عالم فرمایا کرتے تھے:

''میں ایسے تیس علوم جانتا ہوں جن کے ناموں سے میرے ہم عصر واقف بھی نہیں ہیں''

امام عزالدین کے علوم کی تفصیل:

ابو الفتاح ابو غدہ امام عزالدین کے حاصل کردہ علوم کی تفصیل بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''وہ فقہ، تفسیر، حدیث، علم عقائد، اصول مناظرہ، اختلاف مذاہب، تجوید، صرف، معانی، بیان، بدیع، منطق، ہیئت، حکمت، طب، شہسواری، نیزہ بازی، تیر اندازی، تلوار چلانے کا فن، آہنی گرزوں سے مقابلہ، نیزے بنانے کی صنعت، رمل، زمین سے مٹی کا تیل نکالنے کا طریقہ، کیمیا، نجوم، علم الحرف، تعویذ، اور اس کے علاوہ دیگر علوم میں ماہر تھے''[1]

دو ماہ میں حفظ قرآن:

قوت حافظہ کا یہ عالم تھا کہ چھوٹی سی عمر میں آپ کو محدث صدر میدوفی کی مجلس میں بٹھا دیا گیا اور ہر روز آدھے پارے کے حساب سے انہوں نے دو ماہ میں قرآن مجید حفظ کر لیا۔[2]

---

[1] العلماء العزاب، ص: ۲۵۵

[2] العلماء العزاب، ص: شذرات الذهب: ۷/ ۱۳۹، الضوء اللامع: ۷/ ۱۷۱، بغية الوعاة: ۱/ ۱۶۳

ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ

(متوفی:۸۵۲ھ)

علمی دنیا میں ''حافظ ابن حجر عسقلانی'' کے نام سے جانی پہچانی اس عظیم شخصیت کا پورا نام ''شہاب الدین احمد بن علی العسقلانی'' ہے، چودہ جلدوں پر مشتمل فتح الباری جیسی بے مثال شرح بخاری آپ کا لازوال علمی کارنامہ ہے اور پوری دنیا میں بخاری کی بہترین شرح ہونے کے اعتبار سے کسی تعارف کی محتاج نہیں۔

چار برس کی عمر میں پدر بزرگوار کا سایہ سر سے اٹھ گیا تھا، زکی الدین خروبی نے اس یتیمی کی حالت میں آپ کو اپنی آغوش تربیت میں لے لیا اور بڑے ہونے تک انہی کے زیر کفالت رہے۔

باکمال قوت یادداشت کے مالک:

جب پورے پانچ سال کے ہوئے تو مکتب میں داخل کیے گئے، نو برس کی عمر میں صدر الدین سفطی کے پاس قرآن مجید حفظ کیا، قرآن پاک کے علاوہ عمدۃ الاحکام، الحاوی الصغیر، مختصر ابن حاجب، الفیۃ العراقی اور ملحۃ الاعراب وغیرہ کتابیں زبانی یاد کر لی تھیں[1]

آپ کے علمی ماثرات میں بارہ جلدوں کی تہذیب التہذیب، چار جلدوں کی لسان المیزان، نو جلدوں میں الاصابہ، پانچ جلدوں میں تغلیق التعلیق کے علاوہ ایک سو پچاس سے زیادہ تصانیف شامل ہیں، کسر نفسی کا یہ عالم تھا کہ اپنی تصانیف پر تبصرہ کیا تو فرمایا:

﴿واکثر ذلک مما لاتساوی نسخة لغیره لکن جری القلم بذلک﴾

''میری اکثر تصانیف دوسرے اہل علم کی ایک کتاب کے برابر نہیں لیکن بس قلم چل گیا''[2]

---

[1] کشف الباری (۱/۱۰۸)
[2] متاع وقت اور کاروان علم، ص:۲۲۶

سورہ مریم ایک دن میں حفظ:

اللہ تعالی کی طرف سے حافظ ابن حجر کو حافظہ بھی خوب عطا ہوا تھا، ابن فہد نے لکھا ہے کہ آپ سے پوری سورہ مریم ایک دن میں یاد کر لی تھی، حاوی صغیر کا پورا صفحہ دو دفعہ کے پڑھنے سے یاد ہو جاتا تھا، پہلی دفعہ استاذ سے صحیح کر کے پڑھتے اور تیسری دفعہ زبانی سنا دیتے تھے[۱]

ابن حجر کے لاجواب حافظہ کے بارے میں علامہ شوکانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''ابن حجر کے حفظ واتقان کی شہادت ہر قریب وبعید اور دوست ودشمن نے دی حتیٰ کہ لفظ حافظ ان کے لئے ایک اجماعی خطاب بن گیا''[۲]

قوت یادداشت کے لئے ابن حجر رحمہ اللہ کی دعا:

جب پہلی مرتبہ مکہ مکرمہ حاضر ہوئے تو آپ زمزم پیتے وقت دعا کی:

''یا اللہ! مجھے ذہبی جیسا حافظہ عطا فرما''

دعا قبول ہوئی، بیس سال بعد پھر حاضری ہوئی، دوبارہ دعا کی ''یا اللہ! مجھے مزید حافظہ عطا کر!''

اس دعا کے بعد سے اہل نظر علماء کا خیال ہے کہ اللہ تعالی نے حافظ ابن حجر کو علامہ ذہبی پر حافظہ میں فوقیت عطا فرما دی تھی۔[۳]

اسی دعا کی قبولیت کا اثر تھا کہ علم حدیث میں مہارت اور حفظ حدیث کی بنا پر علی الاطلاق ''حافظ'' کے نام سے پہچانے جانے لگے۔

حافظ سیوطی نے ''ذیل تذکرۃ الحفاظ'' میں ان کے تذکرہ کی ابتداء ان الفاظ سے کی ہے:

﴿ابن حجر شیخ الاسلام وامام الحفظ فی زمانہ وحافظ الدیار المصریۃ بل حافظ الدنیا مطلقا قاضی القضاۃ﴾

''ابن حجرؒ شیخ الاسلام ہیں اور اور اپنے زمانہ میں حفظ کے امام ہیں، دیار مصریہ کے بالخصوص اور پوری دنیا کے مطلقا حافظ تھے، چیف جسٹس کے عہدہ پر فائض رہے''[۴]

---

۱ کشف الباری (۱/۱۰۸)
۲ ظفر المحصلین باحوال المصنفین، ص:۱۴۴
۳ ذیل طبقات الحفاظ للسیوطی، ص:۳۸۱
۴ ذیل تذکرۃ الحفاظ للسیوطی، ص:۳۸۰

زود خوانی وز ودنویسی:

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کو تیز پڑھنے کی اس درجہ مشق تھی کہ حیرت ہوتی ہے، ایک دفعہ صحیح بخاری دس نشستوں میں (جو صرف ظہر سے عصر تک ہوتی تھیں) ختم کر ڈالا، اسی طرح صحیح مسلم کو اڑھائی دن میں پانچ نشستوں میں ختم کیا، امام نسائی کی سنن کبری کو بھی دس نشستوں میں ختم کیا، ہر نشست چار ساعات کی ہوتی تھی۔

سب سے بڑھ کر یہ کہ ایک دفعہ اپنے شام کے سفر میں علامہ طبرانی کی ''المعجم الصغیر'' (جس میں ڈیڑھ ہزار کے قریب احادیث مع اسناد مروی ہیں) کو صرف ایک مجلس میں ظہر عصر کے درمیان سنا دیا۔ دمشق میں ان کا دو ماہ دس دن قیام رہا تھا اس اثناء میں اپنے ضروری مشاغل میں مصروفیت اور علمی فوائد نقل کرنے کے علاوہ سو جلدوں کے قریب کتب احادیث کی اہل شام کے لئے قرأت کی تھی۔

حافظ ابن حجر جس طرح زود خواں تھے اسی طرح زود نویس بھی تھے مگر نہایت بدخط تھے اور اس پر طرہ یہ کہ شیوہ خط یکساں نہ تھا جس کی وجہ سے ان کے خط کا پہچاننا اور پڑھنا سخت دشوار تھا۔[1]

آپ کی تدریسی زندگی کی ایک خاص بات یہ تھی کہ آپ نے اپنی بے شمار علمی و دینی مصروفیات کے باوجود ایک ہزار سے زائد مجالس میں اپنے حفظ سے امالی بھی لکھوائے۔[2]

---

[1] کشف الباری (۱/۱۱۱)
[2] کشف الباری (۱/۱۱۰)

شیخ عبدالوہاب متقی برہان پوری

(متوفی:۱۰۰۱ھ)

شیخ عبدالوہاب متقی حدیث وفقہ میں تعمق کے حامل ہونے کے ساتھ ساتھ علم تصوف میں بھی امامت کا درجہ رکھتے تھے، بیس سال کی عمر میں مکہ مکرمہ پہنچے اور صاحب کنز العمال شیخ علی متقیؒ کی خدمت میں بارہ سال رہ کر فقہ، حدیث اور تفسیر وغیرہ میں کمال دسترس حاصل کی۔

اپنے شیخ متقی کی وفات کے بعد ان کے جانشین اور خلیفہ ہوئے اور ۲۶ سال تک مکہ معظّمہ میں علوم ظاہری و باطنی کا درس دیتے رہے۔ ۴۰ سال تک دیار پروردگار میں قیام پذیر رہے اور کسی سال کا حج فوت نہیں ہوا۔ تلامذہ میں جو جس ملک کا رہنے والا ہوتا اس کو اس کی زبان میں سبق سمجھاتے۔

مکہ میں قیام کے زمانہ میں ہندوستان کے معروف محدث شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ بھی آپ کے حلقہ درس میں شامل رہے اور خرقہ خلافت حاصل کیا۔

قاموس جیسی ضخیم لغت کے حافظ:

اللہ تعالیٰ نے شیخ عبدالوہابؒ کو کمال کا حافظہ عطا فرمایا تھا، شیخ عبدالحق دہلوی نے ''اخبار الاخیار'' میں آپ کا تذکرہ نہایت بسط و تفصیل سے کیا، حافظہ کا ذکر کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

''قاموس لغت مبالغہ می تو ان گفت کہ گویا ہمہ یاد داشت وفقہ وحدیث نیز ہمیں حکم دارد''

''شاید ہی مبالغہ ہو کہ یہ کہا جائے کہ انہیں قاموس لغت پوری یاد تھی، ان کی یہ مہارت فقہ وحدیث میں بھی تھی۔''[1]

---

[1] اخبار الاخیار، ص:۲۷۲

مولانا فرخ شاہ سرہندی رحمہ اللہ

(متوفی:۱۱۲۲ھ)

مولانا فرخ شاہ سرہندی معقول ومنقول اور فقہ وتصوف میں ید طولی رکھتے تھے نسبت بھی عالی تھی، شیخ احمد سرہندی اور مجدد الف ثانی رحمہما اللہ آپ کے آباؤ اجداد میں سے تھے، تمام علوم کی تکمیل اپنے والد محترم شیخ محمد سعید کی خدمت میں کی۔

حج وزیارت سے فارغ ہونے کے بعد درس وتدریس میں لگ گئے، بہت سے علماء نے ان سے استفادہ کیا۔ حافظہ غضب کا تھا، ان کی قوت یادداشت وحافظہ کے متعلق صاحب نزہۃ الخواطر فرماتے ہیں:

﴿انہ کان یحفظ سبعین الف حدیث متنا واسنادا اوجرحا وتعدیلا ونال بمنزلۃ الاجتھاد فی الاحکام الفقھیۃ﴾

''ستر ہزار احادیث کو مع ان کی اسناد، راویوں کے جرح وتعدیل کے یاد کیا تھا اور احکام فقہ میں درجہ اجتہاد حاصل ہو گیا تھا۔''[1]

---

[1] نزہۃ الخواطر (۲۲۲/۶)

بدرالدین الحسینی مغربی

(متوفی: ۱۳۵۴ھ)

محمد بن یوسف بدرالدین الحسینی مغربی مراکشی کی ولادت دمشق میں ہوئی، تعلیم سے فراغت کے بعد درس وتدریس وعبادت کے سوا دنیا سے قطع تعلق کرلیا، نہایت پرہیز گار اور شب زندہ دار بزرگ تھے، دن کو روزہ رکھتے اور رات کو راز ونیاز کے ذریعہ قیمتی بناتے:

ہمارا کام ہو راتوں کو رونا یاد دلبر میں
ہماری نیند ہو محو خیال یار ہو جانا

حدیث کے بہترین عالم ہونے کی وجہ سے ''محدث شام'' کے لقب مشہور تھے، دنیا اور اہل دنیا سے بے تعلق ہونے کے اہل شام اور حکام وقت کی نگاہوں میں ان کی بڑی قدر ومنزلت تھی، یہاں تک کہ ایک مرتبہ جب ترکوں اور اتحادیوں میں جنگ چھڑی تو عوام نے بالا تفاق ان کے ہاتھ پر بیعت کرلی کہ آپ خلیفۃ المسلمین ہو جائیں مگر آپ نے انکار کردیا اور اپنی عزلت نشینی کو تیز کردیا۔

بخاری، مسلم اور بیس ہزار اشعار کے حافظ:

اللہ تعالیٰ نے حافظہ بھی غضب کا عطا فرمایا تھا، علامہ زرکلی بڑی صراحت کے ساتھ تحریر فرماتے ہیں:

﴿فحفظ الصحيحين غبا باسانيدهما ونحو ۲۰ الف بيتا من متون العلوم المختلفة﴾

''آپ کو بخاری شریف اور مسلم شریف احادیث کی اسناد کے ساتھ حفظ تھیں اس پر بس نہیں بلکہ مختلف علوم کے بیس ہزار اشعار بھی ازبر تھے''[1]

یہ واقعہ منکرین حدیث اور ان نام نہاد روشن خیالوں کے لئے رد بلیغ ہے جو بخاری ومسلم کے حفظ کو محض افسانہ سمجھتے ہیں۔

---

[1] الاعلام للزرکلی، ص:۳۳

سراج الہند شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ

(متوفی:۱۲۳۹ھ)

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے سب سے بڑے صاحبزادے حضرت شاہ عبد العزیزؒ رمضان ۱۱۵۸ھ میں پیدا ہوئے، حافظہ کی قوت اور مضبوطی کا یہ عالم تھا کہ گیارہ سال کی عمر میں عربی کی ابتداء کی اور پندرہ سال کی عمر میں تمام علوم کی تحصیل سے فراغت حاصل کرلی۔

صاحب نزہۃ الخواطر آپ کے حافظہ اور ذہانت کے بارے میں فرماتے ہیں:

﴿وکان رحمه الله احد افراد الدنیا بفضله و آدابه وذکاءه وفهمه وسرعة حفظه ،اشتغل بالدرس والافادة وله خمس عشرة سنة﴾

''حضرت شاہ عبدالعزیزؒ اپنی صلاحیت وفضیلت، فہم وذکاوت اور حافظہ کی تیزی میں دنیا کے چند گنے چنے لوگوں میں سے تھے، ابھی آپ کی عمر پندرہ برس تھی کہ درس وتدریس میں مشغول ہوگئے''۔[1]

آپ کے کتب خانہ میں پندرہ ہزار کتابیں تھیں، آپ نے ان سب کا مطالعہ کیا تھا، فرماتے تھے ''جن علوم کا میں نے مطالعہ کیا اور وہ یاد بھی ہیں ان کی تعداد ڈیڑھ سو ہے''۔[2]

حضرت تھانویؒ نے حضرت مولانا شیخ محمد صاحب تھانوی سے حضرت شاہ صاحب کے بارے میں نقل کیا ہے کہ آپ کو چھ ہزار احادیث کے متن یاد تھے۔[3]

۱۲۳۹ھ کو اسی سال کی عمر میں متعدد اذیت رساں امراض کی وجہ سے آپ کی وفات ہوئی۔

---

[1] نزہۃ الخواطر: ۳۴۶/۷ [2] نزہۃ الخواطر: ۳۴۶/۷ [3] کشف الباری (۹۳/۱)

مولانا محمد یحییٰ کاندھلوی

(متوفی:۱۳۳۴ھ)

برصغیر پاک وہند کے اس مایہ ناز عالم نے محض سات سال کی عمر میں قرآن مجید حفظ کرلیا تھا، لیکن حفظ مکمل کرنے کے بعد والد صاحب کی طرف سے اس بات کے مامور ہوئے کہ جب تک دن میں قرآن مجید ایک مرتبہ مکمل نہ کرلو روٹی نہیں ملے گی، ہاں ختم کے بعد تمام دن چھٹی...... مولانا فرمایا کرتے تھے:

''میں عموماً ظہر سے قبل پورا کلام مجید ختم کرلیا کرتا تھا اور پھر کھانا کھا کر چھٹی کے وقت اپنے شوق سے فارسی پڑھا کرتا تھا، حفظ قرآن کے زمانہ میں آپ نے خفیہ طور پر فارسی کے بہت سے دواوین از خود دیکھ لئے تھے اور باوجود اس کے حفظ قرآن کے سبق پر اثر نہیں آنے دیا''[1]

اللہ تعالیٰ نے آپ کو انتہائی مضبوط قوت حفظ وضبط عطا فرمائی تھی، آپ کا معمول یہ تھا کہ نفحۃ الیمن، متنبّی اور حماسہ جیسی کتابیں آپ زبانی طلبہ کو املاء کرواتے تھے، ادب کی اکثر کتابیں آپ کو حفظ تھیں، منطق کی مشہور کتاب ''سلم'' تو آپ کی نوک زبان پر تھی، فرماتے ہیں:

''سلم مجھے از بر یاد تھی اور تسبیح لے کر میں نے اس کی عبارت دوسو مرتبہ پڑھی ہے''[2]

منطق کے علاوہ باقی کتابیں آپ نے دہلی کے مدرسہ حسین بخش سے پڑھیں مگر حدیث پڑھنے کا خیال دل سے نکال دیا تھا کیونکہ یہ خیال دل میں بیٹھ گیا تھا کہ دہلی میں حدیث پڑھنے سے آدمی غیر مقلد ہوجاتا ہے، فرمایا کرتے تھے:

''میرے بھائی مولوی محمد صاحب نے چونکہ حدیث گنگوہ میں پڑھی تھی اس لئے میں حضرت کا معتقد تھا اور میں نے ٹھان لی تھی کہ حدیث پڑھوں گا تو گنگوہ میں پڑھوں گا ورنہ نہیں پڑھوں گا مگر زمانہ وہ

---

[1] تذکرۃ الخلیل، ص:۲۰۰

[2] تذکرۃ الخلیل، ص:۲۰۰

تھا کہ حضرت امام ربانی کی آنکھ میں نزول ماء شروع ہو چکا تھا اور حضرت نے دورہ کا درس بند فرما دیا تھا''[1]

ایسے جواب تو مدرس بھی نہیں دے سکتا!

یہاں (مدرسہ حسین بخش میں) امتحان کا وقت قریب آیا تو اہل مدرسہ نے مولوی محمد یحییٰ صاحب کا نام بھی بخاری کے امتحان میں لکھ دیا حالانکہ آپ نے اس کا ایک سبق بھی نہیں پڑھا تھا آپ فرمایا کرتے تھے:

''اہل مدرسہ نے والد صاحب پر زور دیا تو انہوں نے فرمایا یحییٰ کیا حرج ہے ابھی پانچ مہینے باقی ہیں اس میں پڑھ لو۔ چنانچہ وہ پانچ مہینے میں نے نظام الدین کے حجرہ میں اس طرح گزارے کہ خود مسجد کے رہنے والوں کے معلوم نہ تھا کہ میں کہاں ہوں بجز ان دو لڑکوں کے جن کے ذمہ میری روٹی اور وضو کے لئے پانی لانا مقرر تھا، چنانچہ اسی دوران میں کاندھلہ سے میرے نکاح کی طلبی کا تار آیا تو لوگوں نے یہ کہہ کر واپس کر دیا کہ مکتوب الیہ عرصہ سے یہاں نہیں ہے اور نا معلوم کہاں چلا گیا جب ان طلبہ کو خبر ہوئی تو مجھے بھی تار کی اطلاع ہوئی۔

غرض اسی دوران میں نے بخاری شریف، سیرت ابن ہشام، طحاوی، ہدایہ اور فتح القدیر بالاستیعاب اس اہتمام سے دیکھی ہیں کہ خود مجھے حیرت ہے، اتفاق سے حضرت مولانا خلیل احمد صاحب ممتحن تجویز ہوئے اور تشریف لائے تو میرے جوابات دیکھ کر یہ لفظ فرمائے کہ ایسے جوابات تو مدرس بھی نہیں لکھ سکتا''[2]

---

[1] تذکرۃ الخلیل، ص: ۲۰۲ [2] تذکرۃ الخلیل، ص: ۲۰۲

علامہ بشیر احمد غزی حلبی رحمۃ اللہ علیہ

(متوفی: ۱۳۳۹ھ)

ساری زندگی تجرد کی زندگی گزارنے والے علامہ حلبیؒ کو جب شادی کی ترغیب دی گئی تو آپ نے جواب میں متنبیؔ کا یہ شعر پیش کیا:

وما الدھر اھل ان یؤمل عندہ
حیاۃ وان یشتاق فیہ الی النسل

''زمانہ اس قابل نہیں ہے کہ اس میں کسی قسم کی زندگی کی آرزو یا امید رکھی جائے یا اس میں نسل کا خواہشمند ہوا جائے''

قوت یادداشت میں اللہ کی نشانی:

آپ قوت حافظہ اور یادداشت کے ملکہ میں اللہ کی نشانیوں میں سے ایک تھے، آپ کے بھائی کامل غزی آپ کے تعارف میں فرماتے ہیں:

''میرے بھائی ۱۲۷۴ھ میں پیدا ہوئے، سات سال کی عمر میں انہوں نے ولی اللہ شیخ شریف جو اعرج کے لقب سے مشہور تھے، قرآن مجید حفظ کرلیا، ایک سال ان کے ہاں ٹھہرنے کے بعد وہاں سے نکلے تو پڑھنے اور لکھنے کو اپنا مشغلہ بنالیا۔ نو سال کی میں ان کو ہاتھ سے لکھی ہوئی ایسی کتابیں دیتا جن کی لکھائی صحیح نہ ہوتی تھی تو وہ ان کتابوں کو تیزی کے ساتھ فصیح لہجے میں پڑھتے اور بہت کم ان سے غلطی سرزد ہوتی تھی۔ اسی عمر میں انہوں نے امام غزالیؒ کی طرف منسوب ''خاتم مخمس'' شیخ یوسف سرمینی سے جو کہ اپنے زمانے میں ذکاوت اور فطانت میں مشہور تھے بنانی سیکھی۔ کچھ عرصہ تک وہ اوقات معلوم کرنے کے فن میں مشہور ایک شخص کے پاس بھی آتے جاتے رہے، شیخ عبدو نامی یہ شخص جامع عدلیہ میں مقیم تھا، انہوں نے اس فن میں مہارت حاصل کرلی تھی۔ تیرہ سال کی عمر میں انہوں نے میرے ہمراہ کتابوں کے متون یاد کرنا شروع کیے۔ بلا مبالغہ کہتا ہوں

کہ انہوں نے علم النحو کی اہم کتاب ''الفیۃ ابن مالک'' کو جو کہ ایک ہزار اشعار پر مشتمل ہے بیس دنوں سے بھی کم میں یاد کرلیا تھا۔ میں ان کے حافظہ کی قوت اور تیزی سے بڑا حیران ہوا کرتا تھا۔ اس کے بعد انہوں نے ادب کی کتابوں کو یاد کرنا شروع کیا، تھوڑے ہی عرصہ میں انہوں نے بہت سے عربی اشعار اور ادب واخلاق کی کتابوں کی بہت سی منتخب عبارتیں یاد کرلیں۔ فقہ حنفی کی مشہور کتاب ''کنز الدقائق'' کا بھی اکثر حصہ انہوں نے زبانی یاد کر رکھا تھا''۔

آگے فرماتے ہیں:

''کتنی ہی مرتبہ ایسا ہوا کہ ہم ایک چیز کو جانتے تھے لیکن عربی میں ہمیں اس کا نام معلوم نہیں ہوتا تھا، عربی لغات کی جن جن جگہوں کے بارے میں ہمارا خیال ہوتا کہ اس کا نام وہاں مل جائے گا وہ سب ہم چھان مارتے لیکن طویل محنت اور جستجو کے بعد جب ہمیں کچھ نہ ملتا تو ہم ان سے دریافت کرتے تو فوراً فی البدیہہ یوں گویا ہوتے کہ اس کا نام یہ ہے اور یہ فلاں لغت کے فلاں مادے میں یا فلاں شعر میں مذکور ہے، جب ہم ان کی بتائی ہوئی جگہ پر دیکھتے تو بالکل ویسا ہی پاتے جیسے انہوں نے بتایا ہوتا تھا۔ سچی بات تو یہ ہے کہ وہ عربی زبان، اس کے اشعار اور اس کی تاریخ میں ایک بہت بڑی نشانی تھے۔ ادب میں ان کی گفتگو سننے والا یہ سمجھتا تھا کہ اس فن کی کوئی بھی نادر بات اس شخص کی نظروں سے اوجھل نہیں ہے۔ الاغانی، شرح دیوان الحماسۃ، امالی القالی، کامل المبرد، تینوں مشہور عربی شعراء طائی، بحتری اور متنبی کے مختارات اور ابو العلاء کے اشعار ''اللزومیات سقط الزند'' وغیرہ جن کے یاد کرنے اور سینے میں محفوظ کرنے کو عقل ناممکن سمجھتی ہے یہ سب ان کو زبانی یاد تھے اور وہ طلبہ کو یہ سب زبانی لکھانے پر قادر تھے''۔[1]

---

[1] العلماء العزاب، ص: ۲۹۸

امام العصر حضرت شیخ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ

(متوفی:۱۳۵۲ھ)

سرزمین برصغیر پاک وہند اپنی علمی وراثت کی عظیم سرمایہ دار ہونے کی حیثیت سے کسی تعارف کی محتاج نہیں، اس سرزمین نے عالم اسلام کو وہ لافانی اور بے مثال شخصیات عطا فرمائیں جنہوں نے اپنی حیران کن خداداد صلاحیتوں اور شب وروز کی محنت کے ذریعہ دنیا میں اپنا لوہا منوایا اور وہ کچھ کر دکھایا جو انہیں کرنا چاہئے تھا۔

سرزمین برصغیر کا ایک گل سرسبد:

اس زرخیز سرزمین کے ایک گل سرسبد کا نام "انور شاہ" بھی ہے جسے دنیا خاتمۃ المحدثین، علامہ زماں، عالم نکتہ داں، فقیہ بے مثل حضرت اقدس شیخ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ کے نام سے یاد کرتی ہے۔آپ عالم اسلام کی ان عبقری اور عجوبہ روزگار شخصیات میں سے تھے جن کی خوشبو ہمیشہ محسوس کی جاتی رہے گی اور جن کا نام آتے ہیں حروف ہونٹوں کو چوما کریں گے۔

آپ کے حلقہ درس میں شریک ہونے والے علماء وطلبہ آپ کے وسیع علم اور لاجواب حافظہ کا حال دیکھ کر حیران وششدر رہ جاتے۔آپ کے درس کی تقریر ایک بحر ذخار ہوتی تھی جو نفس کتاب پر روشنی ڈالنے کے علاوہ اطراف وجوانب پر محیط ہوتی، ہزاروں تشنگان علوم اس بحر بیکراں سے اپنی علمی پیاس بجھا کر ملک کے چاروں طرف پھیل گئے، آپ کے تلامذہ میں بڑے بڑے باکمال اور جید عالم ہوئے اور عرصہ تک علوم انوریہ کی نشر واشاعت میں مشغول رہے، ان علوم کی مہک صدیوں تک محسوس کی جاتی رہے گی اور حضرت شیخ کی یادوں کا گلشن مہکتا ہی رہے گا۔

حکیم الامتؒ کا ایک تاریخی جملہ:

آپ کے ہم عصر علماء وفضلاء نے نہ صرف آپ کی جلالت علمیہ کا اعتراف کیا بلکہ آپ کو عالیشان القابات سے بھی نوازا، حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ فرمایا کرتے تھے:

"علامہ کشمیری کا مسلمان ہونا اسلام کی حقانیت کی دلیل ہے، اگر خدانخواستہ اسلام باطل مذہب ہوتا یا اس میں کجی ہوتی تو اتنا بڑا عالم

ہرگز اسلام پر قائم نہ رہتا۔[1]

علامہ کشمیریؒ کا حافظہ، اہل علم کی نظر میں:

آپ کی ذکاوت، ذہانت اور حفظ علوم ضرب المثل تھا، آپ کا دماغ ایک کتب خانہ سمجھا جاتا تھا، جس علم یا جس کتاب کا ذکر ہوتا اس کے متعلق آپ پوری معلومات کا ذخیرہ لگا دیتے جیسے ابھی ابھی صرف اسی بارے میں اچھی طرح مطالعہ کر کے بیان کر رہے ہیں۔

دارالعلوم کے شاندار اور وسیع کتب خانہ میں تقریباً تمام کتابیں آپ کی مطالعہ کردہ تھیں اور مضامین کا اکثر حصہ محفوظ رہتا تھا۔

مولانا مولوی محمد مصطفیٰ خانؒ فرمایا کرتے تھے:

> ''علامہ کشمیریؒ کا یہ دعویٰ تھا کہ جس کتاب کو ایک بار پڑھتا ہوں تو بیس سال تک محفوظ رہتی ہے''

شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ نے یادداشت کی مدت پندرہ سال بتائی ہے[2]

قاری حمید الامین سنبھلی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے:

> ''میرے زمانہ درس میں لوگوں کو ایک قلمی کتاب حدیث ملی، جس کا اول و آخر غائب تھا، اہل علم کی خدمت میں پیش کر کے نام معلوم کرنے کی کوشش کی گئی، مگر کسی نے عقدہ کشائی نہ کی، بالآخر حضرت علامہ کشمیریؒ کے سامنے پیش ہوئی، آپ نے ادھر ادھر سے دیکھ کر فرمایا ''حدیث کی فلاں کتاب ہے اور لائبریری میں فلاں نمبر پر ایک نسخہ ہے'' چنانچہ اس نمبر کی کتاب نکالی گئی تو بعینہ وہی کتاب تھی''[3]

حضرت کشمیریؒ کی عادت مبارکہ یہ تھی کہ طلبہ کو حدیث کا درس دیتے وقت عجیب وغریب نکات بیان فرماتے اور کتابوں کا نہ صرف حوالہ بلکہ صفحہ کا صفحہ پڑھ کر سنا دیتے تھے۔

علامہ کشمیریؒ کو حفظ و یادداشت میں ایسی شہرت نصیب ہوئی کہ مولانا ادریس صاحب کاندھلویؒ فرمایا کرتے تھے:

---

[1] اسلاف کے حیرت انگیز کارنامے، ص:۱۰۴ [2] اسلاف کے حیرت انگیز کارنامے، ص:۱۰۵

[3] حیات کشمیری، ص:۱۲۳

''لفظ انور شاہ کی دلالت اولی قوت حافظہ پر ہے''[۱]

مولانا حبیب الرحمٰن عثمانی فرماتے ہیں:

''شاہ صاحب کا دماغ تو ایک کتب خانہ ہے جس علم کی جس وقت کوئی کتاب اپنے دماغ کے کتب خانہ سے اٹھانا چاہتے ہیں بے تکلف اٹھا لیتے ہیں''[۲]

مولانا منظور احمد نعمانی کا بیان ہے کہ مجھے ایک بار کسی ضرورت کے تحت یہ معلوم کرنا تھا کہ قرآن حکیم میں سرقہ سے متعلق آیات کون سے سن میں نازل ہوئیں، پہلے میں نے اپنی دسترس کے مطابق تفسیر کا کافی ذخیرہ چھان ڈالا اور جب مفید مطلب چیز نہیں ملی تو حضرت سے دریافت کیا آپ نے فوراً فرمایا ''درمنثور کا فلاں موقعہ دیکھ لو، سیوطی نے بھی ان آیات کا سن نزول ذکر کیا ہے'' چنانچہ تلاش کے بعد نشان دادہ مقام پر مطلوبہ تحقیق حاصل ہوگئی۔[۳]

جب مولانا طیب صاحب مہتمم دارالعلوم مشاہیر کا تذکرہ ترتیب دے رہے تھے تو ابو الحسن کذاب اور اس کی کذب بیانیوں کے واقعات معلوم کرنا تھے، شاہ صاحب سے ان کے مرض الوفات میں دریافت فرمایا تو آپ نے ابوالحسن کذاب کا مفصل تذکرہ بقید سنین بیان کر ڈالا اور فرمایا:

''چالیس سال پہلے ابوالحسن کے متعلق ایک کتاب مطالعہ سے گذری تھی اس وقت آپ کے سوال پر وہی محفوظ چیزیں ذکر کرتا ہوں''[۴]

مولانا حسین احمد مدنی رحمہ اللہ جو کہ علامہ کشمیری رحمہ اللہ کے خواجہ تاش اور معاصر علماء میں سے ہیں، آخر میں جب علامہ کشمیریؒ پر مسلسل بیماریوں کے حملے سے نیم جان ہو رہے تھے ایک روز ان سے فرمایا:

''اس وقت بھی میرا یہ حال ہے کہ جس کتاب کا سرسری طور پر بھی مطالعہ کر لیتا ہوں پندرہ سال تک بقید صفحات اس کے مضامین یاد رہ جاتے ہیں''[۵]

۱۔ حیات کشمیری، ص:۱۲۷ ۲۔ حیات کشمیری، ص:۱۳۱ ۳۔ حیات کشمیری، ص:۱۳۱

۴۔ حیات کشمیری، ص ۱۲۸ ۵۔ حیات کشمیری، ص:۱۲۷

چھبیس سال بعد......!

مولانا یوسف بنوری رحمہ اللہ حضرت کشمیریؒ کے حافظہ کے بارے میں کچھ ان الفاظ میں رقم طراز ہیں:

''شاہ صاحب نے ۱۳۲۱ھ میں ''فتح القدیر'' کا مطالعہ فرمایا اور پھر ۱۳۴۷ھ میں درس بخاری شریف میں تحدیث نعمت کے طور پر طلبہ کے سامنے فرمایا کہ چھبیس سال ہو گئے فتح القدیر کا مطالعہ کیا تھا اس کے بعد مراجعت کی ضرورت پیش نہیں آئی جو کچھ بیان کروں گا اگر مراجعت کرو گے تو تفاوت کم پاؤ گے''۔[1]

زمیں کھا گئی آسماں کیسے کیسے:

علامہ کشمیریؒ کے خلف رشید مولانا انظر شاہ کشمیری نے آپ کی سوانح لکھی اور کیا خوب لکھی، اس سوانح عمری میں حضرت کی عمر تمام کا خلاصہ، علم وآگہی کے رسوم اور نقوش دوام کا تفصیلی تذکرہ ملتا ہے۔ علامہ انظر شاہ اپنے عظیم والد کے حافظہ کا تذکرہ کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

''شاہ صاحب کے غیر معمولی حافظہ کو دیکھ کر اہل علم میں مشہور ہے کہ اگر آخری دور میں بے مثل یادداشت کا ایک انسان خود اپنی آنکھوں سے نہ دیکھ لیتے تو محدثین کی حفظ و یادداشت کے واقعات ہمارے لئے ناقابل اعتبار رہتے گویا کہ خدائے تعالیٰ نے تیرہویں صدی میں گذشتہ صدی کے اکابر محدثین کی پاکیزہ زندگیوں کو قابل اعتبار ٹھہرانے کے لئے اپنی کامل قدرت کا ایک نمونہ مولانا انور شاہ کے قالب میں ڈھال دیا تھا۔ عرض کرنے کو تو یہی جی چاہتا ہے کہ دین کی حفاظت وصیانت کے لئے خدائے تعالیٰ جو موقعہ بموقعہ مناسب شخصیتیں پیدا فرماتا ہے کیا عجب ہے کہ مقصود علوم کی حفاظت کے لئے بھی مناسب افراد ورجال اٹھائے جاتے ہوں اور مطلوبہ

---

[1] حیات کشمیری، ص:۱۲۵

صلاحیتوں سے انہیں آراستہ کیا جاتا ہو، پس چھوٹا منہ اور بڑی بات مولانا انور شاہ کشمیری کو اس تیرھویں صدی میں حدیث کی حجت کے لئے پیدا کیا گیا، آپ سے متعلق دانشوروں کے حلقہ میں یہ تاثر کہ آپ کو دیکھ کر پچھلے محدثین کے حافظہ سے متعلق واقعات قابل قبول بن گئے۔ میرا خیال تو یہی ہے کہ ایک حقیقت ہے جو زبان خلق پر بقوت آ گئی، اگر چہ یہ خصوصیات اور فضائل موہبت الٰہی ہیں لیکن خدا تعالی ہی ان عطیات کی حفاظت کا سامان بھی پیدا فرماتا ہے۔"[۱]

بخاری شریف نوک زبان پر!

علامہ انظر شاہ کے مطابق علامہ کشمیریؒ کے حافظہ کے یہ بے مثال جوہر سب سے پہلے میرٹھ کے ایک مناظرے میں منظر عام پر آئے۔ مولانا اعزاز علی صاحبؒ کی روایت یہ ہے کہ میں میرٹھ میں درس نظامی کے پڑھنے میں مشغول تھا کہ اچانک ایک روز شہر میں اعلان ہوا کہ فلاں غیر مقلد عالم سے جنہوں نے اپنے مسلک کی پرقوت ترجمانی سے اہل تقلید کے قلوب لرزا دیئے تھے مناظرہ کرنے کے لئے مولانا انور شاہ دہلی سے آرہے ہیں، میرٹھ کے پرانے اہل علم جو اب تک شاہ صاحب کے نام ونشان سے ناواقف تھے یہ اعلان سن کر سراسیمہ ہو گئے، اندیشہ تھا کہ ایک منجھے منجھائے مناظر کے مقابلہ میں غیر معروف شخصیت کا چلا آنا احناف کی رسوائی کا موجب نہ ہو، جمعہ کے بعد متعین مسجد میں علماء، طلباء اور عوام کا بے پناہ ہجوم اس فیصلہ کن مناظرہ کو دیکھنے کے لئے دور دور سے سمٹ آیا، اچانک ایک جانب سے چند آدمیوں کے ساتھ ایک نوجوان آتا ہوا دکھائی دیا معلوم ہوا کہ یہی مولانا انور شاہ ہیں جو مدرسہ امینیہ کے صدر مدرس ہیں، بوڑھے، تجربہ کار، کہن سال، سرد، گرم، چشیدہ مناظر کے مقابلہ میں اس نوجوان کو دیکھ کر دل دہل گئے، مناظرہ شروع ہوا تو مولانا انور شاہ نے حریف کو مخاطب کر کے فرمایا:

"آپ اہل حدیث ہیں اور حافظ حدیث ہونے کے دعویدار، اگر یہ

---

[۱] حیات کشمیری، ص: ۱۲۵

: سچ ہے تو بخاری شریف کے کچھ صفحات آپ مجھ کو سنا دیجئے''

مناظرِ عالم نے لوٹ کر کہا'' آپ ہی کچھ صفحات سنائیں''

مولانا اعزاز علی رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ اس نوجوان نے کھڑے کھڑے ''باب کیف کان بدأ الوحی علی رسول اللہ ﷺ'' سے بسم اللہ پڑھ کر جو ابتدا کی تو بخاری شریف کے پچیس تیس صفحات مسلسل پڑھنے کے بعد سراپا حیرت مجمع میں حریف سے یہ پوچھنے لگے کہ جو کچھ پڑھ چکا ہوں کافی ہے یا اور پڑھوں؟ حریف کی تلاش کی تو نہ جانے وہ کدھر سے نکل چکے تھے، میرٹھ سے نکل کر اس مناظرہ کی شہرت دور دور تک پہنچ گئی اور یہ پہلا دن تھا کہ شاہ صاحب کے بے نظیر حافظہ پر لوگوں کو اطلاع ہوئی، پھر قوت حافظہ کی یہ شہرت علمی حلقوں سے نکل کر عوام وخواص تک پہنچ چکی ہے[1]

علامہ کشمیریؒ، فاتح قادیانیت:

علامہ کشمیری رحمہ اللہ کی غیر معمولی یادداشت کا نتیجہ یہ تھا کہ کوئی شخص آپ کو کسی وقت کسی کتاب کے حوالہ یا کسی مضمون کی نقل میں دھوکہ نہیں دے سکتا تھا چنانچہ بہاولپور کا مشہور مقدمہ جس میں قادیانیت کے خلاف کئی روز آپ نے مسلسل بیان دیا، ایک روز اس مفصل تقریر پر جو آپ نے ختم نبوت کو ثابت کرنے کے لئے تواتر سے متعلق فرمائی جس سے آپ یہ ثابت کرنا چاہتے تھے کہ ہمارا دین متواتر ہے اور تواتر کا انکار کرنے والا مرتد وکافر ہے۔ اس ذیل میں اپنی اجتہادی تحقیق تواتر کی چہار گانہ تقسیم ان کی تعریف اور مثالوں سے تشریح وتفصیل کی۔

جلال الدین شمس قادیانی نے آپ کو مخاطب فرما کر کہا کہ آپ تواتر کے منکر کو کافر کہتے ہیں حالانکہ ''بحر العلوم'' نے ''فواتح الرحموت'' شرح مسلم الثبوت میں امام فخر رازی کے متعلق لکھا ہے کہ وہ متواتر معنوی کے منکر ہیں۔ اس پر شاہ صاحب نے جج سے فرمایا:

'' آپ ان سے یہ کتاب اور حوالہ طلب کیجئے میرے پاس اس وقت یہ کتاب موجود نہیں''

[1] حیات کشمیری، ص:۱۲۶۔۱۲۷

جلال الدین شمس کتاب ہاتھ میں لے کر ورق گردانی کرنے لگا تو آپ پر جوش انداز میں کھڑے ہو گئے اور کتاب اس کے ہاتھ سے چھین لی اور جج سے فرمایا:

''یہ صاحب ہمیں دھوکہ دینا چاہتے ہیں لیکن میں طالب علم ہوں دو چار کتابیں دیکھی ہیں ان سے مفحم (خاموش) نہیں ہوں گا، بتیس سال ہوئے میں نے اس کتاب کا مطالعہ کیا تھا بحر العلوم نے یہ نہیں لکھا کہ رازی تواتر معنوی کا انکار کرتے ہیں بلکہ انہوں نے لکھا ہے کہ امام رازی حدیث ''لا تجمع امتی علی الضلالۃ'' کے متواتر معنوی ہونے کا انکار کرتے ہیں''

یہ کہتے ہوئے آپ نے فواتح الرحموت کی عبارت بھی سنائی، جلال الدین شمس اپنی اس صریح غلط بیانی پر شرمندہ ہو کر رہ گیا۔[1]

تحریف شدہ عبارت کی نشاندہی:

جس زمانہ میں ہندوستان میں ''امیر شریعت'' کے انتخاب کا مسئلہ شباب پر تھا، حسب دستور مخالف اور موافق علماء اسلام کی تصریحات و بیانات کو اپنے اپنے مقصد کے لئے استعمال کر رہے تھے، علماء دیوبند کا اس مسئلہ میں ایک خاص نظریہ تھا اور بہت آشکارا...... اس زمانہ میں گورکھپور کے ایک عالم مولانا سبحان اللہ صاحب ایک تحریر لے کر دیوبند آئے اس میں ائمہ احناف میں سے ایک مسلمہ شخصیت کا ایک ایسا قول بھی استدلال میں پیش کیا گیا تھا جس میں اکابر دیوبند کے نظریات کی تغلیط ہوتی، مولانا سبحان اللہ خان نے یہ تحریر مولانا حبیب الرحمٰن عثمانی کے سامنے پیش کی موصوف نے اسی وقت اکابر دار العلوم کو اپنی خصوصی نشست گاہ پر جمع فرمایا، مشکل یہ تھی کہ نقل کردہ عبارت کو اگر قبول کر لیا جائے تو وہ اکابر کے نظریہ کے خلاف تھی، تردید کی صورت میں ایک مسلمہ امام کی تحقیق کا انکار ہوتا، اسی حیص وبیص میں فیصلہ کیا گیا کہ تمام اکابر شاہ صاحب کی خدمت میں پہنچیں، آپ کے رہائشی کمرہ پر جو دار العلوم کے احاطہ میں تھا تمام اساتذہ اور مولانا حبیب الرحمٰن تشریف لائے، آپ اس

[1] حیات کشمیری، ص: ۱۲۸۔۱۲۹

وقت قضائے حاجت کے لئے تشریف لے گئے تھے واپسی پر یہ تحریر اور اپنی الجھن کا ذکر کیا، آپ نے تحریر کو لیا اور ایک نظر ڈال کر فرمایا:

''حوالے کے نقل میں جعل وتصرف کیا گیا ہے فلاں کتاب سے یہ عبارت نقل کی گئی ہے اور یہ کل تین سطریں ہیں درمیان سے ایک سطر حذف کردی گئی''

نشان دادہ کتاب منگائی گئی اور دیکھنے پر معلوم ہوا کہ فی الواقع عبارت میں تصرف سے کام لیا گیا تھا جیسے ہی ساقط کردہ سطر کو سامنے لایا گیا تو یہ تحقیق اکابر دیوبند کے نظریات کے قطعاً مطابق تھی خدا جانے کس طرح مولوی سبحان اللہ صاحب کو اس کا علم ہو گیا اور وہ پر اسرار طریقہ سے دیوبند سے نکل گئے۔[1]

علامہ کشمیریؒ کا بے مثال ضبط:

مولانا محمد یوسف بنوری رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ کشمیر کے سفر میں دو فریق جو کسی مسئلہ میں الجھ رہے تھے اور دونوں نے اختلافی مسئلہ میں فتویٰ ترتیب دے کر بعض کتابوں سے تائیدی عبارتیں بھی نقل کی تھیں ان میں سے ایک جماعت نے ''فتاوی عمادیہ'' نامی قلمی کتاب کا حوالہ دے کر اپنے بیان کو مدلل کیا جب یہ فتویٰ آپ کے سامنے پیش کیا گیا تو آپ نے دیکھتے ہیں فرمایا:

''میں نے دار العلوم کے کتب خانہ میں فتاویٰ عمادیہ کے غیر مطبوعہ نسخہ کا مکمل مطالعہ کیا ہے اس میں یہ عبارت قطعاً نہیں یہ تدلیس و کھلی تحریف ہے۔''

اس گرفت پر اہل علم کی یہ جماعت متحیر ہو کر رہ گئی، کون سی چیز یا کوئی خاص تحقیق کس کتاب میں موجود ہے یہ آپ کو ہر وقت مستحضر رہتا۔ اس میں آپ ایک ایسی خصوصیت کے مالک تھے جس کی نظیر مشکل ہے۔[2]

---

۱ حیات کشمیری، ص: ۱۳۰ ۲ حیات کشمیری، ص: ۱۳۰

غلط نسخوں کی نشاندہی:

علامہ کشمیریؒ کی عادت مبارکہ یہ تھی کہ درس میں جن کتابوں کا تذکرہ آتا مصنفین کے اسماء وحالات تفصیل سے ذکر کرتے، اس سے طلبہ کو معلومات کا بیش خزانہ حاصل ہوتا۔ غرض یہ کہ سیر وسوانح اور تاریخ سے متعلق بھی آپ کا مطالعہ عمیق اور ژرف نگاہی پر مبنی تھا، یہی نہیں بلکہ آپ کو یہ بھی محفوظ رہتا کہ کسی سال درس میں کیا چیز بیان کی گئی تھی۔

مولانا نعمانیؒ کے ایک واقعہ سے اس کا ثبوت ملتا ہے لکھا ہے کہ جس زمانہ میں وہ امروہہ میں تدریس کا کام کر رہے تھے، ترمذی کی ایک عبارت پر ایک اشکال پیش آیا، شروح وحواشی میں اس الجھن کا کوئی جواب نہ تھا اور نہ حدیث کی دوسری کتابوں میں کوئی چیز مل سکی، دیوبند حاضری کے موقعہ پر میں نے شاہ صاحب سے ذکر کیا، تو آپ نے فرمایا:

> ''مولوی صاحب! آپ کو یاد نہیں رہا، جس سال آپ دورہ میں تھے میں نے درس میں تمام طلباء کو توجہ دلائی تھی کہ ترمذی میں یہاں یہ عبارت غلط چھپ گئی ہے صحیح عبارت یہ ہے''

جیسے ہی آپ نے وہ صحیح عبارت ذکر فرمائی اشکال ختم ہو گیا، واقعہ کا حاصل یہی نکلا کہ اگر کسی وقت آپ کوئی خاص تحقیق بیان فرماتے تو نہ صرف وہ تحقیق بلکہ اس کے بیان کرنے کی تاریخ وسن بھی آپ کو محفوظ رہتا۔

اس سے ملتا جلتا ایک واقعہ دارالعلوم دیوبند کے سابق صدر المدرسین مولانا ابراہیم صاحب کا ہے جیسا کہ معلوم ہے کہ مولانا کی شخصیت معقولات میں مسلمہ تھی، آپ خیر آباد کی مشہور معقولی درسگاہ کے ممتاز فرد تھے، کہتے تھے کہ دارالعلوم کے کتب خانہ میں قلمی ذخیرہ میں منطق کی ایک اہم اور نایاب کتاب ملنے پر میں نے اس کا مطالعہ کیا ایک جگہ پر مجھے اشکال پیش آیا بڑی کدوکاش کے باوجود حل کرنے سے عاجز رہا۔ مجبور ہو کر شاہ صاحب سے عرض کیا تو آپ نے فرمایا:

> ''عبارت غلط لکھی گئی ہے ریاست ٹونک کے کتب خانہ کے مخطوطات میں میں نے مطالعہ کیا تھا صحیح عبارت یہ ہے''

صحیح عبارت کے سامنے آتے ہی سارا خلجان دور ہوگیا، دینیات کے مسلسل انہماک وشغل کے باوجود یہ محض حافظہ کرشمہ کاری تھی کہ منطق جیسے فن کی بھی جو چیز ایک بار آپ کی نظر سے گذر گئی وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے آپ کے دماغ کے خزانہ میں محفوظ ہوگئی[1]

مولانا کشمیری حافظ قرآن نہیں تھے:

یہ بھی عجیب لطیفہ ہے اور قرآن کا ایک اعجاز کہ اس غیر معمولی حافظہ کے باوجود جبکہ آپ کو عام کتابوں کے صفحات ازبر تھے اور ہزار ہا ہزار احادیث آپ کی یادداشت کے خزانہ میں ہمہ وقت متحضر، لیکن قرآن مجید سے غیر معمولی شغف اور دلچسپی کے باوجود آپ اسے حفظ نہ کرسکے۔ حالانکہ آپ کے معاصر علماء میں مولانا حسین احمد صاحب مدنی اور مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی نے فراغت کے بعد مختصر مدت ہی میں حفظ کرلیا تھا، ایک بار درس میں خود فرمایا:

> ''میں جب قرآن مجید کو کھول کر بیٹھتا ہوں تو اس کے علوم ومعارف کی اتھاہ گہرائیوں میں اتر جاتا ہوں حد تو یہ ہے کہ رمضان المبارک کے آخری دن جب یہ محسوس کرتا ہوں کہ نزول قرآن کے اس مقدس مہینہ میں ایک قرآن حکیم ختم کرنے کی سعادت سے بھی محرومی ہورہی ہے تو فکر وتدبر کے اپنے خاص طریقہ کو چھوڑ کر جلد ختم کرنے کی کوشش کرتا ہوں''

بے پناہ قوی الحفظ ہونے کے باوجود قرآن کریم کا حافظ نہ ہونا اسے لطیفہ غیبی کے سوا اور کیا کہا جاسکتا ہے[2]

مولانا کشمیریؒ کی اس عجیب وغریب خصوصیت سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالی اپنی اس عظیم کتاب کو محفوظ کرنے کے لئے لاجواب حافظوں کا محتاج نہیں، وہ یاد کرانے پر آئے تو نابینا کو ایسا حافظ بنادے کہ بینا بھی اس کا مقابلہ نہ کرسکیں اور اگر توفیق نہ دے تو حافظہ میں

---

[1] حیات کشمیری، ص:۱۳۲ [2] حیات کشمیری، ص:۱۳۳

ضرب المثل عالم بھی اس سے محروم رہ جائیں۔

علامہ کشمیری کی شاندار علمی استعداد اور عبقریت کا اندازہ اس بات سے ہوسکتا ہے کہ محض بارہ سال کی عمر میں ابھی تمیز کی سرحد تک ٹھیک رسائی بھی پائی ہوتی ہے، وہ فتوی دینے لگے تھے، نو سال کی عمر میں وہ نہ صرف فقہ ونحو کی عام کتابوں کا مطالعہ کر چکے تھے بلکہ ان کی مطولات کے مطالعہ سے بھی فارغ ہو گئے تھے، وہ خود اپنے حیران کن حافظہ کے بارے میں فرماتے ہیں:

''جس کتاب کا بھی سرسری طور پر مطالعہ کر لیتا ہوں، پندرہ سال تک بقید صفحات اس کے مضامین محفوظ رہ جاتے ہیں''۔[1]

یہ کیوں نہ ہو کہ تجھ کو تیرے روبرو کروں:

حقیقت یہ ہے کہ شاہ صاحب تاریخ اسلام کی ان عجوبہ روزگار اور ہمہ گیر شخصیات میں سے تھے جن کی عبقریت نہ صرف اسلامی تاریخ بلکہ انسانی تاریخ کے بھی عجائبات میں شمار ہوتی ہے اور شاہ جیؒ نے ان کے متعلق بجا فرمایا تھا:

''اسلاف اسلام کا ایک کارواں گزر رہا تھا اور حضرت شاہ صاحب چلتے چلتے ان سے پیچھے رہ گئے''۔[2]

علامہ اقبال کا خراج تحسین:

جب علمی دنیا سے اس عالم زمان کی رخصتی کا وقت آیا تو ایک کہرام تھا، ہر آنکھ اشکبار اور ہر دل بے قرار تھا۔ آپ کی وفات پر بہت کچھ کہا گیا اور بہت کچھ کہا جاتا رہے گا۔

لاہور میں تعزیتی جلسہ سے خطاب کرتے ہوئے شاعر مشرق علامہ اقبال نے اپنے اس مشہور شعر سے اپنے تاثرات کا اظہار شروع کیا:

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

پھر فرمایا:

''اسلام کی آخری پانچ سو سالہ تاریخ مولانا انور شاہ کشمیری کی نظیر پیش

---

[1] متاع وقت اور کاروان علم، ص: ۲۴۳   [2] متاع وقت اور کاروانِ علم، ص ۲۴۴

کرنے سے عاجز ہے، ایسا بلند پایہ عالم اور فاضل جلیل اب پیدا نہ ہوگا، وہ صرف جامع العلوم قسم کی ایک شخصیت ہی کے مالک نہ تھے بلکہ عصر حاضر کے دینی تقاضوں پر بھی ان کی پوری نظر تھی''[1]

دنیا نے مجھے کھو کے بہت ہاتھ ملے ہیں:

آپ کے صاحبزادہ مولانا انظر شاہ صاحب نے اپنے والد کی وفات پر ایک مرثیہ لکھا جس میں وہ کچھ اس طرح مدح خواں ہیں:

''عیدگاہ دیوبند کے قریب ایک گوشہ میں وادی لالاب کے کسی ایک انسان کو دفن نہیں کیا گیا بلکہ کمال علم اور کمال عمل کی ایک جیتی جاگتی ہستی دفن کردی گئی، یہ تنہا انور شاہ کی وفات نہیں بلکہ چمنستان علم سے فصل بہار کی رخصت، کمال علم کے پھولوں سے بہجت وشادابی کا خاتمہ، حدیث وتفسیر، فقہ وادب، معانی وبیان، منطق وفلسفہ اور ان تمام علوم کا زوال تھا جو مرحوم کی شخصیت میں مبدء فیاض کی عنایت سے جمع ہوگئے تھے، گردش لیل ونہار کو روکئے اور امیر المؤمنین فی الحدیث امام بخاری کی رحلت، حافظ ابن تیمیہ کی موت، ابن حجر عسقلانی کا ارتحال، امام غزالی کا سانحہ، محی الدین ابن عربی کی وفات، فخر رازی کا عالم آب وگل سے سفر، ابن رشد اور جاحظ کا دنیا سے پردہ کرنا اور کسائی کے چہرے پر موت کے آثار...... یہ سب منظر دیکھنے والوں نے اس وقت دیکھے جب امام العصر کی میت کو زیر زمیں رکھا جارہا تھا، یہ دنیا اپنی زندگی کے ان گنت سال گزار چکی اور خدا جانے کہ اس کی عمر ابھی کتنی باقی ہے لیکن علم کی محفلیں انور شاہ کو کبھی فراموش نہیں کرسکتیں اور جب تک اس کائنات میں علم وفن، دین ودانش کے زمزمے بلند رہیں گے یہ فرہاد کمال بھی زندہ وپائندہ رہے گا''[2]

---

[1] متاع وقت اور کاروان علم، ص: ۲۴۳ [2] متاع وقت اور کاروان علم، ص: ۲۴۱

ہوتا ہے کوہ ودشت میں پیدا کبھی کبھی!

اور شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی نے اشکوں سے بھری آنکھیں لے کر طلبہ سے خطاب کرتے ہوئے کہا:

''بلاشبہ حضرت شاہ صاحب کی وفات سے علماء وطلبہ یتیم ہوگئے، فضل وکمال، تبحر علمی، وسعت معلومات اور قوت حافظہ میں آپ کی نظیر نہیں تھی، میں نے ہندوستان اور عالم اسلام کے نامور علماء کو دیکھا اور ان سے ملاقات کی ہے لیکن علامہ کشمیری کی نظیر کہیں نہیں پائی۔''[۱]

---

[۲] متاع وقت اور کاروان علم، ص: ۲۴۳

ابوالوفاء خالدی رحمۃ اللہ علیہ

(متوفی: ۱۳۶۰ھ)

ترکی کے مشہور عالم دین ابوالوفاء خالدی کی ولادت ۱۳۸۲ھ رمضان المبارک کے آخر میں ہوئی۔ ساری زندگی تجرد کی حالت میں گزاری اور علم کے شوق میں شادی نہیں کی،، اگر کسی عورت سے نکاح ہوا بھی تو ازدواجی تعلقات قائم کرنے سے پہلے ہی اسے طلاق دے دی۔ علم کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنایا، سفر کی تھکاوٹوں اور اجنبی شہروں میں رہنے کی مشقتوں کو برداشت کیا، اکثر نادر مخطوطات کی تلاش میں رہتے اور اس بارے میں وسیع تر معلومات کے حامل تھے۔

کنزالدقائق کے حافظ:

علامہ خالدیؒ کا تذکرہ شیخ ابوالفتاح ابوغدہ نے کچھ ان الفاظ میں کیا ہے:

''آپ اصحاب دانش میں سب سے زیادہ باخبر، علم کی طلب میں بہت زیادہ سفر کرنے والے طالب علم اور عجیب حافظہ کے مالک تھے۔ فقہ حنفی کی مشہور کتاب ''کنزالدقائق'' انہیں زبانی یاد تھی۔ ملکہ تامہ اور قوی ادراک کے مالک تھے۔ لسانیات اور علوم ادب میں ان کو گہری وابستگی تھی اور اس کے ساتھ وہ ایک بلیغ اور انشاء پرداز ادیب بھی تھے، مشرق کے مختلف حصوں میں پڑھا اور کتابوں کے صفحات میں جو نفیس کلمات علمی آثار اور ذخیرے بکھرے ہوئے تھے ان سب کا احاطہ کرلیا تھا۔ ائمہ کے ہاتھوں سے لکھی ہوئی بہت سی کتابوں کا ایک ذخیرہ ان کے پاس محفوظ تھا، بہت زیادہ ہمت والے انسان تھے''[۱]

---

[۱] العلماء العزاب، ص: ۳۱۷

شیخ الادب مولانا اعزاز علی رحمۃ اللہ علیہ

(متوفی: ۱۳۷۲ھ)

فقہ وادب کی کتابوں پر آپ کی مفید تحقیقی تعلیقات وحواشی اہل علم وادب کو جو سیرابی فراہم کررہی ہیں، برصغیر میں اس کی مثال ملنا مشکل ہے، علم ادب کے لاجواب ذوق کے ساتھ ساتھ اللہ تعالی نے آنجناب کو بے مثال قوت حافظہ سے بھی نوازا تھا، دور طفولیت میں ہی آپ نے قرآن مجید حفظ کرلیا تھا، اپنے حفظ قرآن کے بارے میں خود لکھتے ہیں:

"حفظ قرآن سے فراغت کے وقت میری عمر کیا تھی مجھ کو یاد نہیں، اس قدر ضرور یاد ہے بعض لوگ میری موجودگی میں میری طرف اشارہ کرکے فرمایا کرتے تھے کہ منشی جی (والد مرحوم) نے ازراہ تفاخر اس کو حافظ مشہور کردیا ہے ورنہ ایسے صغیر السن بچے کا حافظ ہونا ممکن ہی نہیں ہے۔"[1]

اپنی ابتدائی عربی تعلیم کے متعلق لکھتے ہیں:

"میزان الصرف تو اول سے آخر تک بالفاظ یاد تھی، منشعب کے ابواب اور صرف صغیر محفوظ تھے، زبدہ بھی بالفاظہا یاد تھا، نحو میں نحو میر اور کافیہ کے آخری چند اوراق کے علاوہ پورا کافیہ یاد تھا اور اس میں اس قدر شغف تھا کہ اکثر اوقات سونے کی حالت میں بجائے قرآن مجید کے میزان الصرف یا نحو میر کے الفاظ زبان سے نکلا کرتے تھے...... اس وقت میری تعلیم کے نگراں ایک ایسے بزرگ تھے جو عربی تعلیم سے قطعاً ناواقف تھے ان کی نگرانی کے نقصان ہی نے میرے کئی سال ضائع کردیئے، اپنی عمر کو ضائع بھی کرتا تھا مگر خدا کا شکر ہے کہ یہ بھی سمجھتا تھا کہ میں اپنی عمر ضائع کررہا ہوں۔"[2]

---

[1] متاع وقت اور کاروان علم، ص: ۲۵۲ بحوالہ تذکرۂ اعزاز، ص: ۶۲

[2] مشاہیر اہل علم کی محسن کتابیں، ص: ۹۱

مجاہد کبیر شیخ سعید احمد نورسی

(متوفی:۱۳۷۹ھ)

مصائب وآلام کی وادیاں عبور کرنے والی یہ شخصیت مخلوق کے جبل نافع، عظیم داعی، ظلم وتشدد کی سخت گھڑیوں میں اپنے دین کے معاملہ میں امانت دار، عبادت الٰہی کو اپنا شعار بنانے والے، مولیٰ کو یاد کرنے اور کرانے والے شیخ سعید احمد نورسی ہیں جو بدیع الزمان کے لقب سے ملقب ہیں۔

بدیع الزمان لقب رکھنے کی وجہ:

شیخ سعید احمد نورسی بعض خصائل میں بدیع الزمان احمد بن حسین ہمدانی کے مشابہ تھے، اس لئے عقیدت کی بنا پر انہوں نے اپنا لقب ''بدیع الزمان'' رکھ لیا تھا۔

علمی استعداد اور لاجواب حافظہ:

شیخ عبدالفتاح ابوغدہ نے آپ کی علمی وتعلیمی استعداد کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا ہے:

''آپ بچپن سے ہی ذکاوت میں لاثانی عصر تھے، نیز سرعت حفظ اور قوت یادداشت میں حیرت انگیز ملکہ کے حامل تھے، عہد عثمانی میں ترکی میں پھیلے ہوئے ممتاز مدارس وخانقاہوں سے کسب فیض کیا۔ اپنی بے پناہ ذکاوت اور حیرت ناک فطری استعداد کی بنیاد پر انہوں نے بہت سے علوم بلوغت سے پہلے تھوڑی سی مدت میں حاصل کر لئے تھے۔ علوم عربیہ یعنی صرف ونحو وغیرہ کے اندر دوسالوں میں وہ مضبوط استعداد کے مالک ہوگئے تھے۔ تین ماہ تک وہ علوم شرعیہ اور فقہ اپنے شیخ محمد جلالی سے پڑھتے رہے، مختلف علوم شرعیہ وعصریہ کو سمجھنے، یاد کرنے اور بوقت ضرورت پیش کرنے کی فطری صلاحیت کے حامل تھے، وہ جو کتاب پڑھتے اس کو خوب سمجھ کر پڑھتے، اکثر مطالعہ میں مصروف رہتے تھے''۔

آگے آپ کی قوت حافظہ کا حال ان الفاظ میں بیان کیا:

''اصول فقہ جیسے مشکل علم میں تاج الدین سبکی کی کتاب ''جمع الجوامع'' انہوں نے محض ایک ہفتہ میں یاد کرلی تھی۔ لغت میں فیروز آبادی کی ''القاموس المحیط'' کو شروع سے لے کر باب السین تک چند دنوں میں یاد کرلیا تھا۔ کسی زبان کی مفردات کو یاد کرنا اصول فقہ کی عبارات یاد کرنے سے زیادہ مشکل مرحلہ ہے۔ علم کلام، منطق، تفسیر، حدیث اور فقہ کی بہت سی کتابوں کا انہوں نے مطالعہ کیا کی اور ان علوم کی اسی سے زائد بنیادی کتابوں کو زبانی یاد کرلیا تھا''[۱]

اپنی اسی حیرت انگیز قوت حافظہ کی بنا پر ایک مرتبہ اپنے استاذ فتح اللہ افندی کو ورطہ حیرت میں ڈال دیا۔

قصہ کچھ یوں ہے کہ ایک دفعہ استاذ صاحب نے امتحان لیتے ہوئے ان سے پوچھا ''کیا کتاب کی چند سطریں دو دفعہ پڑھنے سے تمہیں یاد ہوسکتی ہیں؟'' یہ کہہ کر مقامات حریری ان کو پیش کی۔ شیخ سعید نے مقامات حریری کھول کر اس کے ایک صفحہ کو ایک مرتبہ پڑھا اور پورا صفحہ اپنے استاذ کو زبانی سنادیا۔ استاذ نے اس بے پناہ ذکاوت اور قوت حافظہ کو دیکھ کر کہا:

''اس طرح کی خارق عادت ذکاوت کا اس قدر بے پناہ قوت یادداشت کے ساتھ جمع ہونا بہت ہی نادر و کمیاب ہے''[۲]

---

[۱] امت مسلمہ کے محسن علماء ترجمہ العلماء العزاب، ص: ۳۳۰

[۲] امت مسلمہ کے محسن علماء، ص: ۳۳۰

مولانا ابوالکلام آزاد رحمہ اللہ

(متوفی: ۱۹۵۸ء)

مولانا آزاد رحمہ اللہ کا شمار اردو ادب کی ان ممتاز شخصیات میں ہوتا ہے جو اردو انشاء وادب کا ایک عظیم سرمایہ دار ہونے کی حیثیت سے کسی تعارف کے محتاج نہیں، تقریر وخطابت میں آپ کی غیر معمولی صلاحیتیں، ادب وانشاء کا مخصوص اسلوب اور دینی وملی حمیت آپ کی تاریخی شخصیت کی ناقابل انکار حقیقتیں ہیں، اللہ تعالی نے آپ کو غیر معمولی قوت حافظہ سے بھی نوازا تھا، مفکر اسلام ابوالحسن علی ندوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''مولانا آزاد کے متعلق بہت کچھ لکھا گیا اور بہت کچھ لکھا جائے گا ......وہ ہندوستانی سیاست اور ہماری قدیم تہذیب وثقافت کے ایک ستون تھے، بے عیب ذات خدا کی ہے اور سراپا عصمت زندگی خدا کے پیغمبر کی، جس میں کہیں قیل وقال کی گنجائش نہیں، ان کی بشری لغزشوں اور کمزوریوں کے متعلق بھی ان کے معاصرین اور ناقدین کی نہ زبان کو روکا جاسکتا ہے نہ قلم کو لیکن ان کا حیرت انگیز حافظہ، ان کی غیر معمولی ذہانت، ان کی حاضر دماغی اور بیدار مغزی، ان کی ادبیت اور ان کی انشاء پردازی، جو کسی وقت اور کسی جگہ ان کا ساتھ نہیں چھوڑتی، ان کی اپنے مطالعہ اور معلومات سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھانے کی عجیب وغریب صلاحیت، ان کی سیاسی بصیرت اور دور بینی، ان کی خودداری اور عزت نفس ہر شبہ سے بالاتر اور ہر اختلاف سے بے نیاز ہے''[1]

---

[1] پرانے چراغ: ۲/۲۶۰

شیخ الحدیث مولانا محمد موسیٰ روحانی بازی رحمۃ اللہ علیہ

(متوفی: ۱۴۱۹ھ)

اللہ تعالیٰ نے حضرت شیخ رحمہ اللہ کو بے انتہاء قوت حافظہ اور سریع الفہم ذہن عطا فرمایا تھا، زمانہ طالب علمی میں ہی آپ اپنے تمام ہم جماعتوں پر فائق رہے، آپ کے اساتذہ آپ کی شدت ذکاوت، قوت حافظہ اور وسعت مطالعہ پر حیرت واستعجاب کا اظہار فرماتے۔

جب آپ ملتان کے مدرسہ قاسم العلوم میں داخلے کے لئے تشریف لے گئے تو داخلہ امتحان میں صدرا، حمد اللہ اور خیالی جیسی کتابوں کا زبانی امتحان دیا، ممتحن نے حیران ہو کر قاسم العلوم کے صدر مدرس مولانا عبد الخالق کو بتلایا ''ایک پٹھان لڑکا آیا ہے جسے سب کتابیں زبانی یاد ہیں''

آپ مشکل سے مشکل عبارت وفنی پیچیدگی کو جس کے حل سے اساتذہ بھی عاجز آجاتے، ایسے انداز میں حل فرماتے اور فی البدیہہ ایسی تقریر فرماتے کہ یوں محسوس ہوتا جیسے اس مقام پر کوئی اشکال یا الجھن تھی ہی نہیں۔

یہ تو زمانہ طالب علمی کا حال تھا، تدریس سے وابستہ ہونے کے بعد تمام کتب فنون عقلیہ ونقلیہ کے دروس میں آپ طلبہ وعلماء کے سامنے اس فن کے ایسے مخفی نکات اور علوم مستورہ بیان فرماتے کہ سننے والے یہ گمان کرنے لگتے کہ شاید آپ کی ساری عمر اسی ایک فن کے حصول وتدریس اور استحکام میں گزری ہے۔ تمام فنون میں آپ کے اسباق کی یہی کیفیت ہوتی اور آپ اس فن کی انتہائی گہرائی میں جا کر لطائف وبدائع کو ظاہر فرماتے تھے۔

باکمال حافظہ کے کارنامے:

جن علماء نے مولانا محمد موسیٰ روحانی بازیؒ سے کسب فیض کیا ان کی ایک بہت بڑی تعداد کا کہنا ہے کہ جب حضرت شیخؒ دوران درس کسی کتاب کا حوالہ دینا چاہتے تو محض جلد اور صفحہ کے تذکرہ پر اکتفاء نہ فرماتے بلکہ کئی صفحات پر مشتمل عبارت کو زبانی پڑھ دیتے۔ اکثر ایسا ہوتا کہ یہ حوالے اچانک آجاتے۔ جس سے عیاں ہو جاتا کہ سبق کے لیے ان کی تیاری

کر کے نہ آئے تھے۔ ہزاروں اشعار آپ کی نوک زبان پر تھے اور بیسیوں دیوان آپ کو زبانی یاد تھے۔

سرگودھا بورڈ کے چیئر مین ڈاکٹر فضل ربانی نے حضرت شیخؒ کی مضبوطی حافظہ کا ایک انوکھا واقعہ نقل کیا ہے جسے ہمارے استاد مولانا محمد اکرم کشمیری دامت برکاتہم نے الفاظ میں ذکر فرمایا:

> ''ڈاکٹر فضل ربانی صاحب کسی قدیم نسخہ پر تحقیق کر رہے تھے، اس نسخہ کی ایک طویل عبارت غائب تھی جس کی تلاش میں آپ نے مختلف ممالک اسلامیہ کی لائبریریوں کو بھی چھانا مگر مقصود حاصل نہ ہو سکا۔ ایک مرتبہ ایران کے سفر میں تھے، معلوم ہوا کہ شیخ موسیٰؒ بھی تشریف لائے ہوئے ہیں کیوں نہ ان سے اس نسخہ کے متعلق پوچھ لوں ملاقات کے لئے حاضر ہوا تو حضرت وضو فرما رہے تھے، دوران وضو میں نے سوال کر دیا، آپ نے فی البدیہہ اس کتاب کی مطلوبہ عبارت زبانی سنانی شروع کر دی۔ میں حیران وانگشت بدندان تھا اور میری ایک بہت بڑی مشکل کا خاتمہ ہو گیا''

مولانا موسیٰ رحمہ اللہ، علم کا سمندر:

حضرت محدث اعظم مولانا محمد موسی روحانی بازی رحمہ اللہ کو اللہ تعالی نے غضب کا حافظہ عطا فرمایا تھا، اس کا واضح ثبوت ان علوم کی ایک لمبی فہرست ہے جن میں اللہ تعالی نے آپ کو تبحر اور عبور عطا فرمایا تھا، یہ علوم ایک طویل فہرست پر مشتمل ہیں، جن کا ذکر خود حضرت شیخ نے اپنی بعض تصانیف میں فرمایا ہے:

> ﴿ومما من الله تعالى على التبحر فى العلوم كلها النقلية والعقلية من علم الحديث وعلم التفسير وعلم الفقه وعلم اصول التفسير وعلم اصول الحديث وعلم اصول الفقه وعلم العقائد وعلم التاريخ وعلم الفرق

المختلفة وعلم اللغة العربية وعلم الادب العربى المشتمل على اثنى عشر فنا وعلما كما صرح به الادباء وعلم الصرف وعلم الاشتقاق وعلم النحو وعلم المعانى وعلم البيان وعلم البديع وعلم قرض الشعر وعلم المنطق وعلم الفلسفة الارسطوية اليونانية والالهيات من الفلسفة اليونانية وعلم الطبيعيات من الفلسفة اليونانية وعلم السماء والعالم وعلم الرياضيات من الفلسفة اليونانية وعلم تهذيب الاخلاق وعلم السياسة المدنية من الفلسفة وعلم الهندسة اى علم اقليدس اليونانى وعلم الابعاد و علم الاكر وعلم اللغة الفارسية والادب الفارسى وعلم العروض وعلم القوافى وعلم الهيئة اى علم الفلك البطليموسى اليونانى وعلم التجويد للقرآن وعلم ترتيل القرآن وعلم القراء ات......﴾

''اللہ تعالیٰ نے جن علوم عقلیہ ونقلیہ میں عبور عطا کر کے مجھ پر احسان فرمایا ہے وہ یہ ہیں، علم حدیث، علم تفسیر، علم فقہ، علم اصول تفسیر، علم اصول حدیث، علم اصول فقہ، علم عقائد، علم تاریخ، علم تقابل ادیان، علم لغت عربی، ادباء کی تصریح کے مطابق بارہ فنون پر مشتمل علم ادب عربی، علم صرف، علم اشتقاق، علم نحو، علم معانی، علم بیان، علم بدیع، علم قرض الشعر، علم منطق، یونانی ارسطوی فلسفہ کا علم، فلسفہ یونانیہ کی الہیات کا علم، فلسفہ یونانیہ کا علم طبیعیات، علم السماء، فلسفہ یونانیہ کا علم ریاضیات، علم تہذیب الاخلاق، علم سیاست مدنیہ، علم ہندسہ یعنی علم اقلیدس یونانی، علم ابعاد، علم الاکر، علم لغت فارسی، علم ادب فارسی، علم عروض،

علم قوافی، علم فلکیات، علم تجوید، علم ترتیل القرآن اور علم القراءات"۔[1]

حضرت شیخ رحمہ اللہ کی تصانیف:

یہ محض دعوی نہ تھا بلکہ آپ کا تصانیف کی کثرت اس دعوی کی حقیقت کا کھلا ثبوت ہیں، علم تفسیر میں آپ کی دس کتابیں ہیں اسی طرح علم حدیث میں چودہ، علم اصول فقہ میں ایک، علم ادب عربی میں نو، علم نحو میں نو، علم صرف میں تین، علم عروض میں تین، علم لغت عربی میں پانچ، دعوت اسلامی میں بارہ، علم تاریخ میں بارہ، علم منطق میں آٹھ، علم طبیعیات میں دو، علم فلکیات قدیمہ میں پانچ، علم فلکیات جدیدہ میں اکتیس اور دوسرے مختلف موضوعات میں آپ کی پانچ تصانیف موجود ہیں۔ ان کے علاوہ اور بھی بہت سی تصانیف موجود ہیں آپ کی تصانیف کی تعداد دوسوتک پہنچتی ہے۔ ان میں سے بعض کتابیں بڑی اور بعض چھوٹی ہیں، آپ نے بیضاوی شریف کی ایک شرح لکھی جو تقریباً پچاس جلدوں پر محیط ہے۔ بعض کتابیں شائع ہوچکی ہیں جبکہ اکثر غیر مطبوع ہیں۔[2]

آپ کی زندگی میں ہی آپ کے علمی تفوق کا اقرار بڑے بڑے علماء کرتے تھے، امام کعبہ شیخ معظم محمد بن عبداللہ بن السبیل ایک مرتبہ علماء کرام کی مجلس میں فرمانے لگے:

> "میں اس وقت دنیا کے مرکز (مکہ مکرمہ) میں بیٹھا ہوں، دنیا بھر کے علماء میرے پاس تشریف لاتے ہیں مگر میں نے آج تک شیخ روحانی بازی جیسا محقق ومدقق عالم نہیں دیکھا۔"[3]

---

[1] مقدمۃ الهیئۃ الوسطی، ص:۶۔۷ [2] الهیئۃ الوسطی، ص: ۴۷۶۔ ۴۸۳ مختصراً

[3] مقدمۃ الهیئۃ الوسطی، ص: ۸

حضرت مولانا محمد عبید اللہ صاحب قاسمی دامت برکاتہم

۱۹۲۷ء بمطابق ۱۳۴۶ھ کو امرتسر کے ایک مدرسہ جامعہ نعمانیہ کے مہتمم اور صدر مدرس کے مفتی محمد حسن صاحب (م:۱۹۶۱ء) کے ہاں ایک بچہ کی ولادت ہوئی، جس کا نام ''محمد عبید اللہ'' رکھا گیا کسے معلوم تھا کہ یہ بچہ علوم اسلامیہ کا ایک ایسا شاہسوار بنے گا جس کی علمی وعملی شان کو کبھی فراموش نہیں کیا جا سکے گا۔

جامعہ اشرفیہ کے مہتمم حضرت مولانا محمد عبید اللہ صاحب کی ولادت ایک ایسے گھر میں ہوئی جس میں قال اللہ وقال رسول کی صدائیں ہر آن بلند ہوتی تھیں، یہ گھر علم وعمل کا گہوارہ اور منبع تھا، اسی دینی وعلمی ماحول کی برکت تھی کہ محض نو سال کی عمر میں قاری کریم بخش صاحب سے حفظ قرآن مجید کی تکمیل کی۔ درس نظامی کی ابتدائی کتابیں اور فارسی مولانا محمد یوسف صاحب سے پڑھیں اور پھر کافیہ سے لے کر بخاری تک کی کتابیں اپنے والد ماجدؒ سے پڑھیں۔ بعد ازیں دار العلوم دیوبند میں دورہ حدیث شریف میں داخلہ لیا اور عالمیہ کا امتحان امتیازی پوزیشن کے ساتھ پاس کیا۔ پھر لاہور تشریف لائے اور پنجاب یونیورسٹی سے ۱۹۴۴ء میں مولوی فاضل کا امتحان اعلیٰ نمبروں سے پاس کیا۔

دو ممتاز خصوصیات

حضرت الاستاذ مولانا محمد عبید اللہ صاحب ان نابغہ روزگار شخصیات میں سے ہیں جنہوں نے حضرت تھانویؒ کے چشمہ فیض سے علوم ومعرفت کے پیالے خوب سیر ہو کر پیئے۔ حضرت الاستاذ بچپن ہی میں حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ سے بیعت ہو گئے تھے اور نو سال کی عمر سے سن بلوغت تک حکیم الامتؒ کی خدمت میں حاضری سے مشرف ہوتے رہے۔ اگرچہ یہ آپ کی انتہائی کم سنی کا دور تھا اور اس عمر میں استفادہ کرنا مشکل ہوتا ہے، لیکن ایک طرف حضرت کا فیضان توجہ اور دوسری طرف حضرت الاستاذ کی بے پناہ فطانت اور حیرت انگیز حافظہ افادہ واستفادہ میں مانع نہ ہوا اور حضرت تھانوی کے گلستان علم سے خوب خوشہ چینی کی اور علم وفضل میں اپنا لوہا منوایا۔ یہی وہ بزم تھی جس نے ''دنیائے

دل'' بدل ڈالی اور خودی، بے خودی میں تبدیل ہوتی چلی گئی۔ کراچی کے مشہور دینی ادارے ''جامعۃ الرشید'' میں علماء وطلبہ کے جم غفیر سے ایک خطاب کے دوران آپ نے فرمایا:

''مجھے دو ایسی خصوصیتیں حاصل ہیں جو حضرت تھانویؒ کے کسی بڑے سے بڑے خلیفہ کو بھی حاصل نہیں، ایک خصوصیت تو یہ ہے کہ میں نے پند نامہ سے لے کر صحیح بخاری تک پہلا سبق حکیم الامت رحمہ اللہ سے پڑھا ہے۔ والد صاحب کی عادت تھی کہ وہ چھٹیاں حضرت کے ہاں گزارا کرتے تھے اور مجھے بھی ساتھ لے جاتے تھے۔ جب حاضری ہوتی تو حضرت اگلے سال کی کی کتابیں شروع کرا دیتے۔ دوسری خصوصیت یہ کہ حضرت نے ایک موقع پر میری گدی پر تین تھپڑ مارے اور ساتھ ہی ساتھ فرماتے جاتے تھے ''جسے دیکھو نوابزادہ بنا پھرتا ہے'' اس وقت مجلس میں سید سلیمان ندوی رحمہ اللہ اور مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ جیسے اکابر بھی تشریف فرما تھے اور حضرت کے عاشق صادق خواجہ عزیز الحسن مجذوب رحمہ اللہ جزب و مستی کی کیفیت میں حوض کے کنارے ٹہل رہے تھے تھپڑ لگنے کا منظر انہوں نے بھی دیکھ لیا تھا۔ وہ تیزی سے آئے اور میری گدی پر تین بوسے دیئے اور فرمایا: ''ارے بڑے خوش قسمت ہو تمہیں تین تھپڑ لگ گئے ہم اتنے سالوں سے پڑے ہوئے ہیں ہمیں کبھی ایک تھپڑ بھی نہیں لگا، ترستے ہی رہتے ہیں، کاش! یہ مبارک ہاتھ ہمارے جسم پر بھی پڑ جاتا'' ہم رو رہے تھے اور خواجہ صاحب ہمیں مبارکباد دے رہے تھے[1]

حضرت تھانوی رحمہ اللہ کی وفات کے بعد آپ جامعہ دارالعلوم دیوبند کے مہتمم قاری طیب صاحب سے بیعت ہوئے، ان کے دریائے فیض سے روحانی پیاس بجھائی اور

---

[1] ضرب مومن، جلد: ۹ شمارہ نمبر ۱، ۲۴ تا ۳۱ دسمبر ۲۰۰۴ء

حضرت قاری صاحب نے آپ کو خلعت خلافت سے بھی نوازا۔

حضرت کا حیرت انگیز حافظہ

حضرت مولانا محمد عبید اللہ صاحب قاسمی دامت برکاتہم نے ابتدائی تعلیم تو اپنے والد محترم سے ہی حاصل کی، لیکن دورہ حدیث کے لئے دارالعلوم دیوبند تشریف لے گئے، آپ کے دارالعلوم دیوبند جانے اور داخلے کا واقعہ بھی عجیب ہے، یہ واقعہ آپ کے حیرت انگیز حافظہ کی نشاندہی بھی کرتا ہے۔ آپ نے اپنے مذکورہ بیان میں فرمایا:

> ''حضرت مولانا خیر محمد صاحب جالندھری رحمہ اللہ اپنے صاحبزادے مولانا محمد شریف صاحب مرحوم کو دورہ حدیث کے لئے دارالعلوم دیوبند بھیجنا چاہتے تھے۔ انہوں نے میرے والد صاحب سے اصرار کیا کہ آپ بھی مولوی محمد عبید اللہ کو وہیں بھیج دیں، میرے والد صاحب حضرت تھانوی رحمہ اللہ کے ساتھ خصوصی تعلق کی وجہ سے اس پر آمادہ نہیں تھے کیونکہ اس زمانے میں سیاسی اختلاف کی وجہ سے حضرت نے دارالعلوم دیوبند کی مجلس مشاورت سے استعفیٰ سے دیا تھا، مولانا خیر محمد صاحب رحمہ اللہ نے مشورہ دیا کہ آپ خط لکھ کر حضرت کی رائے معلوم کرلیں۔ جب والد صاحب نے اس سلسلہ میں بذریعہ خط حضرت مشورہ کیا تو آپ نے جواب دیا ضرور بھیجیں، ضرور بھیجیں، ضرور بھیجیں، یہ بھی فرمایا ''بعض مقامات کی اپنی برکتیں ہوتی ہیں'' جب میں داخلہ کے لئے دارالعلوم روانہ ہوا اس وقت میری عمر سترہ اٹھارہ برس تھی۔ میرے امتحان داخلہ کے لئے شیخ الادب (مولانا اعزاز علی رحمہ اللہ) کا نام تجویز ہوا جن کی ہیبت اور رعب ودبدبہ کی وجہ سے طلبہ کانپنے لگتے تھے، مشہور یہ تھا کہ سو میں سے صرف پانچ کو پاس کرتے ہیں، پچانوے فیل ہوجاتے ہیں۔ اوپر کی منزل پر وہ بیٹھتے تھے نیچے میدان تھا جس کا نام طلبہ نے

''میدان حشر'' رکھا ہوا تھا اور جن سیڑھیوں سے چڑھ کر ان کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے ان سیڑھیوں کو طلبہ پل صراط کہتے تھے۔اس زمانے میں دیوبند میں دورہ حدیث کے لئے طلبہ ہی نہیں فارغ التحصیل علماء اور بڑی عمر کے مدرسین بھی آیا کرتے تھے جب انہوں نے دیکھا کہ میرا امتحان حضرت کے ہاں طے ہوا ہے تو انہیں مجھ پر ترس آرہا تھا کہ یہ نوعمر لڑکا حضرت مولانا کے سامنے کیا چل سکے گا۔ میں نے جب حاضر ہو کر سلام کیا تو حضرت نے بیٹھنے کا حکم دیا اور پھر میری شکل وصورت دیکھ کر فرمانے لگے: ''آج کل دارالعلوم سے سند حاصل کرنے کے شوق میں نوعمر لڑکے بھی جلدی جلدی کچھ کتابیں پڑھ کر آجاتے ہیں تاکہ دارالعلوم کی سند کی وجہ سے آسانی سے نوکری مل جائے ،ارے !تمہاری عمر ہی کیا ہے؟ نچلی کتابیں محنت سے پڑھ لو پھر آکر دورہ حدیث بھی کرلینا''۔ یہ بات دو تین بار ارشاد فرمائی تو کچھ صاحبزادگی کا نشہ کہہ لیجئے کچھ طبعی بے باکی اور پھر حضرت والدہ صاحب نے بچپن ہی سے مجھ پر جو محنت کی تھی اسی محنت پر اعتماد کہہ لیجئے کہ میری زبان سے یہ جملہ نکل گیا :''حضرت امتحان لے لیجئے !اگر میں فیل ہوگیا تو واپس بھیج دیجئے گا لیکن امتحان سے پہلے ہی فیصلہ سنا دینا تو مناسب نہیں'' حضرت نے فرمایا اچھا تمہیں اپنے اوپر اتنا گھمنڈ ہے، پھر پونے دو گھنٹے تک ساتھ آٹھ کتابوں کا امتحان لیا حالانکہ عام طور پر دو تین کتابوں کا امتحان لے کر آدھ گھنٹے میں فارغ کردیا کرتے تھے۔امتحان لے کر مجھے داخلے کا اہل قرار دیا۔اس وقت حضرت نے کچھ نہیں فرمایا لیکن ششماہی امتحان کے قریب فرمایا کہ تمہاری صلاحیت کا اندازہ تو دو یا تین کتابوں سے ہی ہوگیا تھا اور امتحان بھی میں نے ان ہی میں سے لیا تھا لیکن تمہارے جوابات دینے کا انداز واسلوب گفتگو مجھے اتنا

پسند آیا کہ بقیہ کتابوں سے سوالات محض تمہارے جوابات سننے کے لئے کئے تھے۔"[1]

مولانا ارشد عبید مدظلہ کے تاثرات

صاحبزادہ مولانا قاری ارشد عبید صاحب نے ایک نجی محفل میں اپنے تاثرات کا اظہار ان الفاظ میں فرمایا:

"میں نے والد صاحب کی ایک عجیب خاصیت دیکھی ہے وہ یہ کہ آپ عرصہ دراز سے درس وتدریس کی ایک کٹھن علمی مصروفیت سے منسلک ہیں، درس نظامی کے تقریباً جملہ فنون کی تدریس بھی فرمائی، شرح جامی، شرح وقایہ، مختصر المعانی، متنبیّ، دیوان حماسہ اور توضیح تلویح جیسی پیچیدہ کتابیں زیر درس رہیں، اب عرصہ دراز سے فقہ حنفی کی روایت پر مشتمل اہم ترین کتاب "شرح معانی الآثار" زیر درس ہے لیکن میں نے کبھی والد محترم کو ان کتاب کا مطالعہ کرتے ہوئے نہیں دیکھا، بس درس گاہ میں جا کر کتاب کو دیکھ لیا، وہیں مطالعہ کرلیا اور پھر ایسا سبق پڑھاتے کہ عقل حیران رہ جاتی، مطالعہ کئے بغیر اتنا عمدہ سبق پڑھا دینا لاجواب قوت حافظہ اور گہری ذکاوت کے بغیر ممکن نہیں۔ ایک مرتبہ تو اپنے ایک شاگرد علم دین سے یہاں تک فرمایا کہ "وہ بھی کیا عالم ہے کہ آدمی محنت شاقہ کے بعد سبق پڑھانے کے قابل ہو، علم تو یہ ہے کہ کتاب ہر وقت متحضر ہو اور سبق پڑھانے کے لئے دوبارہ دیکھنے کی ضرورت نہ ہو"۔

والد محترم کے ایک بہت بڑے اعزاز کا ذکر بھی ضروری سمجھتا ہوں وہ یہ کہ حضرت مولانا ادریس کاندھلوی رحمہ اللہ سابق شیخ الحدیث جامعہ

---

[1] ضرب مومن، جلد: ۹ شمارہ نمبر ا، ۲۴ تا ۳۱ دسمبر ۲۰۰۴ء

اشرفیہ نے اپنی زندگی کے آخری حصہ میں والد صاحب کو بلا کر فرمایا:

"مولوی عبید اللہ! میرے بعد بخاری تو خود پڑھائیو اگر منظور نہ ہو تو مولوی یعقوب کو دی جئو"

مولانا ادریس کاندھلوی، مولانا اعزاز علی اور دوسرے اکابرین کا والد صاحب پر یہ اعتماد اللہ کا فضل ہے اور وہ جسے چاہتا اپنا فضل عطا کرتا ہے"۔

مولانا اعزاز علی دیوبندی رحمہ اللہ سے تعلق خاطر

حضرت مولانا محمد عبید اللہ صاحب کو اپنے اساتذہ میں سے شیخ الادب مولانا اعزاز علیؒ سے خصوصی تعلق حاصل تھا، حضرت الاستاذ صاحب فرماتے ہیں:

"حضرت شیخ الادب کے پاس ابوداؤد تھی، جس کی عبارت پڑھنے کا شرف سارا سال مجھے ہی حاصل رہا۔ اعتراضات بھی ہوئے بعض طلبہ نے درخواست بھی لکھی کہ ہمیں بھی موقع دیا جائے مگر حضرت نہیں مانے، فرمایا دوسروں کی غلطیاں درست کرانے میں وقت ضائع ہوتا ہے جبکہ اس کی عبارت خوانی میں وقت بچ جاتا ہے۔ جب امتحان ہوا تو اتفاق سے تین سوالات میں سے ایک ایسا تھا جس پر بالکل نظر ہی نہ گئی تھی اور اس کے مطالعہ کا موقع نہیں ملا تھا، لہٰذا دو سوالوں کے جوابات پر ہی اکتفا کیا مگر لکھے خوب تفصیل سے۔ جب نتیجہ آیا تو ابوداؤد میں میرے باون نمبر تھے (اس زمانہ میں کل نمبر پچاس ہوتے تھے) نتیجہ دیکھنے کے بعد میں حاضر خدمت ہوا اور عرض کیا حضرت میں نے تو صرف دو سوال حل کئے تھے مگر آپ نے ۵۲ نمبر عنایت فرما دیے؟ فرمایا کہ نمبر دیتے وقت صرف کتاب اور جوابات ہی کو نہیں دیکھا جاتا، کچھ دیر توقف کے بعد فرمایا "مایؤل" (مستقبل) کو بھی دیکھا جاتا ہے، سال کے اختتام پر جب حضرت کی

خدمت میں الوداعی مصافحہ کیلئے حاضر ہوا تو آپ نے اپنی دو نئی تالیفات عنایت فرمائیں اور پہلے صفحہ پر اپنے قلم سے لکھا ''ھدیۃ الی فلذۃ قلبی'' (اپنے جگر کے ٹکڑے کے لئے ہدیہ)''[1]

مولانا اعزاز علیؒ کے دل میں حضرت الاستاذ کا یہ مقام اور اعتماد آپ کے لئے ایک بہت بڑا سرمایہ ہے۔ یہ مقام بہت کم لوگوں کو نصیب ہوتا ہے کہ اساتذہ کے دل میں ان کا اس قدر مقام ہو، اور استاذ بھی وہ جنہیں دنیا ''شیخ الادب'' کے نام سے یاد کرتی ہے۔ شیخ الادب کا یہ اعتماد حضرت الاستاذ کی لاجواب ذہانت، عظیم علمی مقام، سنجیدگی و وقار اور دانش و استعداد کی ایک بہت بڑی شہادت ہے۔

درس و تدریس کا لاجواب ملکہ

حضرت کا درس انتہائی جامع اور عام فہم ہوتا ہے، مشکل سے مشکل مقامات کو اس عمدگی سے حل فرماتے ہیں کہ مقام کے مشکل ہونے کا احساس بھی نہیں ہوتا، آپ کے درس کی ایک بہت بڑی خصوصیت یہ ہے کہ آپ طلبہ کو کتاب اور صاحب کتاب کے مزاج سے آشنا کر دیتے جس کی وجہ سے ایسی بصیرت پیدا ہو جاتی کہ وہ پوری کتاب کو خود حل کر سکیں۔

قلیل منک یکفینی ولکن
قلیلک لا یقال لہ قلیل

''تیری طرف سے ملنے والا تھوڑا ہی مجھے کافی ہے حقیقت یہ ہے کہ
تیرے طرف سے ملنے والے قلیل کو بھی قلیل نہیں کہا جا سکتا''

حضرت الاستاذ دامت برکاتہم کی گلفشانی گفتار سننے سے تعلق رکھتی ہے۔ اللہ نے انہیں بے پناہ حافظہ، شاہکار دماغ اور آبدار جواہر لٹانے والی زبان عطا کی ہے۔ بلا مبالغہ یوں محسوس ہوتا ہے کہ الفاظ و تراکیب، ضرب الامثال، محاورات، عربی، اردو اور فارسی کے اشعار اور علمی لطائف و نکات دست بستہ کھڑے ہیں اور ہو جس موتی کو مناسب

---

[1] ضرب مومن، جلد: ۹ شمارہ نمبر ۱، ۲۴ تا ۳۱ دسمبر ۲۰۰۴ء

سمجھتے ہیں اپنی گفتگو میں نگینہ کی طرح جڑ دیتے ہیں۔ خصوصاً جب وہ اکابر کا تذکرہ کرتے ہیں تو یوں محسوس کہ ابھی ابھی ان مجالس سے اٹھ کر آئے ہیں۔ دوران سبق حضرت جب طلبہ کو اشعار اور ضرب الامثال سناتے ہیں تو بلا ساختہ بے خودی کی کیفیت طاری وہ جاتی ہے ، پر موقع محل کا شعر اور کہاوت آپ کی نوک زبان پر ہے۔

حضرت محترم کی ایک بہت بڑی خصوصیت آپ کا اخلاص اور تواضع ہے۔ خود پسندی اور تکبر سے کوسوں دور اور چلتے پھرتے پیکر تواضع اور مجسم فنائیت ہیں۔ آپ کے طرز زندگی کی سادگی کو دیکھ کر یہ اندازہ کرنا مشکل ہوتا ہے کہ یہ وہ شخصیت ہے جو جامعہ اشرفیہ جیسے عظیم ادارے کے سربراہ اور دار العلوم جیسی مادر علمی کے ایسے مایہ ناز فاضل ہیں جن کے ہزاروں شاگرد پوری دنیا میں مصروف خدمت اسلام ہیں۔ حقیقت ہے کہ اگر آج علم و مدرسہ کا جو وجود ہے وہ انہی حضرات کے مرہون منت ہے۔

کسی کو کیا خبر کیا چیز ہیں وہ
انہیں دیکھے کوئی میری نظر سے

بلاشبہ حضرت الاستاذ کا شمار انہی دیدہ ور شخصیات میں ہوتا ہے جن کی پیدائش سے پہلے نرگس کو ہزاروں سال اپنی بے نوری پہ رونا پڑتا ہے۔

اولئک آبائی فجئنا بمثلهم
اذا جمعتنا یا جریر المجامع

''یہ میرے آباء ہیں! اے جریر! جب مجلس گاہیں ہمیں جمع کریں تو ایسے لوگ لا کر دکھا''۔

شیخ الحدیث مولانا سلیم اللہ خان صاحب مدظلہ

اللہ تعالیٰ نے اس شہرہ آفاق عالمی شخصیت کے حصہ میں علم اور اہل علم کی خدمت کا جو حصہ لکھ دیا ہے وہ انہی کا خاصہ ہے، جامعہ فاروقیہ جیسے مستند دینی ادارے کا اہتمام، کتب حدیث کی تدریس کی ذمہ داری، وفاق المدارس العربیۃ جیسے عالمی ادارے کی سرپرستی اور دوسری بہت سی علمی و دینی مصروفیات اس ایک جامع الصفات شخصیت کی ذمہ داری میں شامل ہیں۔

بخاری شریف کی شروحات میں اردو زبان میں سب سے زیادہ جامع اور ضخیم شرح ''کشف الباری'' جیسی عظیم کتاب آپ ہی کی امالی پر مشتمل ہے، یہ شرح بھی آپ کی زندگی کی قیمت وصول کرنے کے لئے کافی تھی، متقدین کے علم کا نچوڑ اور بخاری شریف سے متعلقہ تمام ابحاث کا مکمل خزینہ اس میں موجود ہے۔ اردو زبان کی اس مایہ ناز شرح بخاری کے بارے میں فقیہ عصر حضرت مولانا مفتی تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم فرماتے ہیں:

> ''جب پہلی بار ''کشف الباری'' کا ایک نسخہ میرے سامنے آیا تو حضرت سے پڑھنے کے زمانے کی جو خوشگوار یادیں ذہن پر مرتسم تھیں، انہوں نے طبعی طور پر کتاب کی طرف اشتیاق پیدا کیا۔ لیکن آج کل مجھ ناکارہ کو گوناگوں مصروفیات اور اسفار کے جس غیر متناہی سلسلے نے جکڑا ہوا ہے اس میں مجھے اپنے آپ سے یہ امید نہ تھی کہ میں ان ضخیم جلدوں سے پورا پورا استفادہ کرسکوں گا، یوں بھی اردو زبان میں اکابر سے لے کر اصاغر تک بہت سے حضرات اساتذہ کی تقاریر بخاری معروف و متداول ہیں اور ان سب کو بیک وقت مطالعہ میں رکھنا مشکل ہوتا ہے۔
>
> لیکن جب میں نے ''کشف الباری'' کی پہلی جلد سرسری مطالعے کی نیت سے اٹھائی تو اس نے مجھے خود مستقل طور پر اپنا قاری بنالیا۔

اپنے درس بخاری کے دوران جب میں ''فتح الباری، عمدۃ القاری، شرح ابن بطال، فیض الباری، لامع الدراری اور فضل الباری کا مطالعہ کرنے کے بعد ''کشف الباری'' کا مطالعہ کرتا تو ظاہر ہوتا کہ اس کتاب میں مذکور تمام کتابوں کے اہم مباحث دلنشین تفہیم کے ساتھ اس طرح یک جا ہو گئے ہیں جیسے ان کتابوں کا لب لباب اس میں سمٹ آیا ہو۔ اور اس کے علاوہ بھی بہت سے مسائل اور مباحث اس پر مستزاد ہیں، اس طرح مجھے بفضلہ تعالیٰ ''کشف الباری'' کی ابتدائی دو جلدوں کا تقریباً بالاستیعاب مطالعہ کرنے کا شرف حاصل ہوا اور کتاب المغازی والی جلد کے بیشتر حصے سے استفادہ نصیب ہوا اور اگر میں یہ کہوں تو شاید یہ مبالغہ نہیں ہوگا کہ اس وقت صحیح بخاری کی جتنی تقاریر اردو میں دستیاب ہیں ان میں یہ تقریر اپنی نافعیت اور جامعیت کے لحاظ سے سب پر فائق ہے۔ اور یہ صرف طلبہ ہی کے لئے نہیں بلکہ صحیح بخاری کے اساتذہ کے لئے بھی نہایت مفید ہے، مباحث کے انتخاب، تطویل اور اختصار میں ہر پڑھانے والے کا مذاق جدا ہو سکتا ہے''۔[1]

اسی طرح مشکوۃ المفاتیح پر آپ کی امالی کو ضبط کیا جا چکا ہے۔ یہ امالی بھی اپنی افادیت کے اعتبار سے اپنی مثال آپ ہیں۔

شیخ الحدیث مدظلہ کا حیرت انگیز حافظہ:

اللہ تعالیٰ نے شیخ الحدیث صاحب کو غیر معمولی قوت حافظہ سے نوازا ہے، آپ کے ایک شاگرد اور جامعہ فاروقیہ کے استاذ مولانا ابن الحسن عباسی اپنی کتاب ''متاع وقت اور کاروان علم'' میں فرماتے ہیں:

''اللہ تعالیٰ نے آپ کو حافظہ کی غیر معمولی قوت سے نوازا ہے اور

---

[1] کشف الباری، ص:۲ (تمام جلدوں میں) تاثرات حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم

حقیقت یہ ہے کہ ان کے حافظہ کے واقعات سن کر قرون اولیٰ کے محدثین کے حافظہ کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔ یہ واقعہ بہت سوں کے لئے باعث تعجب ہوگا کہ اس دور میں بھی ایسے لوگ موجود ہیں جنہوں نے ایک ماہ سے بھی کم عرصہ میں پورا قرآن نہ صرف یاد کیا بلکہ یاد کرنے کے ساتھ ساتھ تراویح میں بھی سنایا۔ طالب علمی ہی کے زمانے میں آپ دارالعلوم دیوبند سے رمضان کی تعطیلات میں گھر آئے، خیال ہوا کہ چھٹیوں کے اس وقفہ میں قرآن شریف کا کچھ حصہ یاد کروں، رمضان سر پر تھا، مشورہ یہ ہوا کہ روزانہ ربع پارہ یاد کر کے تراویح میں سنایا جائے، اس طرح رمضان کی تراویح بھی ہوتی رہیں گی اور آپ سات آٹھ پارے بھی یاد کرلیں گے۔

مولانا کو شاید خود بھی اپنے حافظہ کی قوت کا اس وقت اندازہ نہیں تھا، چنانچہ آپ نے روزانہ چوتھائی پارہ یاد کرنے کا ارادہ کر کے حفظ قرآن کا آغاز کیا، لیکن جب یاد کرنے بیٹھے تو روزانہ ربع پارہ کے بجائے ایک پارہ ڈیڑھ پارہ یاد کر لیتے اور رات کو تراویح میں سناتے رہے، ادھر ستائیسویں شب آپ پہنچی اور ادھر آپ نے حفظ قرآن مکمل کر کے اس رات آخری پارہ بھی سنا دیا، علاقے کے حفاظ کو جب یہ اطلاع ملی تو بہت سوں کو یقین نہیں آ رہا تھا لیکن ایک واقعہ جو وجود میں آ چکا تھا اس سے انکار کیسے ممکن تھا۔

دارالعلوم دیوبند میں جب آپ داخل ہوئے تو اس سال فن منطق میں ''میر قطبی'' آپ نے پڑھی کہ اس سے قبل آپ ''قطبی'' پڑھ کر آئے تھے اور دارالعلوم کے نصاب میں ''قطبی'' کے بعد ''میر قطبی'' داخل تھی۔ آپ کی خواہش اس سال منطق کی شہرہ آفاق کتاب ''مسلّم'' پڑھنے کی تھی لیکن ضابطۂ نصاب اس کی اجازت نہیں دے

رہا تھا، اس لئے آپ اس سال ''سلّم'' نہ پڑھ سکے۔

کچھ سلم کی اپنی مغلق عبارات اور کچھ اس کے مروجہ انداز درس وتدریس کے بڑھے ہوئے متنوع مباحث نے اس کتاب کو جس طرح مشکل بنا دیا ہے وہ پڑھنے والے جانتے ہیں کہ منطق کی یہ کتاب فن منطق کے مباحث ہی تک محدود نہیں بلکہ منطق کے علاوہ نحو، صرف، فلسفہ اور کلام کے پیچیدہ مسائل بھی اس کے درس وتدریس کا حصہ بن گئے ہیں اس لئے اس کتاب کے امتحان میں فیل ہونے والے طلبہ کی کافی تعداد ہوتی، چونکہ دارالعلوم دیوبند کے نصاب میں اس وقت یہ کتاب لازمی تھی اس لئے سالانہ امتحان کے وقت مدرسہ کی جانب سے اعلان ہوتا کہ اگر کوئی طالب علم امتحان میں شریک ہونا چاہے تو درخواست دے دے، یہ اعلان پڑھ کر آپ نے بھی سلم کے امتحان میں شرکت کے لئے درخواست دے دی، ناظم تعلیمات شیخ الادب مولانا اعزاز علیؒ نے آپ کی درخواست دیکھی تو انہیں حیرت ہوئی کہ ایک ایسا طالب علم جس نے ''سلم'' سرے سے پڑھی ہی نہ ہو وہ اس جیسی مشکل کتاب کا امتحان بن پڑھے کیونکر دیتا ہے اور اگر امتحان دے بھی دے تو پاس کس طرح ہوسکتا ہے؟ بمشکل درخواست منظور ہوئی تو امتحان میں صرف دس دن باقی رہ گئے تھے، ان دس دنوں میں آپ نے سلم اور اس کے تمام مباحث اس طرح یاد کئے کہ جس صبح کو اس کا امتحان تھا اس رات آپ نے نہ صرف پورے سال سلم پڑھنے والے طلبہ کو اس کے مباحث سمجھائے بلکہ دستار فضیلت حاصل کرنے والے ان طلبہ نے بھی آپ کے تکرار میں شرکت کر کے استفادہ کیا جن کے لئے اس کا امتحان دردسر بنا ہوا تھا اور جب نتیجہ نکلا تو اس کے امتحان میں شریک

ایک سو اسی طلبہ میں جن دو طالب علموں کے نمبر سب سے زیادہ تھے ان میں ایک آپ تھے۔

یہ آپ کے غیر معمولی حافظہ اور محنت کا نتیجہ تھا کہ آپ نے صرف ساڑھے چھ سال میں درس نظامی سے فراغت حاصل کی، آپ دارالعلوم دیوبند کے ممتاز طلبہ میں سے تھے، ہر امتحان میں دارالعلوم دیوبند کی جانب سے آپ کو خصوصی انعام دیا جاتا"[1]

[1] متاع وقت اور کاروان علم ص: ۲۹۴-۲۹۵

شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم

شیخ الاسلام مدظلہ کا نام سنتے ہی ذہن میں قرآن وحدیث کے کہنہ مشق استاذ، قضاء وعدالت کے عظیم عالم، معیشت میں مجتہدانہ بصیرت کے حامل، فقہ وافتاء کے بحر بیکراں، تاریخ اسلام کے مایہ ناز شناور، تصنیف کے تالیف کے مایہ ناز شہسوار، ایک ماہر زبان شناس، امت کے مسائل پر گہری نگاہ رکھنے والے داعی اور ایک نابغہ روزگار روحانی شخصیت کا تصور ذہن میں گھومنے لگتا ہے، علمی حلقوں میں حضرت مفتی صاحب کی شخصیت کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ ایک ایسی جامع الصفات شخصیت جن کے تذکرے کے بغیر علماء دیوبند کی تاریخ مکمل نہیں ہوسکتی۔

آپ دارالعلوم کراچی میں تصنیف کے فرائض سرانجام دیتے ہیں۔ البلاغ اردو اور البلاغ انٹرنیشنل انگریزی کے مدیر ہیں، دارالعلوم کے نائب صدر اور شعبہ تصنیف کے نگراں ہیں۔ شریعت اپیلٹ بنچ سپریم کورٹ آف پاکستان کے سابق جج، المجمع الفقہ الاسلامی جدہ، کراچی یونیورسٹی کی سنڈیکیٹ کمیٹی اور اسلامی ممالک کے مختلف بنکوں میں شریعت نگرانی بورڈ کے ممبر ہیں۔

شیخ الاسلام مدظلہ کا حیرت انگیز حافظہ:

اللہ تعالیٰ شیخ الاسلام دامت برکاتہم کو حافظہ بھی غضب کا عطا فرمایا ہے، ظاہر ہے کہ اتنا بلند علمی مقام حیرت انگیز قوت حافظہ کے بغیر ممکن بھی نہیں۔ جن لوگوں کو حضرت ممدوح سے براہ راست استفادہ کا موقع ملا وہ اس بات کی گواہی دیتے ہے کسی بھی علمی جزئی کا ذکر کرنے میں مفتی صاحب کو تردد یا دشواری پیش نہیں آتی، خواہ اس کا تعلق حدیث وتفسیر سے ہو یا قضاء وافتاء سے، کتب معیشت کا کوئی حوالہ ہو یا کتب تاریخ کا۔ تکملہ فتح الملہم آپ کے لاجواب حافظہ کا ایک عظیم شاہکار ہے جس کا لفظ لفظ مفتی صاحب جامعیت صفات پر دلالت کررہا ہے۔ حضرت موصوف کے دوسرے علمی کارنامے اپنی جگہ، لیکن آپ کا تکملہ فتح الملہم اپنی

مثال آپ ہے، اٹھارہ سال کی منتخب ساعتوں میں آپ نے جو کارنامہ انجام دیا وہ اس صدی کا کارنامہ ہے اور اس لائق ہے کہ ہر علمی مجلس میں اس کا تذکرہ ہو، ہر صاحب علم اس سے مستفید ہو، ہر جامعہ میں اس پر بحث ومناقشہ ہو، ہر صاحب علم اس سے مستفید ہو۔ عالم اسلام کی معتبر اور منتخب شخصیات نے کتاب کی قدر و قیمت اور وزن کو محسوس کیا ہے اور اپنے سادہ عربی مزاج کے مطابق تکملہ اور اس کے مؤلف کو خراج تحسین پیش کرنے میں کسی بخل سے کام نہیں لیا۔ معروف محقق اور فقیہ ومحدث شیخ عبدالفتاح ابوغدہ نے کتاب جو تقریظ لکھی ہے اس میں آں ممدوح کو "النجل الذکی علامۃ اللوذعی المحدث النجیب والفقیہ الادیب الاریب" جیسے بلند پایہ الفاظ والقاب سے متصف فرمایا ہے۔

نگاہ شوق اگر ہو شریک بینائی:

شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم کے دل میں علم کی محبت اور لگن بھی ایک قابل تقلید جذبہ ہے، علم آپ کی تسلی کا سامان اور آپ کے لئے دنیا کی لذیذ ترین چیز ہے، ایک موقع پر آپ نے فرمایا:

> "روئے زمین پر لکھنا پڑھنا مجھے ہر چیز سے زیادہ محبوب وعزیز ہے اور ہر وقت کسی نہ کسی مسئلہ میں میرا ذہن الجھا رہتا ہے"

اسی طرح طلبہ سے اپنے ایک بیان میں فرمایا:

> "طلب علم نام ہے ایک نہ مٹنے والی پیاس کا، میرے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ طالب علم کی تعریف یہ ہے کہ جس کے دماغ میں ہر وقت کوئی نہ کوئی مسئلہ چکر کاٹ رہا ہو، علم بڑی محنت اور طلب چاہتا ہے اور بڑی بے نیاز چیز ہے، محنت اور طلب کے بغیر آدمی کو وہ اپنا کوئی ذرہ بھی نہیں دیتا ہے، العلم لا یعطیک بعضہ حتی تعطیہ کلہ" طلب علم کا ذوق جب پیدا ہو جائے گا تو یقین رکھو اگر میں قسم کھاؤں تو حانث نہیں ہوں گا کہ اس کائنات میں طلب علم سے زیادہ لذیذ چیز کوئی نہیں، بشرطیکہ طلب علم کی حقیقت حاصل ہو، تمہیں

اپنا حال بتاتا ہوں، عرصہ دراز سے ایسے حالات میں گرفتا ہوں کہ اس بات کو ترستا ہوں کہ مجھے مطالعہ کا وقت ملے، پانچ منٹ بھی اگر نصیب ہوجاتے ہیں تو بڑی ہی خوشی ہوتی ہے..... جب میں نے دورہ پڑھا تھا تو پندرہ سال کی عمر تھی سولہویں سال میں فراغت ہوئی تھی، سبق کے علاوہ میرے اوقات کتب خانہ میں گزرتے تھے، پڑھنے کے زمانہ میں صحیح بخاری کے لئے عمدۃ القاری، فتح الباری اور فیض الباری کا مطالعہ کیا کرتا تھا، مسلم شریف کے لئے فتح الملہم، سنن ابی داؤد کے لئے بذل المجہود اور ترمذی شریف کے لئے کوکب الدری کا مطالعہ کرتا تھا چونکہ اس کے لئے وقت چاہئے تھا اس لئے میں نے کسی طرح ناظم کتب خانہ کو اس بات پر راضی کرلیا تھا کہ دوپہر کے وقفہ میں وہ گھر چلے جایا کریں اور باہر سے کنڈی لگا کر مجھے اندر بند کردیا کریں، چنانچہ وہ باہر سے تالا لگا کر چلے جایا کرتے تھے اور میں اندر مطالعہ کرتا رہتا تھا، دوران مطالعہ مذکورہ کتابیں تو پڑھتا ہی تھا، ساتھ ساتھ کتب خانہ کی ساری کتابوں کے متعلق یہ معلومات بھی ہوگئی تھیں کہ کون سی کتاب کس موضوع پر ہے اور کہاں ہے، ناظم کتب خانہ کو جب کتاب نہیں ملتی تھی تو مجھے بلاتے اور میں انہیں بتادیتا..... مطالعہ کی وہ لذت مجھے آج بھی نہیں بھولتی..... تیس پینتیس سال سے ترمذی شریف پڑھا رہا تھا اس لئے مطالعہ میں کوئی نئی بات نہیں آتی تھی جب سے بخاری شریف کا سبق میرے پاس آیا تو مطالعہ کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی اور اس کے لئے اپنے آپ کو دوسرے کاموں سے فارغ کیا، اب دوبارہ وہ لذت لوٹ آئی ہے، ایسا لگتا ہے کہ وہ لذت مطالعہ گمشدہ متاع تھی، اب مل گئی، مطالعہ میں سبق پڑھانے کے لئے نہیں کرتا، مطالعہ کا شروع سے میرا حساب

کتاب یہ ہے کہ بیچ میں جب کوئی بات آگئی، کوئی بھی سوال پیدا ہوگیا تو پھر مجھ سے ممکن نہیں ہے کہ میں آگے بڑھوں، جب تک مختلف مراجع میں اس کی تحقیق نہ کرلوں، چاہے وہ بات سبق میں بیان کرنے کی ہو، یا نہ ہو، میں آپ سے سچ کہتا ہوں کہ اس سے زیادہ لذیذ چیز دنیا میں کوئی نہیں ہے، اللہ نے بہت لذتوں سے نوازا، دنیا کی لذتوں سے بھی بہت نوازا، اتنی کہ شاید ہی کسی کو نصیب ہوئی ہوں لیکن جو لذت اس میں پائی ہو کسی میں نہیں''۔[۱]

کچھ اور ہی نظر آتا ہے کاروبارِ جہاں
نگاہ شوق اگر ہو شریک بینائی
نگاہ شوق میسر نہیں اگر تجھ کو
ترا وجود ہے قلب ونظر کی رسوائی

اللہ تعالی مفتی صاحب کا سایہ تادیر ہمارے سروں پر قائم رکھے، ان کی عمر میں مزید برکت دے اور تمام امت کو ان کے علوم سے استفادے کی توفیق مرحمت فرمائے۔

ایں دعا از من واز جملہ جہاں آمین باد

---

[۱] متاع وقت اور کاروان علم: ۳۳۰۔۳۰۱

باب......(٦)

﴿قوت حفظ کے حیرت انگیز واقعات﴾

قوت حفظ کے حیرت انگیز واقعات

پندرہ دن میں عبرانی زبان پر عبور

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ ان جلیل القدر صحابہ رضی اللہ عنہم میں ہیں، جو اپنے زمانے میں بڑے عالم اور بڑے مفتی شمار ہوتے تھے، بالخصوص علم میراث میں ماہر تسلیم کئے جاتے تھے۔

جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لائے تو اس وقت کم عمر بچے تھے، گیارہ برس کی عمر تھی اسی وجہ سے باوجود خواہش کے ابتدائی لڑائیوں میں یعنی بدر وغیرہ میں شرکت کی اجازت نہیں ہوئی۔ ہجرت سے پانچ برس پہلے چھ سال کی عمر میں یتیم بھی ہو گئے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب ہجرت کے بعد مدینہ منورہ پہنچے تو جیسے اور لوگ حاضر خدمت ہو رہے تھے اور حصول برکت کے لئے بچوں کو بھی ساتھ لا رہے تھے، زید رضی اللہ عنہ بھی خدمت میں حاضر کئے گئے۔

حضرت زید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں جب پیش کیا گیا تو عرض کیا گیا کہ یہ قبیلہ نجار کا ایک لڑکا ہے، آپ کی تشریف آوری سے قبل ہی اس نے دس سورتین قرآن پاک کی حفظ کر لیں، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے امتحان کے طور پر مجھے پڑھنے کو ارشاد فرمایا۔ میں نے سورہ ق حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سنائی، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو میرا پڑھنا پسند آیا۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جو خطوط یہود کے پاس بھیجنا ہوتے تھے وہ یہود ہی لکھا کرتے تھے، ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ یہود کی جو خط و کتابت ہوتی ہے اس پر مجھے اطمینان نہیں کہ گڑبڑ نہ کر دیتے ہوں، تم یہود کی زبان سیکھ لو۔

حضرت زید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ "پندرہ دن میں مجھے عبرانی زبان پر عبور حاصل ہو گیا تھا اس کے بعد جو تحریر یہود کے پاس سے آتی وہ میں ہی پڑھتا"

ایک دوسری حدیث میں آیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مجھے بعض لوگوں کو

سریانی میں خطوط لکھنا پڑتے ہیں، اس لئے مجھ کو سریانی زبان سیکھنے کے لئے ارشاد فرمایا، میں نے سترہ دن میں سریانی زبان سیکھ لی تھی[1]

قوت حفظ کی دوا

امام شافعیؒ کے مشہور شاگرد وکیع بن جراح کا شمار تاریخ اسلام کی بے مثال علمی شخصیات میں ہوتا۔علم حدیث کے عظیم امام کو اللہ تعالی نے غیر معمولی قوت حافظہ سے نوازا تھا، حدیث کی مجلس میں زبان حافظہ کی قوت سے بولتی تھی، آنکھ سے دیکھ کر املاء کروانے کی عادت زندگی بھر نہیں اپنائی۔

علی بن خشرم کہتے ہیں "میں نے وکیع کے ہاتھ میں کبھی کتاب نہیں دیکھی وہ خود پیکر حفظ تھے" ایک مرتبہ علی بن خشرم نے پوچھا "قوت حفظ کی کوئی دوا ہو تو بتا دیں" وکیع فرمانے لگے "اگر بتا دوں تو استعمال کرو گے" علی نے کہا "واللہ! کیوں نہیں" فرمانے لگے "ترک معاصی! قوت حفظ کے لئے اس سے زیادہ مجرب دوا میں نے نہیں دیکھی"[2]

ایک عالم کے حافظہ کا امتحان

حافظ رحمت اللہ الہ آبادی رحمۃ اللہ علیہ کے حافظہ کے متعلق حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان فرمایا ہے:

> "قاضی وصی اللہ صاحب کانپور میں قرق امین تھے اور نہایت ثقہ اور معتمد و معتبر آدمی تھے، گو جنید بغدادی نہ ہوں لیکن تاہم ایک ثقہ اور معزز آدمی تھے، اور جو لوگ معزز ہوتے ہیں ہو عادتاً جھوٹ نہیں بولتے۔ وہ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ حافظ صاحب کانپور تشریف لائے اور میں نے درخواست کی کہ آپ کا حافظہ دیکھنا چاہتا ہوں فرمایا کہ کوئی کتاب لا کر طویل عبارت کی میرے سامنے پڑھ دو۔ وہ کہتے ہیں کہ میں کتب خانہ سے "افق المبین" نکال کر لایا جو بہت باریک

---

[1] فتح الباری، الاصابہ، حکایات صحابہؓ [2] تہذیب الکمال، ۳۰/۴۸۱

لکھی ہوئی تھی اور بڑی تقطیع پر تھی اور اس کے دو صفحے ان کے سامنے پڑھے، انہوں نے بعینہ تمام عبارت سنا دی۔"

اس واقعہ کو نقل کرنے کے بعد حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں:

"اور بھی بہت سے علماء سے اس قسم کی حکایات سنی گئی ہیں تو حق تعالیٰ کو سب قدرت ہے اس میں تعجب کی بات نہیں ہے گو تمہاری سمجھ میں نہ آئے"[1]

ایک غیر معروف محدث کا حیرت انگیز حافظہ

قرطمہ ایک محدث گزرے ہیں، زیادہ مشہور بھی نہیں، ان کے ایک شاگرد داؤد کہتے ہیں کہ لوگ ابو حاتمؒ وغیرہ کے حافظہ کا ذکر کرتے ہیں، میں نے قرطمہ سے زیادہ حافظ نہیں دیکھا، ایک مرتبہ میں ان کے پاس گیا، کہنے لگے "ان کتب میں سے جو کتاب دل چاہے اٹھالو میں سنا دوں گا" میں نے کتاب الاشربہ اٹھائی وہ ہر باب کے اخیر سے اول کی طرف پڑھتے چلے گئے اور پوری کتاب سنا دی۔[2]

ابن لبان کا حفظ قرآن

علامہ ابن لبان کہتے ہیں کہ میں پانچ سال کی عمر میں پورے قرآن مجید کا حافظ ہو گیا تھا اور میں نے تمام قرآن صرف ایک برس میں حفظ کر لیا تھا، جب مجھے ابو بکر بن مقری کے پاس بغرض تعلیم چار سال کی عمر میں حاضر کیا گیا تو بعض لوگوں نے مجھ سے استاذ مذکور کے خواندہ حصہ کے سیکھنے کا ارادہ کیا، اس پر بعض حضرات نے کہ کہا کہ ابھی ان کی عمر چھوٹی ہے تو مجھ سے ابن مقری نے امتحاناً فرمایا کہ سورۂ کافرون سناؤ۔ میں نے یہ سورت سنا دی، پھر فرمایا سورہ تکویر سناؤ میں نے وہ بھی سنا دی، پھر ایک اور شخص نے کہا سورۂ مرسلات سناؤ، میں نے وہ بھی صحیح سنا دی، اس پر ابن مقری فرمانے لگے:

"اس سے قرآن سیکھو، اس کی ذمہ داری مجھ پر ہے"[3]

---

[1] مجموعہ، ص:۱۳۱ [2] حکایات صحابہ، ص:۱۴۴ [3] مقدمہ فتح الملہم، ص:۸۵

حفظ قرآن کا غیر مسلم پر اثر

ایک مرتبہ ایک انگریز حاکم شہر سہارنپور (انڈیا) کے بچوں کے ایک مدرسہ میں پہنچا اور بچوں کو تعلیم قرآن اور اس کے حفظ کرنے میں مشغول دیکھا، حاکم نے استاذ سے سوال کیا کہ یہ کون سی کتاب ہے؟ اس نے بتایا کہ قرآن مجید ہے، پھر حاکم نے سوال کیا کہ ان میں سے کسی نے پورا قرآن مجید حفظ کیا ہے؟ استاذ نے ہاں میں جواب دیا اور چند لڑکوں کی طرف اشارہ کیا۔ اس نے جب سنا تو بڑا متعجب ہوا اور کہنے لگا، ان میں سے ایک لڑکے کو بلاؤ اور قرآن میرے ہاتھ میں دے دو، میں امتحان لوں گا۔ استاذ نے کہا ''آپ خود جس کو چاہیں بلا لیجئے'' چنانچہ اس نے خود ایک لڑکے کو بلایا جس کی عمر ۱۳ یا ۱۴ سال کی تھی اور چند مقامات سے اس کا امتحان لیا، جب اسے کامل یقین ہوگیا کہ یہ پورے قرآن کا حافظ ہے تو متعجب اور حیران ہوا اور کہنے لگا ''میں شہادت دیتا ہوں کہ جس طرح قرآن کے لئے تواتر ثابت ہے کسی بھی کتاب کو ایسا تواتر میسر نہیں محض ایک بچہ کے سینے میں پورے قرآن کا صحت الفاظ اور ضبط اعراب کے ساتھ موجود ہونا ممکن ہے''[1]

قاری فتح محمد کا حفظ قرآن میں کمال

شیخ الوقت قاری فتح محمد صاحبؒ نے اپنے بے نظیر حافظہ اور عطیہ خداوندی سے قرآن مجید اور اس کی قرآت عشرہ کی خدمت و اشاعت کی لاجواب خدمت سرانجام دی، بچپن ہی میں آپ کو حفظ قرآن میں ایسا کمال حاصل ہوگیا تھا کہ اگر کوئی صاحب سوال کرتے کہ قرآن مجید میں کل کتنے رکوع ہیں، کل سورتیں کتنی ہیں، فلاں حرف قرآن مجید میں کتنی جگہ آیا ہے، فلاں متشابہ کتنی جگہ ہے، تو آپ فوراً جواب دے دیتے اور سائل انگشت بدندان رہ جاتا۔ اسی طرح اگر کوئی آپ سے کسی سورت یا رکوع کو اس کے آخر سے سننا چاہتا تو آپ اس طرح سنا دیتے کہ سب سے پہلے رکوع یا سورت کی آخری آیت پڑھتے پھر اس سے اوپر والی پھر اس سے اوپر والی۔ اسی طرح رکوع و سورت کی شروع والی آیت تک پڑھتے اور

---

[1] بائبل سے قرآن تک از مولانا رحمت اللہ کیرانوی، ص: ۱۹۹

پڑھنے میں لا والی آیت اور بغیر لا والی تمام آیات کی ترتیب کا پورا خیال فرماتے، غرض یہ کہ جس طرح کسی رکوع یا سورت کو شروع کی طرف سے بلا تکلف پڑھتے تھے اسی طرح آخر کی طرف سے پڑھنے میں آپ کو تکلف پیش نہیں آتا تھا۔ بعد میں آپ کے شیخ حضرت قاری شیر محمد خان صاحب نے آپ کو اس طرح پڑھنے سے منع فرما دیا تھا[1]

امام عقیلیؒ کے حافظہ کا امتحان

امام عقیلی رحمہ اللہ کے مشہور شاگرد مسلمہ بن قاسم کہتے ہیں کہ وہ اپنی روایات بیان نہیں کرتے تھے بلکہ عادت شریفہ یہ تھی کہ جب ان کے پاس کوئی حدیث پڑھنے آتا تو اسے کہتے مجھے اپنی کاپی سنا دو، ہمیں یہ بات مناسب معلوم نہ ہوئی، ہم نے یہ خیال کیا کہ یا تو یہ حفظ کے میدان کے عظیم شہسوار ہیں یا سب سے بڑے جھوٹے ہیں، لہٰذا ہم نے ان کا امتحان لینے کا فیصلہ کیا۔

امتحان کے لئے ہم نے یہ صورت اختیار کی کہ کچھ احادیث صحیحہ میں کمی زیادتی کر کے ایک کاپی پر لکھا اور امام عقیلی کے پاس لے گئے، ہم نے ان سے درخواست کی کہ یہ روایات ہم سے سن لیں، انہوں نے مجھے پڑھنے کا حکم دیا۔ میں نے پڑھنا شروع کیا، جب میں کمی زیادتی پر پہنچا تو انہوں نے فوراً مجھ سے کاپی لی اور اپنی یادداشت سے کمیوں کو پورا کیا اور جو زیادتیاں کی گئی تھیں انہیں کاٹ دیا اور انہیں اصل درست روایات کے موافق بنا دیا۔ اس سے ہمارے دل مطمئن ہو گئے اور ہم نے جان لیا کہ امام عقیلی احفظ الناس ہیں[2]

حضرت وحشی رضی اللہ عنہ کا حیرت انگیز حافظہ

حضرت جعفر بن عمرو الضمری بیان کرتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ عبید اللہ بن عدی بن الخیار کے ساتھ حضرت وحشی سے ملنے گیا، عبید اللہؒ نے ان سے پوچھا کہ کیا آپ مجھے پہچانتے ہیں؟ حضرت وحشیؓ نے فرمایا کہ میں آپ کو پہچانتا تو نہیں البتہ مجھے اتنا یاد ہے کہ آج سے سالہا سال پہلے میں ایک عدی بن الخیار نامی شخص کے ہاں گیا تھا، اس دن عدی کے ہاں

---

[1] فضائل حفظ القرآن ،ص: ۱۰۶۰ [2] نزہۃ النظر ،ص ۶۵

ایک بچہ پیدا ہوا تھا، میں اس بچہ کو چادر میں لپیٹ کر اس کی مرضعہ کے پاس لے گیا تھا، بچہ کا سارا جسم ڈھکا ہوا تھا، صرف پاؤں میں نے دیکھے تھے، تمہارے پاؤں اس بچہ کے پاؤں کے ساتھ بہت زیادہ مشابہ ہیں[1]

امام شعبیؒ کا لاجواب حافظہ وعلمیت

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے اساتذہ میں ایک اہم نام امام شعبیؒ کا بھی ہے، امام شعبی نے پانچ سو صحابہؓ سے علم حدیث حاصل کیا ہے، ان کے حافظہ کا یہ عالم تھا کہ کبھی کوئی ایک حدیث بھی لکھ کر یاد نہیں کی۔ فرمایا کرتے تھے:

"مجھے شعر سے زیادہ مناسبت نہیں ہے لیکن اگر میں چاہوں تو ایک ماہ تک بغیر تیاری کے اشعار سنا سکتا ہوں"

ایک مرتبہ آپ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے غزوات بیان فرما رہے تھے کہ اتنے میں حضرت عمر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ پاس سے گزرے، امام شعبیؒ کی باتیں سن کر انہوں نے فرمایا:

"میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ غزوات میں شامل رہا ہوں، لیکن شعبی کو غزوات کا مجھ سے زیادہ علم ہے"[2]

ابن شبرمہ نے امام شعبیؒ کا یہ قول نقل کیا ہے:

﴿ما كتبت سوداء في بيضاء الى يومي هذا ولا حدثني رجل بحديث قط الا حفظته﴾

"میں آج تک جو حدیث بھی لکھی اور مجھ سے آج تک جس نے بھی کوئی حدیث بیان کی میں نے اسے حفظ کر لیا ہے"[3]

پینتالیس سال بعد......

تجوید وقرأت کے مشہور امام، امام شاطبی (متوفی: ۵۹۰) نابینا حج کے سفر میں ایک جگہ راستہ میں درخت آیا، ساتھیوں نے کہا کہ ذرا جھک کر گزریں تاکہ درخت کی ٹہنی سر کو نہ لگے۔

---

[1] درس ترمذی، ۱/۳۴، بحوالہ صحیح بخاری
[2] درس ترمذی، ۱/۹۳
[3] تدریب الراوی، ص:۵۱

پینتالیس سال بعد جب دوبارہ اسی جگہ سے گزرے تو جھک کر نکلے، احباب نے اس کی وجہ دریافت کی تو فرمایا ''یہاں ایک درخت تھا اس لئے میں جھک کر چلا ہوں'' رفقاء نے بتایا کہ یہاں تو کوئی درخت نہیں ہے۔ آپ سواری سے نیچے اترے اور فرمایا کہ اب حدیث روایت نہیں کروں گا، کیونکہ معلوم ہوتا ہے کہ اب میرا حافظہ کمزور ہو چکا ہے''۔ پھر آس پاس گاؤں والوں کو بلایا تو وہاں کے بوڑھوں نے بتایا کہ یہاں ایک درخت تھا جو کہ کاٹ دیا گیا ہے۔ اس کے بعد آپ مطمئن ہو گئے۔[1]

بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

ایک مرتبہ امام شاطبی رحمہ اللہ کی موجودگی میں دو ترکیوں کے درمیان تکرار ہو گیا، دونوں نے ایک دوسرے کو سخت سست کہا، حاضرین نے امام شاطبیؒ سے ان دونوں کی گفتگو کی تفصیل پوچھی، آپ نے ان دونوں میں سے ایک کا بیان سن کر اپنی دائیں طرف بٹھا دیا، دوسرے کا بیان سن کر اپنی بائیں جانب بٹھا دیا، پھر حاضرین سے فرمانے لگے ''اس پہلے شخص نے دوسرے کو یہ کہا، دوسرے نے اس کو یہ کہا، پھر پہلے نے یہ جواب دیا اور دوسرے نے اس کو ترکی بہ ترکی یہ جواب دیا، حتی کہ ان کی پوری گفتگو نقل فرمادی۔

کمال تو یہ ہے کہ آپ ترکی زبان سے قطعی نا آشنا تھے، اس کے باوجود ان دونوں کی گفتگو کو یاد رکھنا بے مثال قوت حافظہ کے ثمرات ہیں۔[2]

حافظ اثرم کا باکمال حافظہ

حافظ اثرم ایک محدث ہیں احادیث کے یاد کرنے میں بڑے مشاق تھے، ایک مرتبہ حج کو تشریف لے گئے، وہاں خراسان کے دو بڑے استاذ آئے ہوئے تھے اور حرم شریف میں دونوں علیحدہ علیحدہ درس دے رہے تھے، ہر ایک کے پاس پڑھنے والوں کا بڑا مجمع موجود تھا، یہ دونوں کے درمیان بیٹھ گئے اور دونوں کی احادیث ایک ہی وقت میں لکھ ڈالیں۔[3]

---

[1] فیض الباری، ۴۱/۲ [2] فضائل حفظ القرآن، ص: ۱۹۱ [3] حکایات صحابہ، ص: ۱۱۲

قرآن کے اعراب سنانے کا واقعہ

سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حافظ محمد قاسمؒ جیسا جید حافظ تاریخ نے پیدا نہیں کیا، میں اپنے والد مرحوم سے حافظ صاحب کے بہت سے کمالات سن چکا تھا۔ والد صاحب فرمایا کرتے تھے کہ میرے استاذ گرامی کو تمام عمر کلام پاک کی تلاوت میں کبھی غلطی نہیں لگی اور نہ ہی تمام عمر انہوں نے کلام پاک کے کسی لفظ کو لوٹا کر پڑھا۔ اباجی مرحوم بتاتے تھے کہ حافظ صاحب امرتسر رمضان المبارک میں لدھیانہ سے تشریف لے جاتے اور وہیں تراویح پڑھاتے، بیسیوں حفاظ مختلف شہروں سے ان کے کلام پاک کی سماعت کے لئے آتے مگر کبھی کسی حافظ نے حافظ محمد قاسم کو لقمہ نہیں دیا اور یادداشت کا یہ عالم تھا کہ ایک گھنٹے میں ایک پارہ کی رفتار سے پڑھیں یا پانچ کی رفتار سے، تلاوت کے حسن اور صحت اداء میں ذرا فرق نہ آتا۔ یہ انتہائی یادداشت کا کمال ہے، حفاظ صاحبان جانتے ہیں کہ معمولی یادداشت کا حافظ کم رفتار سے نہیں پڑھ سکتا اگر پڑھے گا تو بے شمار غلطیاں ہوں گی، حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ نے فرمایا کہ لدھیانہ میں خواجہ احمد شاہ نہایت بزرگ اور خدارسیدہ شخص تھے انہوں نے قرآن کریم کی کتابت کرائی، جب کتابت مکمل ہو چکی تو کتابت کی تصحیح کا مسئلہ درپیش تھا، خواجہ صاحب کتابت شدہ کلام پاک مولانا زکریا مرحوم جو مولانا حبیب الرحمٰن رئیس الاحرار کے والد محترم تھے ان کے پاس لائے مولانا زکریا مرحوم نے چھ ماہ میں کلام پاک حفظ کیا تھا۔ ان کا شمار جید حفاظ میں ہوتا تھا، خواجہ صاحب نے اپنے آنے کا مقصد بیان کیا، مولانا فرمانے لگے کہ اس کام کے لئے سارے ہندوستان میں ایک ہی حافظ ہیں، وہ حافظ محمد قاسم ہیں، میں یہ کلام پاک ان کو سناؤں گا اس کے بعد غلطی کا امکان نہیں رہے گا۔ مولانا زکریا حافظ صاحب کے پاس آئے اور عرض کیا کہ میں کلام پاک پڑھتا جاتا ہوں آپ سنتے جائیں تاکہ اشاعت سے پہلے کتابت کی کوئی غلطی نہ رہے، حافظ صاحب نے فرمایا کہ اس طرح کلام پاک درست ہو جائے گا، مولانا نے عرض کیا کہ آپ نابینا ہیں، اس کے علاوہ کوئی طریقہ میری سمجھ میں نہیں آتا، حافظ صاحب مسکرائے اور فرمایا اور طریقہ بھی ہے وہ یہ ہے

کہ آپ کلام پاک دیکھتے جائیں، میں اعراب بولتا جاتا ہوں اور بسم اللہ سے شروع کر کے والناس تک صرف اعراب بولتے گئے کوئی لفظ نہیں بولا۔ شاہ جی نے فرمایا کہ واقعہ سننے کے بعد مجھے یقین نہیں آیا۔ میں مولانا زکریا صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا انہوں نے اس محیر العقول واقعہ کی حرف بحرف تصدیق کی اور شہادت دی کہ یہ واقعہ میرے ساتھ گزرا ہے واقعی حافظ محمد قاسم کو ایسا ہی کلام پاک یاد تھا جس کی مثال تاریخ پیش نہیں کر سکتی۔[۱]

ایک ماہ میں حفظ قرآن

حضرت مولانا قاسم نانوتوی رحمہ اللہ نے جب پہلا حج کیا تو کراچی کے راستہ سے کیا تھا اس زمانہ میں اسٹیمر نہیں تھی بادبانی جہاز تھے، بادبان باندھ دیا گیا تو کشتی چل رہی ہے ہوا جب مخالف چلی تو لنگر ڈال دیئے گئے جس سے کشتی کھڑی ہو جاتی تھی۔ پانچ پانچ چھ چھ مہینہ میں جدہ پہنچتے تھے، تو حضرت بھی بادبانی جہاز میں سوار ہوئے اور رمضان شریف آگیا، گویا شعبان میں چلے تھے کشتی کے اندر رمضان آگیا، اور اتفاق سے کوئی حافظ نہیں۔ تراویح الم ترکیف سے ہوئی تو حضرت کو بڑی غیرت آئی کہ اڑھائی تین سو آدمی جہاز میں موجود اور تراویح میں قرآن شریف نہ سنایا جائے ایک بھی حافظ نہیں، بس الم ترکیف سے سورتیں یاد ہیں، اسی دن قرآن یاد کرنے بیٹھے، روز ایک سپارہ حفظ کرتے رات کو تراویح میں سنا دیتے، یہ بھی قرآن کا معجزہ ہے کہ اس طرح سے محفوظ ہو جانا کہ بوڑھے بوڑھے بھی اس کو یاد کر لیں اور ذہن کے اندر اتر جائے۔[۲]

حضرت مدنی کا حفظ قرآن

حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمہ اللہ کو انگریزوں نے گرفتار کیا تو جیل میں کوئی اور مشغلہ نہیں تھا قرآن کریم یاد کرنا شروع کر دیا اور تقریباً دو ثلث یاد کیا اور روز اسے تراویح میں پڑھا کرتے تھے مولانا مرحوم کی عمر تقریباً ستر سال کی تھی اور اس عمر میں یادداشت کمزور ہو جاتی ہے مگر یہ بھی قرآن کا اعجاز ہے جو اس کی طرف متوجہ ہو وہ خود اس کے قلب کے اندر آ جاتا ہے۔[۳]

---

۱ فضائل حفاظ القرآن، ص:۱۰۷۲
۲ فضائل حفاظ القرآن، ص:۱۰۷۳
۳ فضائل حفاظ القرآن، ص:۱۰۷۳

طالب علم کی چالاکی

حدیث کے مشہور امام سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ کا معمول یہ تھا کہ جب درس وتدریس سے جی بھرآتا تو بنی ہاشم کے دروازہ کے پاس ایک اونچی جگہ پر بیٹھ جاتے تاکہ آتے جاتے لوگوں کو دیکھیں۔

ایک دن اسی جگہ ایک طالب علم آپ کے پاس آبیٹھا اور کہا ''کوئی حدیث سنادیجئے'' آپ نے اس کو بہت سی احادیث سنائیں لیکن اسے سیرابی نہ ہوئی کہنے لگا اور سنادیجئے، آپ نے اور سنائیں اس نے مزید احادیث بیان کرنے کا مطالبہ کیا، آپ نے مزید روایات سناڈالیں اور اس کے ساتھ اسے ہلکا سادھکا دے دیا تاکہ وہ ہٹ جائے۔مگر طالب علم جان بوجھ کر نیچے جاگرا، لوگوں میں شور مچ گیا، یہ بات پورے علاقہ میں پھیل گئی کہ سفیان نے ایک حاجی کو قتل کرڈالا، یہ شور بڑھا تو سفیان ڈر گئے اور اٹھ کر اس کے پاس گئے، اس کا سر اپنی گود میں رکھا اور پوچھا ''تجھے کہاں چوٹ لگی ہے؟'' وہ کوئی جواب دینے کی بجائے ہاتھ پاؤں ماررہا تھا اور منہ سے جھاگ پھینکتا ہوا کہہ رہا تھا ''ہائے! سفیان نے مجھے مارڈالا'' امام سفیان نے اس سے کہا ''احمق تو دیکھتا نہیں لوگ کیا کہہ رہے ہیں؟'' یہ سن کر اس سے سرگوشی کے انداز میں کہا ''جب تک آپ مجھے زہری اور عمرو بن دینار کی سو احادیث نہ سنائیں گے میں نہیں اٹھوں گا'' آپ نے بادل نخواستہ اسے سو احادیث سنائیں، وہ خوش ہو کر اٹھا اور نو دو گیارہ ہوگیا[1]

بڑھیا کا حیرت ناک حفظ قرآن

حضرت عبداللہ بن مبارکؒ فرماتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ حج کو گیا، ایک سفر کے دوران راستے میں مجھے ایک بڑھیا بیٹھی ہوئی ملی جس نے اون کا قمیص پہنا ہوا تھا، اور اون ہی کی اوڑھنی اوڑھے ہوئے تھی، میں نے اسے سلام کیا، تو اس نے جواب میں کہا: سَلَامٌ قَوْلًا مِّن رَّبٍّ رَّحِيمٍ۔
میں نے پوچھا: اللہ تم پر رحم کرے، یہاں کیا کررہی ہو؟'' کہنے لگی:

---

[1] فراسة المؤمن للشيخ ابراهيم بن عبد الله الحازمي، ص: ۱۲۷

وَمَنْ یُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَا هَادِیَ لَه‘ (جسے اللہ گمراہ کردے اس کا کوئی رہنما نہیں ہوتا)

میں سمجھ گیا کہ وہ راستہ بھول گئی ہے، اس لئے میں نے پوچھا: ''کہاں جانا چاہتی ہو؟'' کہنے لگی: سُبْحَانَ الَّذِیْ اَسْرٰی بِعَبْدِهٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصٰی۔ (پاک ہے وہ ذات جو اپنے بندہ کو رات کے وقت مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک لے گئی)

میں سمجھ گیا کہ وہ حج ادا کر چکی ہے، اور بیت المقدس جانا چاہتی ہے، میں نے پوچھا: ''کب سے یہاں بیٹھی ہو؟''

کہنے لگی: ''ثَلَاثَ لَیَالٍ سَوِیًّا'' (پوری تین راتیں)

میں نے کہا: ''تمہارے پاس کچھ کھانا وغیرہ نظر نہیں آ رہا، کھاتی کیا ہو؟''

جواب دیا: هُوَ یُطْعِمُنِیْ وَیَسْقِیْنِ۔ (وہ اللہ مجھے کھلاتا پلاتا ہے)

میں نے پوچھا: ''وضو کس چیز سے کرتی ہو؟''

کہنے لگی: ''فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَیَمَّمُوْا صَعِیْدًا طَیِّبًا (اگر تم پانی نہ پاؤ پاک مٹی سے تیمّم کرلو)

میں نے کہا: ''میرے پاس کچھ کھانا ہے، کھاؤ گی؟''

جواب میں اس نے کہا: اَتِمُّو الصِّیَامَ اِلَی الَّیْلِ۔ (رات تک روزوں کو پورا کرو)

میں نے کہا: ''یہ رمضان کا تو زمانہ نہیں ہے''

بولی: وَمَنْ تَطَوَّعَ خَیْرًا فَاِنَّ اللّٰهَ شَاکِرٌ عَلِیْمٌ۔ (اور جو بھلائی کے ساتھ نفل عبادت کرے تو اللہ شکر کرنے والا اور جاننے والا ہے)

میں نے کہا: ''سفر کی حالت میں تو فرض روزہ نہ رکھنا بھی جائز ہے''

کہنے لگی: ''وَاَنْ تَصُوْمُوْا خَیْرٌ لَّکُمْ اِنْ کُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ (اگر تمہیں ثواب کا علم ہو تو روزہ رکھنا زیادہ بہتر ہے)

میں نے کہا: ''تم میری طرح کیوں بات نہیں کرتیں؟''

جواب ملا: ''مَا یَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَیْهِ رَقِیْبٌ عَتِیْدٌ''۔ (انسان جو بات بھی بولتا

ہے، اس کے لئے ایک نگہبان فرشتہ مقرر ہے)

میں نے پوچھا: ''تم ہو کون سے قبیلہ سے؟''

کہنے لگی: ''وَلا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ۔ (جس بات کا تمہیں علم نہیں اس کے پیچھے مت پڑو)

میں نے کہا: ''معاف کرنا مجھ سے غلطی ہوئی''

بولی: لَا تَثْرِيبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ يَغْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ۔ (آج تم پر کوئی ملامت نہیں، اللہ تمہیں معاف کرے)

میں نے کہا: ''اگر چاہو تو میری اونٹنی پر سوار ہو جاؤ، اور اپنے قافلہ سے جا ملو''

کہنے لگی: ''وَمَا تَفْعَلُوا مِنْ خَيْرٍ يَّعْلَمْهُ اللّٰهُ (تم جو بھلائی بھی کرو، اللہ اسے جانتا ہے)

میں نے یہ سن کر اپنی اونٹنی کو بٹھالیا، مگر سوار ہونے سے پہلے وہ بولی:

قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوا مِنْ أَبْصَارِهِمْ۔ (مومنوں سے کہہ کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں)

میں نے اپنی نگاہیں نیچی کرلیں اور اس سے کہا: ''سوار ہو جاؤ'' لیکن جب وہ سوار ہونے لگی تو اچانک اونٹنی بگڑ کر بھاگ کھڑی ہوئی اور اس جدوجہد میں اس کے کپڑے پھٹ گئے، اس پر وہ بولی:

وَمَا أَصَابَكُمْ مِنْ مُّصِيبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ أَيْدِيكُمْ۔ (تمہیں جو کوئی مصیبت پہنچتی ہے وہ تمہارے اعمال کے سبب ہوتی ہے)

میں نے کہا: ''ذرا ٹھہرو میں اونٹنی کو باندھ دوں پھر سوار ہونا''

وہ بولی: ''فَفَهَّمْنَاهَا سُلَيْمَانَ۔ (ہم نے اس مسئلہ کا حل سلیمان (علیہ السلام) کو سمجھا دیا)

میں نے اونٹنی کو باندھا، اور اس سے کہا: ''اب سوار ہو جاؤ'' وہ سوار ہوگئی اور یہ آیت پڑھی: سُبْحَانَ الَّذِي سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَمَا كُنَّا لَهُ مُقْرِنِينَ وَإِنَّا إِلٰى رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ۔ (پاک ہے وہ ذات جس نے اس (سواری) کو ہمارے لئے رام کر دیا، اور ہم اس کو قابو کرنے والے نہیں تھے، اور بلاشبہ ہم سب اپنے پروردگار کی طرف لوٹنے والے ہیں)

میں نے اونٹنی کی مہار پکڑی اور چل پڑا، میں بہت تیز تیز دوڑا جا رہا تھا، اور ساتھ ہی

زور زور سے چیخ کر اونٹنی کو ہنکا بھی رہا تھا، یہ دیکھ کر وہ بولی:

وَاقْصِدْ فِی مَشْیِکَ وَاغْضُضْ مِنْ صَوْتِکَ ۔ (اپنے چلنے میں اعتدال سے کام لو اور اپنی آواز پست رکھو)

اب میں آہستہ آہستہ چلنے لگا، اور کچھ اشعار ترنم سے پڑھنے شروع کئے، اس پر اس نے کہا: فَاقْرَءُ وْا مَا تَیَسَّرَ مِنَ الْقُرآنِ'' (قرآن میں سے جتنا پڑھ سکو وہ پڑھو)

میں نے کہا: تمہیں اللہ کی طرف سے بڑی نیکیوں سے نوازا گیا ہے''

بولی: وَمَا یَذَّکَّرُ اِلَّا اُولُوا الْاَلْبَاب ۔ (صرف عقل والے ہی نصیحت حاصل کرتے ہیں) کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد میں نے اس سے پوچھا:

''تمہارا کوئی شوہر ہے؟'' بولی: یٰأَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْ لَا تَسْاَلُوْا عَنْ اَشْیَاءَ اِنْ تُبْدَ لَکُمْ تَسُؤْکُمْ (ایسی چیزوں کے بارے میں مت پوچھو جو اگر تم پر ظاہر کردی جائیں تو تمہیں بری لگیں)

اب میں خاموش ہو گیا، اور جب تک قافلہ نہیں مل گیا، میں نے اس سے کوئی بات نہیں کی، قافلہ سامنے آ گیا تو میں نے اس سے کہا: یہ قافلہ سامنے آ گیا ہے، اس میں تمہارا کون ہے؟''

کہنے لگی: اَلْمَالُ وَالْبَنُوْنَ زِیْنَۃُ الْحَیَاۃِ الدُّنْیَا ۔ (مال اور بیٹے دنیوی زندگی کی زینت ہیں) میں سمجھ گیا کہ قافلے میں اس کے بیٹے موجود ہیں۔ میں نے پوچھا: ''قافلے میں ان کا کام کیا ہے؟'' بولی: ''وَعَلَامَاتٍ وَبِالنَّجْمِ ھُمْ یَھْتَدُوْنَ (علامتیں ہیں اور ستارے ہیں جن سے وہ راستہ معلوم کرتے ہیں)

میں سمجھ گیا کہ اس کے بیٹے قافلے کے رہبر ہیں، چنانچہ میں اسے لیکر خیمے کے پاس پہنچ گیا اور پوچھا: ''یہ خیمے آ گئے ہیں اب بتاؤں تمہارا (بیٹا) کون ہے؟''

کہنے لگی: ''وَاتَّخَذَ اللّٰہُ اِبْرَاھِیْمَ خَلِیْلاً وَ کَلَّمَ اللّٰہُ مُوْسیٰ تَکْلِیْماً یَایَحْییٰ خُذِ الْکِتَابَ بِقُوَّۃٍ ۔ یہ سن کر میں نے آواز دی: یا ابراہیم، یا موسیٰ، یا یحییٰ''

تھوڑی سی دیر میں چند نوجوان جو چاند کی طرف خوبصورت تھے، میرے سامنے آ کھڑے ہوئے۔ جب ہم سب اطمینان سے بیٹھ گئے تو اس عورت نے اپنے بیٹوں نے کہا:

فَابۡعَثُوۡا اَحَدَكُمۡ بِوَرِقِكُمۡ اِلَى الۡمَدِيۡنَةِ فَلۡيَنۡظُرۡ اَيُّهَا اَزۡكٰى طَعَامًا فَلۡيَاۡتِكُمۡ بِرِزۡقٍ مِّنۡهُ ۔(اب اپنے میں سے کسی کو یہ روپیہ دیکر شہر کی طرف بھیجو پھر وہ تحقیق کرے کہ کون سا کھانا زیادہ پاکیزہ ہے، سو اس میں سے تمہارے واسطے کچھ کھانا لے آئے)

یہ سن کر ان میں سے ایک لڑکا گیا اور کچھ کھانا خرید لایا، وہ کھانا میرے سامنے رکھا گیا تو عورت نے کہا: كُلُوۡا وَاشۡرَبُوۡا هَنِيۡٓــًٔا بِمَاۤ اَسۡلَفۡتُمۡ فِى الۡاَيَّامِ الۡخَالِيَةِ ۔(خوشگواری کے ساتھ کھاؤ پیو، یہ سب ان اعمال کے جو تم نے پچھلے دنوں میں کئے ہیں)

اب مجھ سے نہ رہا گیا:''میں نے لڑکوں سے کہا:

''تمہارا کھانا مجھ پر حرام ہے، جب تک تم مجھے اس عورت کی حقیقت نہ بتلاؤ''

لڑکوں نے بتایا کہ ''ہماری ماں کی چالیس سال سے یہی کیفیت ہے، چالیس سال سے اس نے قرآنی آیات کے سوا کوئی جملہ نہیں بولا۔ اور یہ پابندی اس نے اپنے اوپر اس لئے لگائی ہے کہ کہیں زبان سے کوئی ناجائز یا نامناسب بات نہ نکل جائے جو اللہ کی ناراضی کا سبب بنے'' میں نے کہا: ذٰلِكَ فَضۡلُ اللّٰهِ يُؤۡتِيۡهِ مَنۡ يَّشَآءُ ‌ؕ وَاللّٰهُ ذُو الۡفَضۡلِ الۡعَظِيۡمِ [1]

متنبّی کا حیرت انگیز حافظہ

ابو الحسن علوی بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ وراق نے مجھ سے کہا کہ میں نے اس نوجوان عیدان السقاء کے بیٹے (یعنی متنبّی) سے زیادہ حافظہ والا کوئی نہیں دیکھا، میں نے کہا وہ کیسے؟ وراق نے کہا ''ایک روز ایک آدمی امام اصمعی کی کوئی کتاب جو تقریباً تیس ورق پر مشتمل تھی، برائے فروخت لے کر آیا، متنبّی نے اسے لے کر پڑھنا شروع کر دیا، صاحب کتاب نے کہا ''جناب میں تو کتاب بیچنے کے لئے لایا تھا آپ نے خواہ مخواہ مطالعہ کے پیچھے مجھے اٹکا دیا، اگر آپ حفظ کرنا چاہتے ہیں تو یہ ایک ماہ سے کم میں حفظ نہ ہو سکے گی۔ متنبّی نے کہا ''اگر میں ابھی حفظ کر کے سنادوں تو کیا ہوگا؟'' صاحب کتاب نے کہا ''کتاب

---

[1] تراشے، ص:۴۰ [2] ظفر المحصلین باحوال المصنفین، ص:۱۲۶

مفت دے دوں گا'' متنبی نے ایک آدھ مرتبہ کتاب پڑھ کر اول تا آخر سنا دی[۲]

صاحب سبعہ معلقہ کا حافظہ

صاحب سبعہ معلقہ ابو القاسم حماد کا لقب راویہ تھا، ایک مرتبہ ولید بن یزید اموی نے اس سے پوچھا ''تمہیں راویہ کا لقب کیسے ملا؟'' اس نے کہا ''میں نے ہر اس شاعر کے قدیم وجدید اشعار کو یاد کیا ہے جس کو آپ جانتے ہیں یا آپ نے اس کا نام سنا ہے نیز میں ان کے اشعار کی روایت بھی کرتا ہوں اس لئے لوگ مجھے راویہ کہنے لگے'' یہ سن کر ولید متحیر رہ گیا اور اس نے پوچھا کہ ''تمہیں کتنے اشعار یاد ہیں؟'' حماد نے کہا ''اس کثرت سے یاد ہیں کہ حروف معجم کی ترتیب سے ہر حرف پر سو قصیدے پڑھ سکتا ہوں اور یہ شعراء جاہلیت کے ان اشعار کے علاوہ ہوں گے جو مقطعات کہلاتے ہیں'' ولید نے بغرض امتحان اشعار سنانے کا حکم دیا چنانچہ حماد نے اشعار سنانا شروع کئے اور اتنے سنائے کہ ولید سنتے سنتے تھک گیا اور مجبور ہو کر اپنی جگہ اپنے ایک معتمد کو بٹھا دیا، حماد نے اس کو صرف عرب جاہلیت کے کچھ کم تین ہزار اشعار سنا ڈالے جب ولید کو اس کی اطلاع ملی تو اس نے ایک لاکھ درہم دینے کا حکم دیا۔

کہا جاتا ہے کہ کسی نے حماد سے کثرت روایت کے متعلق دریافت کیا تو اس نے کہا کہ میں سات سو قصیدے ایسے روایت کرتا ہوں جن میں سے ہر ایک کا آغاز ''بانت سعاد'' سے ہے۔

ایک مرتبہ طرماح نامی شاعر نے حماد کو ساٹھ اشعار کا ایک قصیدہ سنایا، حماد نے کہا ''یہ قصیدہ تیرا نہیں ہے'' اس نے کہا ''آپ یہ بات کیسے کر سکتے ہیں؟'' حماد نے کہا ''میں یہی قصیدہ بیس اشعار کے اضافہ سے سناتا ہوں جس سے یہ ثابت ہو جائے گا کہ یہ قصیدہ تیرا نہیں ہے'' چنانچہ حماد نے اس کو اسی طرح سنا دیا[۱]

حیرت انگیز حافظہ یا خوبصورت جھوٹ؟

ابو عمر الزاہد جو غلام ثعلب کے لقب سے مشہور تھے اپنے حیرت انگیز حافظہ کی بناء بڑی شہرت کے حامل تھے۔ اسی بے پناہ قوت حافظہ کی وجہ سے ان کو اہل ادب کی تیغ ستم کا ہدف بننا پڑا اور علم لغت میں سند ثقاہت سے محروم ہونا پڑا جبکہ طبقہ محدثین نے انہیں ثقہ قرار دیا تھا۔

---

[۱] ظفر المحصلین باحوال المصنفین، ص: ۱۹۴

ان کا ایک واقعہ بیان کیا جاتا ہے کہ بغداد کے کچھ لوگ ان پر لگائے گئے جھوٹ کے الزامات کا تذکرہ کرتے ہوئے راستے کے ایک پل پر سے گزرے تو ان میں سے ایک نے کہا ''ایسا کرتے ہیں کہ ''قنطرة'' (پل) کے لفظ کو الٹا کر دیتے ہیں اور اس کو بے معنی اور مہمل بنا کر اس کے معنی ابو عمر سے دریافت کرتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ کیا جواب دیتے ہیں۔ جب ان کے پاس پہنچے تو اس شخص نے کہا ''حضرت! عربوں کے ہاں ''ھرطنق'' کیا چیز ہے؟ ابو عمر فوراً بولے ''فلاں چیز ہے اور اس طرح ہوتی ہے'' یہ سن کر وہ اپنی ہنسی ضبط نہ کر سکے کیوں کہ یہ تو ایک مہمل لفظ انہوں نے اپنی طرف سے گھڑا تھا جس کے کوئی معنی نہیں تھے اور وہاں سے چلے آئے۔ تقریباً ایک مہینے بعد انہوں نے کسی دوسرے شخص کو ''ھرطنق'' کے معنی دریافت کرنے ان کے پاس بھیجا تو انہوں نے کہا ''کیا یہ فلاں لفظ نہیں جو فلاں دن فلاں موقع پر مجھ سے پوچھا گیا تھا'' پھر اس کے بعد بعینہٖ پہلے والا جواب دیا۔ یہ سن کر وہ لوگ کہنے لگے کہ ہم فیصلہ نہیں کر پاتے کہ ان کی حیرت انگیز قوت حافظہ پر تعجب کریں اگر انہوں نے سچ کہا ہے یا ان کے خوبصورت جھوٹ پر اگر انہوں نے جھوٹ کہا ہے[1]

بے محنت پیہم کوئی جوہر نہیں کھلتا

مولانا عبد العزیز میمنی برصغیر میں عربی ادب کے نامور ادیبوں میں سے ہیں، ڈاکٹر خورشید رضوی ان کے متعلق لکھتے ہیں:

''انہوں نے مطالعہ میں کیسی جانکاہ محنت کی تھی اس کا اندازہ اس بات سے ہوگا کہ ایک روز ازروئے شفقت انہوں نے میرے حافظے کی تعریف فرمائی تو میں نے عرض کیا کہ حافظہ تو دراصل آپ کا ہے کہ اس پیرانہ سالی میں آپ کو اس قدر ادبی سرمایہ نوک زبان ہے، فرمایا ''نہیں، آپ ایک بار سن کر یاد رکھتے ہیں جب کہ میں نے یہ سب کچھ سو سو مرتبہ نظر سے گزارا ہے''[2]

بے محنت پیہم کوئی جوہر نہیں کھلتا

---

[1] التعالم واثرہ علی الفکر والکتاب، ص:۱۹ [2] تالیف از ڈاکٹر خورشید رضوی، ص:۶۴

روشن شرر تیشہ سے ہے خانہ فرہاد

﴿فہرست المراجع﴾

الصحیح للبخاری	محمد بن اسماعیل البخاریؒ
الصحیح لمسلم	مسلم بن الحجاج القشیریؒ
السنن للدارمی	عبداللہ بن عبدالرحمن التمیمی الدارمیؒ
مستدرک الحاکم	الامام حاکم شہیدؒ
فتح الباری	ابن حجر عسقلانیؒ
فیض الباری	العلامۃ انور شاہ الکشمیریؒ
فتح الملہم	العلامۃ شبیر احمد العثمانیؒ
البدایۃ و النہایۃ	ابن الاثیرؒ
سیر اعلام النبلاء	شمس الدین الذہبیؒ
تہذیب الکمال	العلامۃ المزیؒ
تہذیب التہذیب	ابن حجر العسقلانیؒ
تذکرۃ الحفاظ	العلامۃ الذہبیؒ
ذیل تذکرۃ الحفاظ	الامام السیوطیؒ
طبقات ابن سعد	الامام ابن سعدؒ
نزہۃ الخواطر	مولانا عبدالحی لکھنویؒ
تاریخ دمشق	....

تاریخ بغداد	خطیب بغدادیؒ
التاریخ الکبیر	محمد بن اسماعیل البخاریؒ
الاصابة	ابن حجر العسقلانیؒ
تاریخ ابن عساکر	ابن عساکرؒ
سیر الصحابة	مولانا شاہ معین الدین ندویؒ
لسان العرب	العلامة الافریقی
المعجم الوسیط	مجمع اللغة العربیة، مصر
الصحاح	الامام الجوھری
الفقیہ و المتفقہ	خطیب بغدادیؒ
الفوائد البھیة	مولانا عبدالحی لکھنویؒ
جامع بیان العلم	ابن عبدالبرؒ
شذرات الذھب	ابن العماد حنبلیؒ
درس ترمذی	مفتی تقی عثمانی صاحب مدظلہ
کشف الباری	مولانا سلیم اللہ خان مدظلہ
معجم الارباء	یاقوت الحمویؒ
الوافی بالوفیات	الصلاح الصفدیؒ
الدر الکامنة	ابن حجر عسقلانیؒ
دائرہ معارف اسلامیہ	زیر اہتمام: دانش گاہ پنجاب لاہور
ترتیب المدارک	قاضی عیاض مالکیؒ
نزھة النظر	ابن حجر العسقلانیؒ

اخبار الاخیار	عبدالحق محدث دهلویؒ
تذکرۃ الخلیل	مولانا عاشق الٰہی میرٹھی
فراسة المومن	الشیخ ابراهیم بن عبدالله الحازمیؒ
الهیئة الوسطیٰ	مولانا موسیٰ الروحانی البازیؒ
فضائل حفاظ القرآن	ابوعبدالقادر محمد طاهر الرحیمی المدنی
مجموعہ	مولانا اشرف علی تھانویؒ
التعالم واثره علی الفکر و الکتاب	بکر بن عبدالله ابو زید
اخبار ابی حنیفة و اصحابه	قاضی ابو عبدالله حسینی بن علی
عقود الجمان	محمد بن یوسف صالح دمشقی
وفیات الاعیان	ابن خلکانؒ
بغیة الوعاة	علامه سیوطیؒ
قرة العیون فی تذکرة الفنون	مولانا محمد حنیف گنگوہیؒ
تدریب الراوی	علامه جلال الدین السیوطیؒ
العلماء العزاب	عبدالفتاح ابوغدهؒ
محدثین کے علمی کارنامے	مولانا ارسلان اختر صاحب
محدثین عظام اور ان کی کتابوں کا تعارف	مولانا سلیم اللہ خان مدظلہ
حکایات صحابہ	مولانا زکریا قدس سرہ
درس مقامات	ابن الحسن عباسی
ظفر المصلین باحوال المصنفین	مولانا محمد حنیف گنگوہیؒ
تراشے	مفتی تقی عثمانی مدظلہ

بائبل سے قرآن تک	مولانا رحمۃ اللہ کیرانویؒ
حیات کشمیری	مولانا انظر شاہ کشمیری مدظلہ
مشاہیر اہل علم کی محسن کتابیں	مولانا محمد عمران ندویؒ
پرانے چراغ	ابوالحسن علی الندویؒ
متاع وقت اور کاروانِ علم	ابن الحسن عباسی
التجائے مسافر	ابن الحسن عباسی
ابن ماجہ اور علم حدیث	مولانا عبدالرشید نعمانیؒ
نفحة العرب	شیخ الادب مولانا اعزاز علیؒ
کیف تحفظ القرآن	شیخ یحییٰ عبدالرزاق الغوثانی
دیوان الامام الشافعی	الامام الشافعیؒ
الاحیاء	الامام الغزالیؒ
ایھاالولد	الامام الغزالیؒ
الکلمات الحسان	ابو الحارث محمد بن مصطفیٰ
اخبار الحمقی و المغفلین	ابو الفرج ابن الجوزیؒ
الجامع فی الحث علی حفظ العلم	....
الجامع لاخلاق الراوی و آداب السامع	الخطیب البغدادی
نفسیات کے بنیادی اصول	غلام محی الدین
اصول نفسیات	ٹی ایم یوسف، عمارہ یوسف
تعلیم التعلم طریق التعلم	علامہ زرنوجیؒ
حاذق	حکیم اجمل خانؒ

فتاوی شامی	ابن عابدینؒ
اسلاف کے حیرت انگیز کارنامے	مولانا محمد یوسف ہاشمی
تدوین حدیث	مولانا مناظر احسن گیلانیؒ
گنجینۂ اسرار	مولانا انور شاہ کشمیریؒ
شمس المعارف الکبریٰ	للشیخ احمد بن علی البونی
کتاب التعریفات	العلامة الجرجانی
تالیف	ڈاکٹر خورشید احمد رضوی